w.poetrymania.co

حصّہ اوّل

تفسیر القرآن

www.poetrymania.com©

سورۃ الفاتحۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فاتحہ

قرآن مجید کی سورتوں کو جو سورۃ کہتے ہیں اُسکی وجہ تسمیہ میں متعدد اقوال ہیں سب سے صاف یہ ہے کہ سورت شہر کی فصیل کو کہتے ہیں جس سے شہر محدود ہو جاتا ہے۔ اُسی مناسبت سے قرآن مجید کی آیات معینہ محدودہ پر سورت کا اطلاق کیا گیا ہے ✤

قرآن مجید میں نبی آٹھ جگہ سورت کا لفظ آیا ہے۔ اگرچہ وہاں لفظ سورۃ سے قرآن مجید کی سورتیں جو سورتوں کے نام سے مشہور ہیں مراد نہیں ہے۔ بلکہ اُن سے قرآن مجید کا ایسا حصہ مراد ہے جسمیں کوئی پورا مطلب اور منشا بیان کیا گیا ہو۔ مگر جبکہ کوئی حصہ تعین کیا جاویگا تو ضرور ہے کہ وہ حصہ معین و محدود ہوگا۔ اُسی مناسبت سے قرآن مجید میں اُس پر سورت کا اطلاق ہوا ہے۔ پس اُسی کی پیروی سے اُن مجموعۂ آیات پر جو درحقیقت معین و محدود اور اپنے ماقبل و مابعد سے علیحدہ ہیں۔ سورت کا اطلاق کرنا۔ نہایت درست و صحیح ہے ✤

قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ اُن میں سے بجز انتیس کے جنکی ابتدا میں حروف مقطعات ہیں اور کسی کو خدا تعالیٰ نے کسی نام سے موسوم نہیں کیا جسقدر نام سورتوں کے ہیں وہ سب بعد کے رکھے ہوئے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ ہی میں یہ نام مشہور ہو گئے ہیں۔ مگر اُن میں سے کسی بات کا کچھ ثبوت نہیں ہے۔ حدیثوں میں جو اِن سورتوں میں سے بعض کے نام آئے ہیں اگرچہ وہ حدیثیں ثابت نہیں ہیں۔ تاہم اگر انکو ثابت بھی مانا جاوے تو اُس سے بجز اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ راوی اخیر کے زمانہ میں وہ

www.poetrymania.com©

سورت اُس نام سے مشہور تھی ✣

یہودیوں کا دستور تھا کہ توریت کی سورتوں کو یا اُسکے شروع کے لفظ سے موسوم کرتے تھے۔ یا جس معاملہ یا مطلب پر وہ سورت دلالت کرتی تھی اُسی میں سے کوئی لفظ لیکر اُسکا نام رکھدیتے تھے۔ مثلاً توریت کی پہلی سورت کے شروع میں لفظ "براشیت" בראשית آیا ہے اُسکا نام اُنھوں نے "سورہ براشیت" פרשת בראשית رکھا تھا اور دوسری سورت میں حضرت نوح کا قصہ ہے اُسکا نام "سورہ نوح" פרשת נח رکھا تھا اُسی قاعدہ کے مطابق اہل اسلام نے بھی قرآن مجید کی سورتوں کے نام رکھے ہیں۔ اِس سورت کا نام جو سورہ فاتحہ رکھا ہے اِس لحاظ سے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید اِس سے شروع ہوتا ہے۔ مگر یہ نام اُن ناموں میں سے نہیں ہے جو وحی سے ٹھہرائے گئے ہیں ✣

(اختلاف قرأت) جب قرآن نازل ہوتا تھا۔ تو متفرق ٹکڑوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور لوگ جو سنتے تھے اُسکو بر زبان یاد بھی کر لیا کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ عام قاعدہ فطرت انسانی کا ہے بر زبان یاد کرنے والوں کو پیش آتا تھا۔ یعنی جسکا حافظہ قوی تھا اُسکو نہایت صحت و ضبط کے ساتھ یاد رہتا تھا اور جسکا حافظہ قوی نہ تھا اُسکو ایسے ضبط سے یاد نہ رہتا تھا۔ اور اسوجہ سے اختلاف قرأت پیدا ہو گئے تھے۔ کسی کو واو کی جگہ ف یاد رہگئی کسی کو زیر کی جگہ زبر کسی کو سکون کی جگہ تشدید یا۔ اور کچھ شبہہ نہیں کہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص بر زبان یاد رکھنے میں کوئی کلمہ یا آیت بھول گیا۔ یا کوئی غیر کلمہ اوسکی زبان پر چڑھ گیا جو درحقیقت اوسمیں نہ تھا۔ غرضکہ زبانی یاد رکھنے میں جو امور کہ موافق فطرت انسانی پیش آسکتے ہیں اُس زمانہ کے لوگوں کو بھی پیش آتے تھے۔ مگر جو لغزشیں اس طرح واقع ہوتی تھیں اُسکے درست کرنے والے یا تو وہ لوگ تھے جو نہایت صحت و ضبط سے یاد رکھتے تھے یا وہ متفرق لکھے ہوئے پرچے تھے جو قرآن نازل ہونے کے وقت لکھ لیئے جاتے تھے۔ غرضکہ زبانی غلطیاں یا تو بخوبی یاد رکھنے والوں سے یا متفرق لکھے ہوئے پرچوں سے جو لوگوں کے پاس تھے صحیح ہو جاتی تھیں ✣

یہ اختلاف روز بروز جیسا کہ عام قاعدہ ہے بڑھتا جاتا تھا۔ اسلیئے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں صحابہ نے اسپر اتفاق کیا۔ کہ اُن متفرق پرچوں کو جمع کر کے تمام قرآن مجید کو ایک جگہ لکھ لینا

www.poetrymania.com©

چاہیئے۔ تاکہ اختلاف نہ رہے۔ پس زید بن ثابت نے وہ تمام متفرق پرچے جمع کیئے اور انہیں ہمعصروں سے جو قرآن کو بخوبی یاد رکھتے تھے اور جنکے پاس متفرق پرچے لکھے ہوئے تھے ملایا۔ اور اول سے آخر تک قرآن مجید لکھ لیا +

حضرت عثمانؓ کے وقت تک بلاد دور دست میں اسلام پھیل گیا تھا۔ اور صرف ایک قرآن کا مدینہ میں ہونا کافی نہ تھا۔ اسلیئے انہوں نے اس قرآن کی جسکو زید بن ثابت نے لکھا تھا متعدد نقلیں کیں۔ اور دور دور کے ملکوں میں بھیجدیا۔ یہ کارروائی نہایت مفید ہوئی اور سب سے بڑا یہ کام ہوا کہ اُس زمانہ سے پہلے کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی اور کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو دو یاد تھیں کسی کو دس یاد تھیں کسی کو آدھی یاد تھی کسی کو پاؤ۔ اب سینکڑوں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنکو بہ ترتیب من اوّلہ الی آخرہ تمام قرآن یاد تھا +

اگرچہ اب وہ غلطیاں جو بسبب اسقاط یا اضافہ کلمات کے زبانی یاد رکھنے والوں کو پڑتی تھیں۔ بالکل جاتی رہیں۔ مگر پھر بھی کسی قدر اختلاف قرأت باقی رہا۔ اسلیئے کہ یہ سب قرآن جو لکھے گئے تھے قدیم کوفی خط میں تھے جسمیں نہ نقطے ہوتے تھے نہ اعراب۔ اور اگرچہ عرب اس سبب سے کہ انکی زبان تھی اُسکو بخوبی بلا تکلف بصحت پڑھتے تھے۔ مگر پھر بھی بعضے ایسے لفظ تھے کہ بلحاظ قواعد صرف و نحو زبان عرب کے۔ یا یوں کہو کہ مطابق بول چال اہل عرب کے اگر اسکو (یہی) سے پڑہو تو بھی معنی ٹھیک ہوتے ہیں۔ اور اگر (تے) سے پڑہو تو بھی معنے ٹھیک ہوتے ہیں۔ اگر سکون سے پڑہو تو بھی صحیح ہے۔ اور اگر تشدید سے پڑہو تو بھی صحیح ہے چنانچہ اس قسم کے اختلاف قرأت مگر بہت کم باقی رہ گئے +

تھوڑے دنوں بعد جبکہ بعض صحابہ اور بہت سے تابعین زندہ تھے۔ اور ہزاروں شخص قرآن مجید کو بہ ترتیب من اوّلہ الی آخرہ یاد رکھنے والے موجود تھے۔ اس اختلاف کے رفع کرنے پر بھی کوشش کی گئی۔ اور قرآن مجید میں اعراب اور نقاط بالکل لگا دیئے۔ کتابوں میں تو بلا شبہ اُن پہلے اختلافوں کا ذکر ہوتا ہے مگر فی الواقع اختلاف قرأت بالکل جاتا رہا۔ اور ہزارہا آدمی ہر زمانہ میں ایسے موجود ہو گئے جنکو بہ ترتیب من اوّلہ الی آخرہ قرآن حفظ یاد تھا۔ اور کسی کی قرأت میں ایک حرف یا ایک اعراب کا بھی فرق نہ تھا۔ اور آجکے دن ہی جو یکم شوال ۱۳۰۷

www.poetrymania.com©

نبوی مطابق ۱۲۹۲ھ ہجری موافق اکتوبر ۱۸۷۵ء عیسوی کے ہیں ہزاروں حافظ ہر ملک میں اسی قسم کے موجود ہیں۔ درحقیقت یہ شرف سوائے قرآن مجید کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ کہ اگر تمام دنیا سے قرآن کے قلمی اور چھاپہ کے نسخے معدوم کر دیئے جاویں تو حافظوں کے سینہ سے پھر قرآن بالکل ایسا ہی نقل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہے اور جسمیں ایک لفظ اور ایک شوشہ ایک اعراب کا بھی فرق نہ ہوگا ؛

اسکے سوا ایک اور قسم کا اختلاف قرأت ہے جو عرب کی مختلف قوموں کے لہجہ اور محاورہ زبان سے علاقہ رکھتا ہے۔ یا جو اختلاف گنواروں اور اشرافوں اور پڑھے لکھوں اور جاہلوں کی زبان میں ہوتا ہے۔ اُسکو اختلاف قرأت پر منسوب کرنا بیجا ہے۔ کیونکہ وہ اختلاف قرأت نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف تلفظ ہے جسکو انگریزی زبان میں "پرونسی ایشن" کہتے ہیں ؛

توریت اور صحف انبیا اور انجیل کے قلمی نسخے جو اب دنیا میں موجود ہیں۔ وہ آپسمیں نہایت مختلف ہیں۔ اگرچہ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کی ہے ! اور نہ علمائے متقدمین و محققین اس بات کے قائل تھے مگر علمائے متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیل کی ہے اُسپر عیسائی مصنفوں نے اس امر محال کے اثبات پر کوشش کی ہے کہ قرآن میں بھی تحریف ثابت کریں۔ اور انھوں نے اپنی اس ناشدنی سعی میں کامیاب ہونے کو تین امر پر استدلال کیا ہے۔ اول اختلاف قرأت پر جسکا بالتفصیل اوپر مذکور ہوا۔ دوم شیعہ مذہب کی ایسی روایتوں پر جنکو خود شیعہ بھی تسلیم نہیں کرتے جنمیں کذاب اور ایک گروہ کے طرفدار راویوں نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں اور بھی آیتیں یا سورتیں حضرت علی اور اہلبیت کی شان میں ہیں جو جامعین قرآن نے داخل نہیں کیں۔ سوم اُن لغو اور بیہودہ روایتوں پر جنمیں بعض آیات متروک التلاوت یا منسوخ التلاوت کا ہونا بیان کیا گیا ہے اور جنکو شریر و بدمذہب آدمیوں نے شہرت دیا ہے ؛

قرآن مجید کے اختلاف قرأت کو اور توریت و صحف انبیا و زبور و انجیل کے اختلاف عبارت کو یکساں قرار دینا عمداً دانستہ ایک غلطی کرنا ہے۔ ریونڈ مسٹر ہارن مختلف عبارتوں کا

www.poetrymania.com©

لکھتے وقت لکھتے ہیں کہ ،، دو یا زیادہ مختلف عبارتوں میں صرف ایک عبارت صحیح ہوسکتی ہے ۔ باقی خواہ تو دیدہ و دانستہ تبدیل کیگئی ہونگی یا وہ نقل کرنے والوں کی غلطیاں ہونگی ،، پھر وہ یہودی اور عیسائی کتب مقدسہ میں اختلاف عبارت ہونے کے چار سبب لکھتے ہیں اوّل لکھنے والے کی غفلت یا غلطی ۔ دوم جن نسخوں سے نقل کی گئی ہو اُنکا غلط یا ناقص ہونا ۔ سوم نقل کرنے والے کا بلا کافی و معتبر سند کے اصل عبارت میں اصلاح دینا ۔ چہارم دیدہ و دانستہ کسی خاص فریق کی تائید کے لیے عبارت کا بگاڑ دینا ۔ پس قرآن مجید کا کوئی بھی اختلاف قراءت اِن حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ بھی مناسبت نہیں رکھتا ؛

علاوہ اِسکے قرآن مجید کی تحریف ثابت کرنے کو عیسائی مصنفوں نے جن مذکورہ بالا مخرجوں پر استدلال کیا ہے اور جو مخرج فی نفسہ غلط ہیں ۔ اُنکی غلطی ثابت کرنے پر ایک طولانی بحث کرنے سے زیادہ تر یہ مختصر بات بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جس بنا پر عیسائیوں نے تحریف قرآن کا دعوی کیا ہے اُس طرح پر دعوی کرنا بمقابل اُن مسلمانوں کے جو دعوی تحریف لفظی کا کتب مقدسہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کرتے ہیں صحیح نہیں ہوسکتا اسلیے کہ اُن مسلمانوں کا یہ دعوی ہے کہ جسطرح پر کہ ابتدا میں توریت و صحف انبیا و انجیل و زبور لکھی گئی تھی بعد اُسکی تحریر کے یہودیوں اور عیسائیوں نے اُسمیں تحریف لفظی کی ہے اور جملے اور کلمے اور آیتیں نکالدی ہیں اور اپنی طرف سے آیتیں اور جملے اور کلمے بلکہ کتابیں کی کتابیں لکھکر داخل کردی ہیں ؛

پس اگر کوئی عیسائی اُسکے مقابلہ میں قرآن کی تحریف کا دعوی کرنا چاہے ۔ تو اُسکو اختلاف قراءت یا روایات غیر مسلمہ اہل مذہب کا پیش کرنا کافی نہیں ہے ۔ بلکہ وہ اُنکے مقابل جب ہوسکتا ہے جب وہ یہ دعوی کرے کہ جو قرآن زید بن ثابت نے ابتدا میں لکھا تھا اُسکی تحریر کے بعد آیت یا سورت اُسمیں سے نکالڈالی گئی ہے ۔ اور یہ آیت یا یہ کلمات اُسمیں بڑھا دیئے گئے ہیں ۔ یا یہ صیغے یا یہ اعراب تبدیل کردیئے گئے ہیں ۔ اور اگر وہ یہ دعوے نہیں کرسکتا تو بالفرض زید بن ثابت نے جو کچھ کیا ہو ۔ کیا ہو ۔ مگر قرآن پر تحریف کا دعوی نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ جیسا وہ جب لکھا گیا تھا ۔ ویسا ہی اب تک موجود ہے ؛

زید بن ثابت نے جب قرآن لکھا تھا اور جسکی نقل حضرت عثمانؓ نے کی تھی ۔ اُس زمانہ میں قواعد

www.poetrymania.com©

رسم خط کے بخوبی منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اور اس سبب سے بہت سے الفاظ زید بن ثابت نے اسطرح لکھے ہیں جو ان قواعد رسم خط سے جو بعد کو منضبط ہوئے مختلف ہیں مگر صرف اس خیال سے کہ جو کچھ زید بن ثابت نے لکھا ہی اسمیں تبدیلی نہ واقع ہونے پاوے حضرت عثمان رض نے بھی وہی رسم خط رہنے دی تھی۔ اور اسکے بعد تمام مسلمانوں نے صرف قرآن کی تحریر میں اسی رسم خط کو رہنے دیا۔ اور یہاں تک اوسمیں غلو کیا کہ اسکے برخلاف رسم خط تحریر قرآن میں اختیار کرنے کو گناہ اور کفر قرار دیدیا ٭

قاری مصطفے تفسیر بحر العلوم کے مصنف نے لکھا ہے کہ،، مطابقت خط مصحف عثمانی بر کاتب قرآن از واجبات دینی ست کہ اجماع صحابہ بداں واقع شدہ است و مخالفت اجماع حرام باشد و جمہور علماء و ائمہ مذاہب اربعہ سنیہ بریں اندر متفق آمدہ مُسْئِلَ مَالِكٌ هَلْ يُكْتَبُ مَا اَحْدَثَهُ النَّاسُ مِنَ الْهِجَا فَقَالَ لَا اِلَّا عَلَى الْكَتَبَةِ الْاُوْلٰى ٭

اور اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے کہ،، كَانَ اَحْمَدُ يُحَرِّمُ مُخَالِفَةَ خَطِّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي وَاوٍ اَوْ يَاءٍ اَوْ اَلِفٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ ٭

اور ابن مہران کا قول ہے کہ،، اِتِّبَاعُ الْمُصْحَفِ فِي هِجَاءِهِ وَاجِبٌ وَمَنْ طَعَنَ فِي شَيْءٍ مِنْ هِجَاءِهِ فَهُوَ كَالطَّاعِنِ فِي تِلَاوَتِهِ لِاَنَّهُ بِالْهِجَاءِ يُتْلٰى،، ٭

اور حدیقۃ البیان میں لکھا ہے کہ،، اگر کسی اعتقاد کند کہ بر موافق امام یعنی مصحف عثمانی نباید نوشت نسبت خطا بر قلم اولین کردہ باشد زیراکہ در لوح محفوظ بہماں طور نوشتہ شدہ است و نیز بجناب صحابہ رضی اللہ عنہ بلکہ بجناب رسالت معلم صحابہ و بجبرئیل معلم رسول نسبت خطا واقع میشود و زیادتی و کمی در قرآن حاصل می آید و ایں ہمہ قریب کفر ست،، ٭

اور کتاب ہجا میں ابی عبداللہ محمد کا یہ قول ہے کہ،، مَنْ خَالَفَ الْاِمَامَ صَارَ فَاسِقًا وَدَخَلَ تَحْتَ وَعِيْدِ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ٭

اور ایضاح میں لکھا ہے کہ،، يُكْرَهُ قِرَاَءةُ الْقُرْاٰنِ مِنَ الْمُصْحَفِ الَّذِيْ يُخَالِفُ مَا خَطَّهُ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رض ٭

یہ تشدد اس تصرف اسی مطلب سے ہیں کہ جو کچھ زید بن ثابت نے لکھا اور جسکی بعینہ نقل

www.poetrymania.com©

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی۔ اُسمیں ذرہ بھی فرق نہ پڑنے پایا ہے۔ چنانچہ آجتک قرآن مجید اُسی طرح محفوظ ہے۔ پس ہر شخص یہ بات کہہ سکیگا اور قبول کرسکیگا کہ دنیا میں کوئی قلمی کتاب بجز قرآن مجید کے ایسے موجود نہیں ہے۔ کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی ایسی ہی موجود ہو جیسی کہ پہلے دن لکھی گئی تھی جسمیں ایک شوشہ تک کا فرق نہیں اور باوجودیکہ لاکھا قلمی نسخے اس کے پھیلے مگر سب یکساں ہیں۔ پھر ایسی کتاب کی نسبت یہ کہنا کہ اُسمیں بھی اس قسم کی تحریف ہوئی ہے جیسی کہ مسلمان توریت و انجیل میں بیان کرتے ہیں۔ ایسی بات ہے جسکو کوئی شخص نہ بت پرست نہ یہودی۔ نہ عیسائی۔ نہ سیاہ کافر۔ غرضکہ کوئی بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ سر ولیم میور صاحب بھی اپنی کتاب مسمّی لیف آف محمد میں تسلیم کرتے ہیں کہ،، دنیا میں غالبًا کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جسکی عبارت بارہ سو برس تک ایسی خالص رہی ہو ✦

(آیات) علاوہ اعراب کے قرآن کے نسخوں میں اور بھی نشان پائے جاتے ہیں جو آیات وغیرہ کے نشان کہلاتے ہیں ✦

(گول چھوٹا سا دائرہ) آیت پوری ہونے کی نشانی ہے ✦

مـ (م) یہ نشان اسلیئے ہے کہ اُس کلمہ پہ ٹھیر جانا اور اُسکو آئندہ کے کلمے سے نہ ملانا نہایت ضرور ہے ✦

ط (ط) یہ نشان اس لیئے ہے کہ اُس کلمہ پر ٹھیر جانا اور اگلے کلمہ کو جدا شروع کرنا بہتر ہے ✦

ج (ج) یہ نشان اسلیئے ہے کہ وہاں ٹھیر جانا جائز ہے ✦

ز (ز) یہ نشان اسلیئے ہے کہ یہاں ٹھیر جانا تجویز کیا گیا ہے۔ مگر ملانا بہتر ہے ✦

ص (ص) یہ نشانی اسلیئے ہے کہ یہاں ٹھیر جانے کی رخصت دی گئی ہے ✦

یہ پانچ نشانیاں تو وہ تھیں جو متقدمین نے اختیار کی تھیں مگر متاخرین نے سات اور بڑھائیں ✦

قف (قف) گویا ٹھیرنے کا حکم ہے ✦

ق (ق) یعنے بعضوں نے یہاں ٹھیر جانا کہا ہے ✦

صلے (صلی) اس کلمہ کو اگلے کلمے سے ملا ہوا پڑھنا بہتر ہے ✦

www.poetrymania.com©

- (ل) یعنی یہاں ٹھیرنا جائز نہیں بلکہ ملا ہوا پڑھنا بہتر ہے ✤
- (سکتۃ) یعنے ٹھیرلو مگر دم نہ لو ✤
- (ک) یعنے کذالک ہے یعنے اوپر کا نشان ہے ✤
- (قلا) یعنے بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں ٹھیرنا نہیں چاہیئے ✤

بہرحال یہ سب نشان علما نے قرآن کا مطلب سمجھانے کو بنائے ہیں۔ وحی سے نہیں لگائے گئے ہیں ✤

قرآن مجید جب نازل ہوا تو عرب اُسکو اپنے لہجہ میں پڑھتے تھے جیسا کہ اہل زبان کا دستور ہے؛ اور علاوہ ادائے مخارج حروف کے جو اُنکی زبان تھی؛ وہ کسی لفظ کو زور دیکر پڑھتے تھے اور کسی جگہہ وقفہ کرکر کسی کو مد دیکر؛ اور کسی کو قصر کرکر؛ پچھلے عالموں نے اُسی خیال سے آیات اور وقف مقرر کیئے ہیں۔ مگر جب قرآن لکھا گیا تھا تو وہ اُن اشاروں سے معرا تھا۔ پس یہ نشان آیتوں کے کسی کو اُنکے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ قرآن مجید کا طرز کلام اور اُسکا مضمون خود بتاتا ہے۔ اور ہر ایک محقق اور عالم بلکہ ہر ذی عقل و فہم اُسکے معنی دریافت کرکر سمجھ سکتا ہے کہ کہاں مطلب ختم ہوا اور کہاں سے دوسرا مطلب شروع ہوا۔ اور یہی سبب ہے کہ بعض علما نے ایک ہی فقرہ کو دو یا زیادہ ٹکڑوں میں منقسم سمجھا ہے اور اُسکی دو یا تین آیتیں قرار دی ہیں۔ اور بعضوں نے کل فقرہ کو ایک ہی آیت سمجھا ہے۔ اور اِس سبب سے ایک عالم اُسی ایک فقرہ میں دو یا تین آیتیں کہتا ہے۔ اور ایک عالم ایک ہی۔ اور اب بھی ہر ایک مفسر مجاز ہے کہ بلحاظ ربط کلام کے جہاں وہ چاہے آیت قرار دے۔ میں اپنی تفسیر میں مطالب کے بیان میں اسی طریقہ کو اختیار کرونگا مگر میں نے شمار آیتوں کا اسکے مطابق رہنے دیا ہے۔ جو مؤلف نجوم الفرقان نے اختیار کیا ہے۔ اسلیئے کہ اس کتاب کے مؤلف نے نہایت خوبی سے قرآن مجید کے ہر ایک لفظ کو بتایا ہے کہ کس کس آیت میں ہے اور وہی شمار قائم رکھنے سے مجھکو اپنی تفسیر میں الفاظ وارده قرآن کا نشان دینے کو جہاں کہیں اُن کے نشان دینے کی ضرورت ہو نہایت آسانی ہوگی ✤

یہی سبب ہے کہ باوجودیکہ میرے نزدیک ہر ایک سورت پر جو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی ہے وہ اُس سورت کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے مگر میں نے اُسپر شمار آیت کا

www.poetrymania.com©

نہیں لگایا۔ کیونکہ مؤلف نجوم الفرقان نے ہر ایک سورت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو شمار
آیتوں سے خارج رکھا ہے۔ اگر میں اسکو شمار آیتوں میں داخل کر دیتا تو بالکل شمار مختلف ہو جاتا اور
الفاظ وارودہ قرآن کا پتہ ونشان درست نہ رہتا ✦

(مضامین قرآن) قرآن مجید کے بعض مضامین اور احکام ایسے ہیں جو توریت یا انجیل کے مضامین
سے یا یہودیوں کی روایات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اور اسکا طرز کلام ایسا ہے جو زمانہ جاہلیت
کے طرز کلام سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور بعض احکام ایسے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھی
اور بعض جگہ طریقہ نظم قرآن کا ایسا ہے جو اور مشرک قوموں کی مقدس کتابوں میں بھی جن کو وہ
الہامی سمجھتے تھے موجود ہے اور اس سبب سے مخالفین اسلام نے قرآن مجید پر اعتراض کیئے
ہیں اور کہا ہے کہ یہ باتیں وہاں سے لیگئی ہیں ✦

مگر معترضوں کی یہ ایک علانیہ غلطی ہے۔ اسلیئے کہ پیغمبر درحقیقت اُس قوم کے لیئے یا اُس
زمانہ کے لوگوں کے لیئے جسمیں وہ پیدا ہوتے۔ برائیوں کی اصلاح کرنیوالے اور اچھی باتوں کے
قائم کرنیوالے اور سچ بات کو تسلیم کرنیوالے اور حق بات کو بیان کرنے والے ہوتے ہیں اور ہر ایک
شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ کسی پیغمبر کے زمانہ سے پہلے جو باتیں مروج ہوں۔
یا جو باتیں بطور مذہب کے جاری ہوں۔ یا بطور تواریخی واقعات کے مشہور ہوں۔ یا بطور مقدس
کلام کے سمجھی جاتی ہوں۔ یا اگلے ادیان حقہ کا بقیہ ہوں وہ سب غلط جھوٹھ اور خراب اور
ناواجب ہوں۔ بلکہ بالضرور سچ میں جھوٹھ اور اچھی میں بُری ملی ہوتی ہیں۔ اور اس لیئے جو شخص
کہ اصلاح کے منصب پر ہو اُسکو اُن اچھی باتوں کو قائم رکھنا اور سچ بات کو تسلیم کرنا اور نیک کاموں
کو بحال رکھنا ضرور و لازم ہوتا ہے۔ اور ایسا کرنا علانیہ نیکی اور بے ریائی اور اُس اصلاح کرنیوالے
کی سچائی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر قرآن مجید میں بھی ایسا ہے تو یہ وجہ اسپر کچھ اعتراض کی نہیں
ہے۔ بلکہ اسکی سچائی کی دلیل ہے ✦

بلاشبہ آتش پرستوں میں یہ رواج تھا کہ انکے مقدس صحیفوں کے سروں پر جنکو وہ الہامی
سمجھتے تھے ایک ایسا فقرہ لکھا ہوا ہوتا تھا جو مماثل بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ہے اور
وہ فقرہ یہ ہے ✦

www.poetrymania.com©

نہ شید شمداٰنی فرہشتند لاھرہشتگ زمیان فرہید گ

ترجمہ بنام ایزد بخشا ئندہ بخشائشگر مہربان دادگر

مگر یہ فقرہ کیا عجب ہے کہ الہامی ہو ایسا عمدہ ہے کہ جو شخص خدا پر ایمان لانے کا حامی ہو۔ اور اوسی کی لوگوں کو ہدایت کرتا ہو۔ وہ ضرور اُسکو تسلیم کریگا۔ اور اُسکا مؤید ہوگا۔ پس قرآن مجید میں ہر سورت پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہونے پر اعتراض کرنا اور اُسکو ایک سرقہ قرار دینا ما ایک ناانصافی اور محض مکابرہ ہے۔ کون شخص ہے جو خدا کو مانتا ہو۔ اور لوگوں کو بھی منوانا چاہے اور اس فقرہ کو مٹا دے اور نہ خدا ایسا کرسکتا ہے کہ جو کلام اوسکی مرضی کے مطابق ہے اُسکے برعکس کوئی کلام نازل کرے ؂

www.poetrymania.com©

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۲ مٰلِكِ يَوْمِ
الدِّيْنِ ۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ
اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۴ اِهْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۵ صِرَاطَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۶
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ
لَا الضَّآلِّيْنَ ۷

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان ÷
سب بڑائیاں خدا ہی کے لیئے ہیں جو تمام
عالموں کا پالنے والا ہے ۱ بڑا مہربان ہی
اور بڑا رحم والا ۲ حاکم ہی انصاف کے دن کا ۳ ہم تیری
ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد
چاہتے ہیں ۴ ہمکو سیدھی راہ پر چلا ۵
اُن لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے بخشش
کی ہے ۶ نہ اُن کی راہ پر جن پر تیرا غصہ
ہوا ہو اور نہ بھٹکنے والوں کی راہ پر ۷

اِس سورۃ میں کچھ تو خدا کی تعریف ہی اور کچھ اپنی عاجزی اور کچھ دعا۔ پس گویا بندوں کی زبان سے کہی گئی ہے۔ اور بلاشبہ بندوں کو خدا سے اسی طرح التجا کرنی زیبا ہے ÷

دعا جب دل سے کی جاتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے۔ مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لیئے ہم دعا کرتے ہیں۔ دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جاویگا۔ اور استجابت کے معنی اُس مطلب کا حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حصول مطلب کے جو اسباب خدا نے مقرر کیئے ہیں۔ وہ مطلب تو اُنہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعا نہ اُس مطلب کے اسباب میں سے ہے۔ اور نہ اُس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ بلکہ وہ اُس قوت کو تحریک کرنے والی ہے۔ جس سے اُس رنج و مصیبت اور اضطرار میں جو مطلب حاصل ہونے سے ہوتا ہو تسکین دیتی ہے۔ اور جبکہ دعا دل سے اور اپنے تمام فطرتی قوا کو متوجہ کر کر کیجاتی ہے اور خدا کی عظمت اور اُسکی بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ قوت تحریک میں آتی ہے۔ اور اُن تمام قوتوں پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے اور اُس مصیبت کا رنج برانگیختہ ہوا ہے۔ اُن سب پر غالب ہو جاتی ہے اور انسان کو صبر و استقلال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور

www.poetrymania.com©

اسی کیفیت کا دل میں پیدا ہونا دعا کا مستجاب ہونا ہے +

اسی امر کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن لفظوں میں فرمایا کہ "الدعاء مخ العبادۃ" یعنی دعا خالص عبادت ہے اور اِس سے بھی واضح کر کر فرمایا کہ "الدعاء ھو العبادۃ" یعنی دعا عبادت ہی ہے اور پھر فرمایا کہ تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" یعنی مجھکو پکارو یعنی میری عبادت کرو میں تمہارے لیئے اُس عبادت کو قبول کرونگا +

پس دعا سے مطلب کا حاصل ہونا موعود نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کا جو نتیجہ ہے۔ وہ موعود ہے۔ دعا کے ساتھ کبھی مطلب کا حاصل ہوجانا اتفاقیہ بات ہے۔ جو اسکے اسباب جمع ہونے سے حاصل ہوجاتا ہے +

۵ (ملک یوم الدین) یعنی اُس دن کا جس دن کہ اُس نور فطرت کے کام میں لانے یا نہ لانے کا جو خدا نے ہر ایک انسان میں موافق اُسکی حالت کے رکھا ہے نتیجہ ظاہر ہوگا +

۶ (انعمت علیھم) جن پر انعام ہوا وہ لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی نشانیوں میں غور کیا ہے۔ اور جو نور فطرت خدا نے اُن میں رکھا ہے۔ اُسکو کام میں لائے ہیں۔ اور قومی اور ملکی اور تمدنی اور آبائی امور کی الفت و موانست اور خلقی امور کی قوت پر اُسکو غالب کیا ہے۔ یا غالب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور سب چیزوں کو چھوڑ کر وہ راہ اختیار کی ہے جو خدا نے بتائی ہے +

۷ (المغضوب) جن پر غصہ ہوا۔ وہ لوگ ہیں جو اُس نور فطرت کو کام میں نہیں لائے اور نہ کام میں لانے کی کوشش کی۔ اور آبائی اور ملکی و تمدنی امور کے بوجھ میں دبے اور خلقی امور کی قوت میں مغلوب رہے اور جو راہ خدا نے بتائی تھی اُسکو اختیار نہیں کیا +

www.poetrymania.com©

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ	خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہی بڑا مہربان ۞ الٓمٓ وہ کتاب ہے

(الٓمٓ) یہ سورت اُنہی اونتیس ۲۹ سورتوں میں سے ہی جنکو خود خدا نے اُن کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ حروف مقطعات اُن سورتوں کے نام ہیں۔ جن کے ابتدا میں آئے ہیں۔ اور جو سورتیں باہم کسی قسم کی مناسبت رکھتی ہیں اُن کے ایک ہی سے نام مقرر کیئے ہیں۔ اب یہاں تین باتیں غور طلب ہیں۔ ایک یہ کہ اُنہی اونتیس سورتوں کے نام مقرر کرنے کا کیا سبب ہے۔ دوسرے یہ کہ حروف مقطعات سے کیوں اُن کے نام مقرر کیئے ہیں۔ تیسری یہ کہ جن حروف مقطعات سے اُن سورتوں کے نام مقرر کیئے ہیں اُنہی حروف سے اُن کا نام مقرر کرنے کا کیا سبب ہے ؛

قرآن مجید پر غور کرنے سے علانیہ پایا جاتا ہے کہ جس سورت کو خدا تعالیٰ نے قسمیہ طور پر یا اِس طرز کلام پر شروع کیا ہے۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ یا یہ خدا کی کتاب ہی۔ اُس مقام پر خدا نے اُس سورت کو کسی اسم سے موسوم کیا ہے۔ تاکہ اُسکا نام لینے سے اُسکے مسمّٰی پر اُس امر کا اطلاق ہو۔ جس کا اطلاق کرنا منظور ہے۔ اور جن سورتوں کو اس طرز کلام سے شروع نہیں کیا اُن کا نام رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی ؛

مثلاً اِس سورت کا نام جسکی ہم تفسیر کر رہے ہیں (الٓمٓ) ہی۔ اب خدا تعالیٰ نے طرز کلام اِس طرح پر شروع کیا ہے۔ کہ یہ سورت خدا کی کتاب کی ہے۔ تو اُسنے اس سورت کا نام لیکر کہدیا کہ الٓمٓ یعنے اسکا مسمّٰی وہ کتاب ہے۔ پس الٓمٓ جو اِس سورت کا نام ہے مبتدا ہے اور ذٰلک مبتداء ثانی ہے۔ اور الکتاب اُسکی خبر ہے۔ اور یہ مبتدا و خبر ملکر پہلے مبتداء کی خبر ہیں۔ اور الٓمٓ یعنی الم کا مسمّٰی ذٰلک الکتاب پر محمول ہے ؛

یہ بات بھی صاف ہے کہ اگر اِن سورتوں کے نام الفاظ بامعنی سے مرکب ہوتے تو اِن معنوں کا جنپر وہ الفاظ دلالت کرتے۔ ذٰلک الکتاب پر حمل ہونے کا شبہ پڑتا۔ اور معنی سے قطع نظر کرکے اُسکے مسمّٰی کا محمول ہونا بہت کم خیال میں جاتا۔ پس خدا تعالیٰ نے حروف

www.poetrymania.com©

مفرد کو جو ترکیب کلام کے اصول بھی ہیں۔ اور معانی سے مبرا بھی ہیں اسماء سور اختیار کیا۔ تاکہ بجز مسمّٰے کے محمول ہونے کے اور کوئی احتمال ہی نہ رہے +

البتہ اس بات کا تصفیہ کہ ان حروف کو اس سورۃ کے نام کے لیئے کیوں مخصوص کیا مشکل ہے۔ دنیا میں بھی جو شخص کسی کا کچھ نام رکھتا ہے اور جو مناسبت یا علت اس نام رکھنے کی اُس کے دل میں ہوتی ہے اُسکا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ پس یہ قرار دینا کہ خدا نے اس مناسبت سے اُن حروف مقطعات سے اس سورت کو موسوم کیا ہے ایک مشکل بات ہے اور ضرور ہے کہ باہم علما کے اسمیں اختلاف ہو۔ چنانچہ بہت سا اختلاف ہوا بھی ہے۔ یہانتک کہ بعضوں نے کہا کہ اس مناسبت کا علم خدا ہی کو ہے۔ مگر ہر شخص بقدر اپنی فہم کے اُس مناسبت کے بیان کرنے کا بلاشبہ مجاز ہے +

میری سمجھ یہ ہے کہ بعضی دفعہ اہل عرب حروف مقطعات بولتے تھے اور اُس سے اشارہ کسی مطلب کی طرف ہوتا تھا۔ جیسے کہ اس شعر میں ہے +

قلت لها قفی فقالت لی ق + لا تحسبی انا نسینا الایجاف

یعنی میں نے اُس سانڈھنی سوار عورت سے کہا کہ ٹھیر جا یہ مت خیال کر کہ میں سانڈھنی ہنکانا بھول گیا ہوں۔ اُس نے کہا کہ قاف یعنی وقفت ٹھیر گئی میں پس حرف قاف سے پورا کلام "وقفت" کا مراد ہے +

سورہ بقرہ۔ اور سورہ آل عمران۔ اور سورہ عنکبوت۔ اور سورہ روم۔ اور سورہ لقمان اور سورہ سجدہ۔ ان سب کے سرے پر الٓمّٓ ہے جو اُن سورتوں کا نام ہے۔ ان تمام سورتوں میں خدا تعالیٰ نے احکام الٰہی کی تعمیل اور امر بالمعروف کی تاکید اور لیل و نہار کے اختلاف اور عالم میں جو آیات قدرت کردگار ہیں اُن سے خدائے واحد کے وجود پر استدلال کیا ہے اور موت کا اور اُسکے بعد کے حالات کا بیان فرمایا ہے۔ اور اسی سبب الٓمّٓ سے اُن سورتوں کو موسوم کیا ہے۔ تاکہ اُن تینوں حرفوں سے اُن مطالب عظیمہ کی طرف اشارہ ہو۔ اور انہی مطالب عظیمہ کا ذکر ان سب سورتوں میں تھا۔ اس لیئے اُن سب کو ایک ہی نام سے موسوم کیا +

www.poetrymania.com©

علماء اسلام نے رفع التباس کے لیئے اُن سورتوں کے نام کے ساتھ جنکے متحد نام تھے۔ یا جنمیں حروف مقطعات زیادہ تھے۔ یا کسی سورت کے اہم مضمون پر زیادہ وضاحت سے اشارہ کرنے کی غرض سے اور نیز اُن سورتوں کے لیئے جو کسی نام سے موسوم نتھیں۔ اُسے یہودی قاعدہ کے مطابق۔ اُسی سورت میں سے کوئی لفظ اُس سورت کی طرف اشارہ کرنے کے لیئے منتخب کیا۔ جو رفتہ رفتہ بطور اُن سورتوں کے نام کے متصور ہونے لگے مگر درحقیقت وہ الفاظ ہیں جو علماء نے اُن سورتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیئے اختیار کیئے ہیں +

(الکتاب) خدا اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ الم یعنی اُسکا سمیع وہ کتاب ہے۔ یعنی وہ کتاب جو ہم تجھپر نازل کرتے ہیں۔ عام بول چال کا محاورہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب تصنیف کرنی یا لکھنی شروع کرے۔ یا شروع کرنی چاہے۔ تو قبل اس کے کہ وہ لکھی جا چکے۔ یا تصنیف ہو چکے اُسپر کتاب کا لفظ بولتا ہے۔ اِس خیال سے کہ وہ تصنیف ہو چکنے اور لکھی جا چکنے کے بعد کتاب ہوگی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی قرآن مجید پر قبل اُس کے لکھے جانے کے کتاب کا اطلاق کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا کی مرضی تھی کہ لکھی جاوے۔ اور اسمیں بھی کچھ شبہ نہیں کہ جسقدر قرآن نازل ہوتا تھا اُسیوقت آنحضرت ہی کے وقت میں لکھ لیا جاتا تھا +

www.poetrymania.com©

لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱﴾
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

پرہیزگاروں کے لیئے اسکے راہنما ہونے میں کچھ شک نہیں (۱) جو آنکھ سے اوجھل پر ایمان لاتے ہیں اور درستی سے نماز کو ادا کرتے ہیں، اور جو کچھ ہمنے انکو دیا ہے اُسمیں سے دیتے ہیں (۲) اور جو لوگ اُسپر ایمان لاتے ہیں جو تجھپر نازل کیا گیا ہے اور جو تجھسے پہلے نازل کیا گیا تھا، اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں (۳)

(۱) (لاریب فیہ) کے معنے اگلے مفسروں نے یہ بیان کیئے ہیں کہ اُسکے خدا کی طرف سے ہونے میں کچھ شبہ نہیں، گویا یہ خطاب ہے اُن لوگوں کی طرف جو قرآن کے خدا کی طرف سے ہونے میں جبکہ وہ نازل ہوتا تھا شک کرتے تھے، اور بطور یقین کے بلا دلیل بیان کرنا اس بات پر اشارہ ہے کہ یہ دعوی ایسی دلائل سے ثابت ہے یا ثابت ہوگا کہ جو بمنزلہ بدیہی کے ہیں، جیسے کہ عام بول چال میں دستور ہے کہ جو بات یقینی ہوتی ہے اُسکی دلیلیں بیان کرنے سے پہلے کہہ دیتے ہیں کہ اس بات میں کچھ شک نہیں اور پھر اُسکی دلیل بیان کیجاتی ہے؛

مگر میری سمجھ میں اس مقام میں اُن معنوں کے اختیار کرنے سے دوسرے معنی اختیار کرنے بہتر ہیں، خدا تعالی نے اسجگہہ تین فرقوں کا حال بیان کیا ہے۔ ایمان والوں کا کافروں کا۔ منافقوں کا۔ جو دل میں کافر ہیں اور جھوٹ موٹ ظاہر میں اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں، پس لاریب فیہ کے ایسے معنے لینے زیادہ تر مناسب ہیں جو ان فرقوں میں سے کسی کے حال کے مناسب ہوں، اور وہ یہ معنے ہیں کہ اس کتاب کے پرہیزگاروں یعنے ایمان والوں کے لیئے ہادی ہونے میں کچھ شک نہیں، جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور اُسکی ہدایتوں پر چلتے ہیں، جنمیں سے سب سے بڑا حکم خدا پر ایمان لانا اور نماز کا ادا کرنا اور خیرات کا دینا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو مانتے ہیں وہی اس کتاب سے ہدایت پاوینگے، اور جو نہیں مانتے وہ ہدایت نہیں پا سکتے گو کہ فی نفسہ سب کے لیئے ہدایت ہو، اسکی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ایک دوا جو فی نفسہ

www.poetrymania.com©

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	وہی اپنے پروردگار کی مہربانی سے سیدہی راہ پر ہیں، اور وہی مراد کو پہونچے ہیں (۴) ہاں جو کفر میں پڑے ہیں

کسی مرض سے شفا دینے والی ہے تو وہ فی نفسہ تو اُس مرض کی سب مریضوں کے لیے شفا ہے الا شفا وہی پاوینگے جو اُسکا استعمال کرینگے، اسیطرح قرآن بھی سب کے لیے ہدایت ہے مگر ہدایت وہی پاوینگے جو پرہیزگار ہیں یعنی وہ جو اُسکی ہدایتوں پر چلتے ہیں ✝

اگر یہ معنی تسلیم کیے جاویں تو،، ہدی،، کا لفظ بدل ہے ضمیر مجرور سے جو،، فیہ،، میں ہے اور جار مجرور ثابت یا کائن سے متعلق ہوکر لا نفی جنس کی خبر ہے یعنی،، لاریب فی کونہ ہادیا للمتقین،، جسکے معنے یہ ہونگے کہ پرہیزگاروں کے لیے قرآن کے ہادی ہونے میں کچھ شک نہیں ✝

(۳) غیب اُسے کہتے ہیں جو آنکھ سے اوجھل ہو، مگر یہاں اُس ذات پاک سے مراد ہے جو باوجود ہونے کے نہ آنکھ سے اور نہ کسی اور حواس سے محسوس ہوتی ہے نہ ہو سکتی ہے، اور بجز اسکے کہ عقل یہ کہتی ہے کہ ہے، اور کچھ نہیں بتا سکتے، اُس تفسیر میں جو عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب ہے یہ لکھا ہے،، ویقال الغیب ھو اللہ،، پس معنے یہ ہوئے کہ پرہیزگار وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں ✝

(۴) (ان الذین کفروا) جو لوگ کفر میں پڑے ہیں اُنکی نسبت خدا نے فرمایا،، ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ،، مگر کسی مفسر نے اُسکے حقیقی معنی مراد نہیں لیئے، کیونکہ نہ کسی انسان کے دل پر اور نہ کان پر سچ مچ کی مہر لگی ہوتی ہے، اور نہ کسی کی آنکھوں پر سچ مچ کا پردہ پڑا ہوا ہے، بلکہ سچ بات کے نہ سمجھنے اور حق بات کے نہ سننے اور ٹھیک بات پر نہ غور کرنے کو بطور استعارہ دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دینے اور آنکھوں پر پردہ ڈالنے سے بیان کیا ہے ✝

بلاتشبیہ یہ ایسا ہی کلام ہے جیسے ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیمہ چھوڑنے اور

www.poetrymania.com©

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵﴾	خواہ اُنکو ڈراؤ خواہ اُنکو ڈراؤ اُنکو سب برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے ﴿۵﴾ مہر کر دی
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾	ہے اللہ نے اُنکے دلوں پر اور اُنکے کانوں پر اور اُنکی آنکھوں پر پردہ ہے، اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے (۶)

اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہو، مگر وہ شخص اُسکی نصیحت پر کان نہ دھرتا ہو، اور ایک شخص فصیح و بلیغ اس حالت کو دیکھکر کہے کہ، بڈذاتوں ناہلوں کو تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ کبھی نہیں مانینگے، اُن کے دل پتھر کے ہیں اور آنکھیں اندھی اور کان بہرے خدا نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور اُنکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، پس جس محاورہ میں انسان اسطرح بات چیت کرتے ہیں اُسی انسانی محاورہ پر خدا نے بھی کلام کیا ہے۔

(مسئلہ جبر و اختیار) اِن آیتوں سے یا اور آیتوں سے جو اُسکی مثل ہیں جبر و اختیار کے مسئلہ پر بحث کرنا قرآن مجید کے سیاق کلام کے منافی ہے، قرآن مجید کی کسی آیت سے نہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے نہ مختار ہونے پر نہ بین الجبر والاختیار ہونے پر، مگر افسوس ہے کہ علماء متقدمین نے اِسی بحث کی ہے، اور غلطی سے اُس کو ایک ایسا مسئلہ سمجھا ہے جو مسائل اسلام میں داخل ہے، اور جو وحی یا قرآن سے ثابت ہے۔ اور پھر اُس میں مختلف رائیں قرار دی ہیں، ایک گروہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے کا قائل ہے، دوسرا گروہ مختار ہونے کا اور تیسرا بین الجبر والاختیار کا جو بالفعل مذہب اہلسنت و جماعت کا ہے ✦

انسان اپنے افعال میں مجبور ہو یا مختار یا بین الجبر والاختیار۔ ایک جدا مسئلہ ہے، جو انسان کی فطرت کی تحقیقات پر منحصر ہے، اور اُسکی فطرت پر مباحثہ کرنے کے ... جو ثابت

www.poetrymania.com©

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿۷﴾	اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور اخیر دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ نہیں ایمان لائے (۷)

ہو، ہو، ہمارا مقصد اس مقام پر صرف اسقدر کہنا ہی کہ قرآن مجید سے ان باتوں میں سے کسی پر استدلال کرنا، اور اسکو ایک مسئلہ اسلام منزل من اللہ سمجھنا غلطی ہی۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے جابجا بندوں کے افعال کو، بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہی، جو کام بندوں سے ہوتے ہیں اُنکی نسبت فرماتا ہی، کہ ہمنے کیا، یا جو چیزیں کہ اور اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اُن اسباب کو بیچ میں سے نکالکر فرماتا ہی کہ، ہمنے کیا، ہمنے مینہ برسایا، ہمنے درخت اُگائے، ہمنے دریا بہائے، ہمنے سمندر میں جہاز تیرائے، ہمنے اڑتے جانور ہوا میں تھمائے، پس اِس تمام طرز کلام سے واسطوں کا درحقیقت درمیان میں نہونا یا اُس شے کا اُن افعال میں مجبور یا مختار ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اپنی عظمت و شان اور اپنے علۃ العلل یعنے تمام چیزوں کی اخیر علت یا خالق ہونے کا بندوں پر اظہار مقصود ہوتا ہے، اور اسلیئے اِس قسم کے کلام سے انسان کا اپنے افعال میں مجبور یا مختار ہونے کا استنباط و استدلال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنا داخل تفسیر القول بما لا یرضی قائلہ کے ہی، کیونکہ اس کلام سے اِس بات کی حقیقت کا بیان کرنا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہی یا مختار یا بین الجبر والاختیار مقصود ہی نہیں ہے ؛ خدا اپنے تئیں علۃ العلل جمیع کائنات کا بتاتا ہی، پس اگر تمام حوادث و افعال کو جو عالم میں تمام مخلوقات، انسان، حیوان، عناصر، قوی، وغیرہ سے ہوتے ہیں اپنی طرف نسبت کرے، اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ ہمنے کیا، تو یہ نسبت صحیح و درست ہوگی۔ علاوہ اسکے مصری اور یونانی حکما کا یہ خیال تھا کہ دو چیزیں ازلی اور ابدی ہیں، ایک خدا، اور ایک مادہ، خدا نے اُس قدیم ازلی اور ابدی مادہ سے تمام دنیا کو بنایا اور رچایا ہے، اور ایک گروہ زردشتیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ دو متقابل کے وجود ہیں، ایک یزدان یعنی خدا،

www.poetrymania.com©

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۸﴾	دہوکا دیتے ہیں اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ بجز اپنے آپکے اور کسی کو دہوکا نہیں دیتے، اور سمجھتے نہیں (۸)

دوسرا اہرمن یعنی شیطان، نیک کام خدا کرتا ہے اور بد کام شیطان، اور یہ مذہب اُس ریگستان میں بھی پھیلگیا تھا جہاں اِن غلطیوں کا اصلاح کرنے والا پیدا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید میں اُن دونوں عقیدوں کا مٹانا اور اپنی ذات واحد کو خالق جمیع کائنات بتانا اور اپنے تئیں وحدہ لاشریک لہٗ جتانا مقصود تھا ٭

پس سب سے عمدہ طریقہ اِس باریک مسئلہ کے سمجھانے کا یہی تھا کہ تمام افعال کو اُن کے تمام واسطوں کو دور کر کر خاص اپنی طرف منسوب کرے، اور کبھی اُن واسطوں کی طرف، تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ علۃ العلل صرف ایک ذات وحدہ لاشریک ہے، اور جو واسطے ہمکو دکھائی دیتے ہیں، بلاشبہ وہ واسطے ہیں، مگر علۃ العلل اُن سب کی وہی ایک ذات وحدہ لاشریک ہے، پس جس کلام کا یہ موضوع ہو اُس سے اس مطلب کو نکالنا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے یا مختار یا بین الجبر والاختیار اُس کلام کو غیر ما وضع لہٗ میں استعمال کرنا ہے۔ ہاں یہ ایک تمدنی اور طبعی اور عقلی مسئلہ ہے جبر انسان کی خلقت کے لحاظ سے بحث اور غور ہو سکتی ہے جسکو ہم مختصرًا بیان کرتے ہیں ٭

اُن علما اور حکما نے جنھوں نے انسانی فطرت پر غور کی ہے، دو طرح پر انسان کو اپنے افعال میں مجبور پایا ہے، ایک امور خارجیہ کے سبب سے جیسے کہ قومی و ملکی و تمدنی امور کی الف و موانست کا، اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کا اسپر ایسا قوی اثر ہوتا ہے کہ وہ اُنہی افعال کو مستحسن سمجھتا ہے، اور اُنہی کے کرنے پر اُسکا دل اُسکو مجبور کر دیتا ہے گو یہ مجبوری اکثر اُسکی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ بظاہر اُسپر کسی کا جبر نہیں ہوتا، مگر درحقیقت اُنہی قومی و ملکی و تمدنی اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کا اثر رفتہ رفتہ بے معلوم اُسمیں ایسا سرایت کر جاتا ہے کہ جس سے اُن افعال کے کرنے پر جنکو وہ کرتا ہے

www.poetrymania.com©

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	اُنکے دلوں میں بیماری ہے،

مجبور ہوتا ہے، اور جن باتوں کو وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے کرتا ہوں درحقیقت وہ اُسی قوی اثر کے سبب سے مجبوری کرتا ہے ✦

دوسری قسم کی مجبوری اپنے افعال میں خود انسان کو اپنی خلقت کے سبب سے ہوتی ہے، ہم تمام دنیا کی چیزوں میں اُنکی ایک فطرت پاتے ہیں جسکے برخلاف ہرگز نہیں ہوتا ہم دیکھتے ہیں کہ معدنی چیزیں ہوا میں نہیں اُڑتی پھرتیں، پانی ہوا کے اوپر نہیں رہتا، مچھلی زمین پر زندہ نہیں رہتی، درندے جانوروں سے درندگی، پرند جانوروں سے پرواز آبی جانوروں سے شناوری کبھی زائل نہیں ہوتی، پس وہ سب اُن افعال کے سرزد ہونے میں جو اُنسے منسوب ہیں بمقتضائے اپنی خلقت کے مجبور ہیں ✦

اسی طرح ہم انسانوں میں بھی دیکھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے افعال میں بمقتضائے اپنی فطرت کے مجبور ہیں جسکی آنکھ خدا نے ایسی بنائی ہے جس سے دور کی چیز دکھائی دیتی ہے، تو وہ دور کی چیز دیکھنے میں مجبور ہے۔ اسیطرح انسانوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ جو افعال ظاہری و باطنی اُن سے سرزد ہوتے ہیں، وہ اُن میں مجبور محض ہیں، اگر بالفرض ایک نہایت رحمدل نیک طبیعت شخص کے اعضا، دل و دماغ کی بناوٹ، ایک نہایت شقی القلب بیرحم بدذات آدمی کیسی ہوتی، تو اُس سے بھی وہی افعال صادر ہوتے جو اُس بدذات سے ہوتے ہیں، اگر ایک بیوقوف آدمی کے اعضا کی بناوٹ ایک عقلمند آدمی کے اعضا کی بناوٹ سے تبدیل ہو سکے، تو اُس عقلمند سے اُس بیوقوف کیسے افعال اور اُس بیوقوف سے اُس عقلمند کیسے افعال سرزد ہونے لگیں گے۔ غرضکہ علم تشریح ابدان سے ثابت ہو گیا ہے کہ جس قسم کی بناوٹ انسان کی ہوتی ہے اُسی کے مناسب افعال خواہ نخواہ اُس سے سرزد ہوتے ہیں، نہایت بیرحم سفاک قاتلوں کی کھوپری میں ایک خاص قسم کی بناوٹ ہے اور تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ہر قاتل و سفاک کی کھوپری اُسی بناوٹ کی ہوتی ہے، پس جس کی کھوپری اُس بناوٹ کی ہوگی، وہ ضرور سفاک قاتل بیرحم ہوگا، اور جو بیرحم سفاک قاتل

www.poetrymania.com©

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا	پھر خدا نے اُنکی بیماری کو بڑھا دیا

ہوگا اُسکی کھوپری اُسی بناوٹ کی ہوگی، پس اُن افعال میں جو خلقت انسانی سے علاقہ رکھتے ہیں انسان مجبور ہے، اور یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن سے کوئی بھی جبکہ وہ اُس علم میں واقفیت حاصل کرے انکار نہیں کرسکتا +

اِسکو اور صاف طرح سے غور کرو جسکو ہر کوئی سمجھ سکے. بعضے لوگ ایسے ہیں جنکا حافظہ بہت قوی ہے، بعضے ایسے ہیں جنکو کوئی بات یاد نہیں رہتی، بعضے ایسے ہیں جنکے قوا ے قوی ہیں بعضے نہایت ضعیف القوٰی ہیں، بعضے ایسے ہیں کہ کسی کام کو ایسا عمدہ کرتے ہیں کہ اوروں سے باوصف کوشش کے ایسا نہیں ہوسکتا، کسیکا ہاتھ خوشنویسی کے لائق ہوتا ہے، کسیکا مصوری کے، کسیکا دماغ علم ادب کے مناسب ہوتا ہے، کسیکا ریاضی کے، کسی کی بناوٹ کسی خاص امر کے ایسی مناسب ہوتی ہے کہ اُسکے مثل دوسرا نہیں ہوسکتا، پس یہ تمام تفاوت انسانوں میں فطرت کے باعث سے ہیں، اور جو افعال کہ اُس فطرت پر مبنی ہیں اُنکے صادر ہونے میں وہ مجبور ہیں +

باانیہمہ ہم انسانوں میں ایک اور چیز بھی پاتے ہیں جو نیک و بد میں تمیز کرسکتی ہے، یا ایک بات کو دوسری بات پر ترجیح دیسکتی ہے ـ یہ قوت بھی کبھی بلکہ اکثر قومی و ملکی و تمدنی امور کی الف و موانست سے، اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کے اثر سے موثر ہوجاتی ہے، اور اُس قوت کی ایسی حالت کو تمام اہل مذاہب کانشنس یعنی نور ایمان و نور دہرم سے تعبیر کرتے ہیں، مگر درحقیقت وہ قابل اعتماد اور لائق طمانیت کے نہیں ہے کیونکہ اُسکا دوست و غیر دوست دونوں قسم کے اثروں سے موثر ہوتا، اور مخالف اثروں سے ایک ہی نتیجہ حاصل ہونا ممکن ہے، ایک مسلمان کے لئے کسی بت کو سجدہ کرنا جسقدر اُسکے نور ایمان کے برخلاف ہے ویسا ہی ایک بت پرست کے نور دہرم کے موافق ہے، پس ایک شے دو مخالف نتیجے پیدا کرتی ہے +

مگر اسکے سوا ایک اور قوت بھی انسان میں پائی جاتی ہے جو اُن تمام اثروں پر غالب

www.poetrymania.com©

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ	اور اُن کے لیئے دُکھ دینے والا عذاب ہی، اس
بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿٩﴾	بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے (۹)

ہو جاتی ہے اور جسکو میں نور قلب یا نور فطرت کہتا ہوں ـ ہمارے پاس بہت سی لوگوں کی نسبت تاریخی شہادت موجود ہے جنھوں نے بچپن سے ایک خاص قوم کی رسم و عادات میں تربیت پائی، اور اُنہی ملکی و تمدنی باتوں کے سوا اور کوئی خیال اُنکے دلوں میں نہیں گذرا اور زمانہ دراز تک اُسی قومی و ملکی و تمدنی امور کی الف و موانست میں رہے، اور ایک ہی سی صحبت پائی، اور ایک ہی سی تربیت ہوئی، اور پھر خود انھوں نے اپنی سوچ سمجھ اور غور و فکر سے جسکو الہام کہنا چاہیئے اُن تمام بندشوں کو توڑا، اور اُنکے عیبوں کو جانا، اور اپنے تئیں اُس سے آزاد کیا، اور اور لوگوں کے آزاد کرنے میں کوشش کی +

یہ قوت فکری کم و بیش تمام انسانوں میں فطری ہے، اور ہر شخص خود اپنے حال پر فکر کرکر سمجھ سکتا ہے کہ وہ اُسکے کام میں لانے پر قادر ہے، اور یہی وہ قوت ہے جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہے، اور اصلی سچ کو پرکھ لیتی ہے، اور انسان کو اپنی حالت کی اصلاح پر متوجہ کرتی ہے، اور تمام بوجھوں کو جو انسان پر بسبب اُسکے ملکی و تمدنی و آبائی رسم و رواج کی الف و موانست سے ہوتے ہیں اُن کو اُٹھا دیتی ہے، اسی قوت کو زندہ رکھنے اور کام میں لانے کی، اور اس بوجھ یعنے ملکی و تمدنی و آبائی رسم و رواج کی الف و موانست کے اُٹھانے کی جا بجا قرآن میں ہدایت ہوئی ہے، اور یہی قوت ہی جسکے باعث انسان مکلف ہوا ہے، اور دیگر حیوانات سے افضل کہا گیا ہے +

یہ سچ ہے کہ یہ قوت بھی انسانوں میں بمقتضائے اُن کی خلقت کے قوی اور ضعیف ہی مگر معدوم نہیں، اور جنمیں معدوم ہو وہ مکلف نہیں، بلکہ مرفوع القلم ہے، کبھی یہ قوت پند و نصیحت اور سمجھانے بجھانے اور دلیلوں اور نشانیوں کے بتانے اور صحبت کے اثر سے تحریک میں آجاتی ہے، جیسے کہ اُن لوگوں کا حال ہوتا ہے جو سچی راہ بتانے والوں کی ہدایتوں کو سمجھکر اور یقین کرکر پیروی کرتے ہیں، بشرطیکہ اُس پیروی کی اور کوئی ایسی وجہ نہو جس نے

www.poetrymania.com©

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (۱۰) اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (۱۱)

اور جب اُنسے کہا جاوے کہ مت بگاڑ ڈالو دنیا میں تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں ۱۰ اہاں وہی ہیں بگاڑنیوالے پر سمجھتے نہیں (۱۱)

انسان کو خفیہ خفیہ اپنے افعال پر مجبور کر دیا ہو، اور اُس نے اُس فطری قوت کو لغیر کام میں لائے اُس خفیہ مجبوری سے وہ پیروی نہ کی ہو۔ اور کبھی وہ قوت فطری ایسی قوی ہوتی ہے کہ خود بخود اُسمیں سے وہ روشنی اُٹھتی ہے، اور حق و باطل میں فرق دکھاتی ہے، اور ملکی و تمدنی اور آبائی رسم و رواج کی الف و موانست کے بوجھ کو اُٹھا دیتی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو شرع کی زبان میں پیغمبر اور تمدنی اصطلاح میں ریفارمر کہلاتے ہیں +

یہی قوت تھی جسنے ایک جوان کے دل کو خود اپنی روشنی سے روشن کر دیا، جو، اور کلدانیان میں رہتا تھا، اور جسکا نام ابراہیم تھا، بچپن سے اُسنے اپنے پیارے باپ کی گود میں پرورش پائی، بجز بتوں کے اسکی آنکھ نے کچھ نہیں دیکھا، اور بجز بتوں کی پرستش کے نغموں کے اُسکے کانوں نے کچھ نہیں سُنا، اور پھر سمجھا تو یہ سمجھا کہ ہاے میرا پیارا باپ اور میری پیاری قوم بڑی گمراہی میں ہے۔ یہ سوچکر گھبرایا اور چاروں طرف دیکھنے لگا کہ پھر سچ کیا ہے۔ چاند کو روشن دیکھکر خیال کیا کہ شاید یہ سچ ہو۔ سورج کو چمکتا دیکھکر سوچا کہ شاید یہ سچ ہو۔ مگر اُس نور فطرت نے بتایا کہ یہ سب جھوٹ ہے، اُسنے سب سے مُنھ موڑا اور سچی بات پکار اُٹھا کہ،، اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ،، +

ایک یتیم بن ماباپ کے بچے کا حال سُنو، جسنے نہ اپنی ماں کے کنار عاطفت کا لطف اُٹھایا، نہ اپنے باپ کی محبت کا مزہ چکھا، ایک ریگستان کے ملک میں پیدا ہوا، اور اپنے گرد بجز اونٹ چرانے والوں کے غول کے کچھ نہ دیکھا، اور بجز لات و منات و عزیٰ کو پکارنے کی آواز کے کچھ نہ سُنا مگر خود کبھی نہ جھنکا، اور کہا تو یہ کہا کہ اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى،، پس یہ تمام روشنیاں اُس نور فطرت کی خود آپ ہی

www.poetrymania.com©

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ (۱۲) وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ (۱۳) اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (۱۴)

اور جب اُنسے کہویں کہ تم اُسیطرح ایمان لاؤ جسطرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اُسطرح ایمان لاویں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں، ہاں وُہی ہیں بیوقوف پر جانتے نہیں (۱۲) اور جب وہ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہیں، ہم تو اُنسے بجز ٹھٹھا کرنیکے اور کچھ نہیں کرتے (۱۳) خدا تعالیٰ اُنسے ٹھٹھا کرتا ہے، اور اُنکو اُنکی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے ڈھیل دیے رکھتا ہے (۱۴)

آپ روشن ہوئی تھیں، اور جنھوں نے نہ صرف اُنکو بلکہ تمام جہان کو منور کر دیا ✦

(۱۲) (واذا قیل لھم) اِن آیتوں میں اُس گفتگو کا اشارہ ہے جو منافق اور کافروں میں ہوتی تھی، یعنے کافر سمجھتے تھے کہ منافقوں کا اسطرح ظاہر میں اپنے تئیں مسلمان جتانا فساد ڈالنا ہے، تو وہ اُنسے کہتے تھے کہ تم فساد مت ڈالو اور اپنے تئیں مسلمان مت جتلاؤ، یا جس طرح اور لوگ سچ مچ مسلمان ہو گئے ہیں تم بھی ہو جاؤ، تو وہ اُنکو جواب دیتے تھے کہ ہمارا ظاہر میں مسلمانوں میں ملا رہنا فساد کی بات نہیں ہے، بلکہ اچھی بات ہے، نہ ہم اور بیوقوفوں کی طرح ایمان لا سکتے ہیں، خدا تعالیٰ نے اُن منافقوں کی ان دونو باتوں کی بُرائی بتلائی، اور ان آیتوں سے اگلی آیت میں اسطرح کی گفتگو کا سبب فرمایا، کہ اُس طرح کی گفتگو کا سبب یہ تھا کہ منافق جب مسلمانوں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، اور جب کافروں میں جاتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں سے اپنے تئیں مسلمان بتلا کر ٹھٹھا کرتے ہیں ہم تو در حقیقت تمہارے ہی ساتھی ہیں، کافر تو منافقوں کو اسلیئے مفسد بتاتے تھے کہ وہ کافروں کو دھوکے میں ڈالتے تھے، اور خدا نے اُنکو اِس لیے مُفسد بتایا کہ مسلمانوں کو دھوکا دیتے تھے، منافق سچے مسلمانوں کو بیوقوف بتلاتے تھے، مگر خدا نے اُنہیں کو بیوقوف بنایا

(۱۴) (اللہ یستھزئ بھم) اِس لفظ سے یہ بحث کرنی کہ خدا کی شان سے ٹھٹھا کرنا کیونکر ہو سکتا ہے، ٹھٹھے کی بات ہی لوگوں میں شیعی غلطی ہے جو قرآن مجید کے طرز

www.poetrymania.com©

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٥﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٦﴾	یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت دیکر گمراہی کو خریدا ہی، پھر انکی تجارت نے کچھ فائدہ ندیا، اور نہ انھوں نے ہدایت پائی (۱۵) انکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ جلائی، پھر جب اُس آگ نے جو کچھ کہ اُسکے اِردگرد ہی اُسکو روشن کیا تو اللہ تعالیٰ نے روشنی دیکھنے والونکی روشنی چھین لی اور اُنکو اندھیرونمیں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے (۱۶)

لفظ کے (قطع نظر کر کر انسانی محاورے) حقیقی و لغوی معنے لینے چاہتے ہیں، قرآن مجید جیسا کہ ہم یقین کرتے ہیں بیشک خدا کا کلام ہے، مگر وہ انسانوں کی زبان میں اور انسانوں کے محاورہ بات چیت میں بولا گیا ہے، پس جسطرح کہ ایک انسان دوسرے انسان سے بات کرتا ہے، اور اپنی گفتگو میں مجاز و استعارہ و کنایہ کا استعمال کرتا ہے، اور بعضی وقعہ عام مشہور بات کو بطور استدلال کے لاتا ہے، اور کبھی مخاطب کی وسعت علم و عقل و فہم کے مطابق طرز کلام اختیار کرتا ہے، کبھی محال امر کو محال بات پر تعلیق کرتا ہے، کبھی مزاحًا کوئی بات کہتا ہے، اسیطرح قرآن کو بھی سمجھنا چاہیئے، اور اُنہی اصولوں پر اُسکے معنی قرار دینے لازم ہیں۔ کبھی کبھی آپس میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہمکو کیا چڑاتا ہے، ہم ہی اُسکو چڑاتے ہیں، حالانکہ وہ اُسکو کچھ نہیں چڑاتے، بلکہ اُسی کے چڑانے کو اپنا چڑانا تعبیر کرتے ہیں، اور اس سے مقصود صرف اُس شخص کی بیوقوفی کا جتلانا ہوتا ہے۔ اسی طرح کافروں کی بیوقوفی جتلانے کو اس مقام پر خدا نے فرمایا کہ کافر مسلمانوں سے کیا ٹھٹھا کرتے ہیں، خدا اُنسے ٹھٹھا کرتا ہے، جو اُن کو ایسی حالت میں چھوڑ رکھا ہی، پس کافروں کا مسلمانوں سے ٹھٹھا کرنا ہی خدا کا کافروں سے ٹھٹھا کرنا ہے +

(۱۶) (مثلھم) میں آگ جلانے والی یا موسلادھار مینہ مشبہ بہ نہیں ہیں، بلکہ منافقوں کی حالت کو اُن لوگوں کی حالت سے تشبیہ دی ہے جنھوں نے آگ جلانیوالے کی روشنی

www.poetrymania.com©

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷﴾
اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ
وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ یَجْعَلُوْنَ
اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ
الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَ اللّٰهُ
مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ یَكَادُ الْبَرْقُ
یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ
لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ

گونگے ہیں بہرے ہیں اندھے ہیں پھر وہ (راہ پر) نہیں پلٹنے کے (۱۷) یا اُنکی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے موسلا دھار مینھ کا برسنا جسمیں اندھیری اور کڑک اور چمک ہو، بجلی کی کڑک سے موت کے ڈر کے مارے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں، حالانکہ خدا کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (۱۸) بجلی اُنکی بینائی کو چک لیتی ہوئی لگتی ہے، جب انکو روشنی معلوم ہوتی ہے تو اُسمیں چلتے ہیں

دیکھی اور پھر اندھیرے میں پڑ گئے [رات کو رستہ چلنے والے جلتی ہوئی آگ دیکھکر رستہ پہچانتے تھے اور قافلہ کے لوگ اُسکا پڑا ہونا خیال کرتے تھے اور جب آگ بجھ جاتی تھی تو اندھیرے میں رستہ ٹٹولتے حیران کھڑے رہجاتے تھے] یا جنھوں نے بجلی کی خوفناک چمک میں رستہ دیکھا اور پھر اندھیرے میں کھڑے رہ گئے، یہ دونوں تشبیہیں منافقوں کے حال کے مطابق تھیں کہ اسلام کی روشنی سے کچھ کچھ راہ پر آتے تھے اور پھر گمراہی کے اندھیرے میں ٹکراتے رہجاتے تھے ✦

(۱۹) (یکاد البرق) اِن آیتوں میں خدا تعالی نے فطرت انسانی کی وہ حالت بیان فرمائی ہے جو ایسے موقعہ پر مینھ اور کڑک و چمک میں خوف سے ہوجاتی ہے، اور تھوڑا سا رستہ بھی دکھائی دیجاتا ہے، اور اِس ظاہری تمثیل سے اُس تھوڑی سی ہدایت اور زیادہ تر گمراہی کی تمثیل سمجھائی ہے جو منافقوں کے حال کے مناسب تھی، اور آخر کو اپنی قدرت کے قانون اور اپنے وجود کے آثار اور اپنی حکمت کاملہ کی نشانیوں سے اپنے ہونے پر استدلال کیا ہے۔ تمام قرآن میں جس عمدگی و خوبی سے قوانین قدرت سے خدا تعالی نے اپنے وجود پر استدلال کیا ہے درحقیقت نہایت پیارا اور دل میں اثر کرنے والا بے مثل اور بے نظیر ہے اور یہ ایسا عمدہ طریقہ استدلال کا ہے جو عالم اور جاہل سب کی سمجھ میں آتا ہے ✦

www.poetrymania.com©

وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يَا أَيُّهَا
النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۹﴾ الَّذِي
جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ
السَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا
لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَ
أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ
فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا

اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہرے رہجاتے
ہیں، اور اگر خدا چاہے تو اُنکی سماعت و بینائی
لیجاوے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اے
لوگو اپنے پروردگار کی بندگی کرو جسنے تمکو اور جو تمسے
پہلے تھے اُنکو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار ہو (۱۹)
(خدا وہ ہے) جسنے بنایا تمھارے لیے زمین کو
بچھونا اور آسمان کو ڈیرہ؎ اور آسمان سے پانی
برسایا پھر اُس سے تمھارے کھانے کے لیئے
پھل اوگائے پھر اللہ کی برابر کسی کو مت کرو اور
(یہ سب باتیں) تم جانتے ہو (۲۰) اور اگر تم شک
میں پڑے ہو اُس چیز میں جو ہم نے
نازل کی ہے

؎ البناء مصدر سمی به المبنی بیتا کان قبة او خباء او طرافا وابنیة العرب اخبیتهم ومنه بنی علی امرأته لانهم کانوا اذا تزوجوا ضربوا علیها خباء جدیدا ۔ الکشاف و بیضاوی

(۲۱) (مما نزلنا) سے مراد قرآن ہے، جو نبی پر بذریعہ وحی کے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، پس اس مقام پر جبتک کہ وحی و نبوت کی حقیقت نہ بیان ہو اُسوقت تک اس آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا ؛

وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دی جاتی ہے، مگر اگلے مفسرین نے اُسکا بیان کہ وہ کیونکر دیجاتی ہے ٹھیک طور پر نہیں کیا، اُنھوں نے خدا اور رسول کو دنیا کے بادشاہ اور وزیر کی مانند اور وحی کو بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیغام کی مانند سمجھا ہے، اور جبریل کو ایک مجسم فرشتہ بادشاہ و وزیر میں ایلچی پیغام لیجانے والا قرار دیا ہے؛

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ آسمان پر جبرئیل خدا کا کلام سنکر آنحضرت پر اوترتے تھے اور وہ پیغام کہدیتے تھے۔ پھر اس تقریر پر انکو یہ مشکل پیش آئی

www.poetrymania.com©

اپنے بندے پر	عَلٰی عَبْدِنَا

آئی کہ خدا کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے، پھر جبرئیل نے وہ کیونکر سنا ہوگا، پھر اسکا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبرئیل میں ایسی سماعت پیدا کی ہو جو خدا کا کلام سن لیتا ہو، پھر اسمیں یہ قدرت رکھی ہو کہ وہ عبارت میں اسکی تعبیر کر سکے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے قرآن پیدا کر دیا ہو، اور جبرئیل نے اسکو پڑھکر یاد کر لیا ہو۔ یا یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھیر ٹھیر کر نکالی ہوں اور جبرئیل نے بھی اسی کے ساتھ آواز ملالی ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بتا دیا ہو کہ یہی وہ عبارت ہے، جو ہمارے کلام قدیم کو پورا ادا کر دیتی ہے ✦

یہ تقریریں ہمارے علماء قدیم کی اسی قسم کی تقریریں ہیں جن پر آج لوگ ہنستے ہیں، اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو مثل اس تقریر کے لغو سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے اس بات پر غور نہیں فرمایا ہے، کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ہی میں ایسی سماعت یا لوح محفوظ میں سے پڑھنے کی قدرت یا جس جسم میں سے وہ اونچی نیچی آوازیں نکلتی تھیں انسے کلام سمجھ لینے کی طاقت کیوں نہیں پیدا کی جو خدا کا کلام سن لیتے اور سمجھ لیتے تاکہ اس تکلیف کی کہ جبرئیل سنیں پھر اسکی عبارت بنائیں پھر آنحضرت کو آکر سنائیں حاجت نہ رہتی۔ اسکی بھی تشریح امام صاحب نے نہیں فرمائی کہ ان اونچی نیچی آوازوں سے آواز ملا لینے کے بعد جبرئیل کو خدا نے کیونکر بتایا کہ یہ وہی عبارت ہے، آیا انہی اونچی نیچی آوازوں سے، انسے تو جاننا محال تھا کیونکہ دور لازم آتا ہے، پھر اور کسی طرح بتایا ہوگا، مگر پہلے ہی اسی طرح بتا دیا ہوتا، ولا شک ان ھذہ ھفوات لیس لھا فی الاسلام نصیب، نبوت کو بھی علمائے متقدمین نے ایک عہدہ سمجھا ہے کہ خدا جسکو چاہتا ہے یا جسکو منتخب کرتا ہے دیتا ہے، جیسے بادشاہ اپنے بندوں میں سے کسی کو وزیر کسی کو دیوان کسی کو بخشی کر دیتا ہے، اور وہ کسی منصب کو لیکر وہ کام شروع کرتا ہے، اور مبعوث ہونے کے ٹھیک

www.poetrymania.com©

تو تم لاؤ	فأتوا

یہی معنے اونھوں نے سمجھے ہیں ۔

مگر میری سمجھ یہ نہیں ہے، میں نبوت کو ایک فطری چیز سمجھتا ہوں ۔ نبی گو اپنی ماں کے پیٹ ہی میں کیوں نہو، نبی ہوتا ہے، النبی نبی ولو کان فی بطن امہ، جب پیدا ہوتا ہے تو نبی ہی پیدا ہوتا ہے، جب مرتا ہے تو نبی ہی مرتا ہے ۔

نبی کا لفظ یہودیوں میں زیادہ تر مستعمل تھا، وہ اُسکو لفظ نبا سے مشتق کرتے تھے، جسکے معنے خبر دینے کے ہیں ۔ وہ اُس بات کے قائل تھے کہ انبیا مثل نجومیوں کے دنیا کی باتوں میں سے غیب کی بات یا آیندہ ہونیوالی باتیں بتا دیتے ہیں، شاید اتنا فرق سمجھتے ہوں کہ نجومی ستاروں کے حساب یا شیطانوں کے اسرار سے بتاتے تھے، اور انبیا ربانی کرشمہ سے، پس جو شخص کہ کوئی پیشینگوئی نہیں کرتا تھا، اُسکو نبی یا پیغمبر نہیں کہتے تھے، مگر اسلام میں اور مسلمانوں میں یہ خیال نہیں ہے، وہ اُن سب کو جن پر خدا نے وحی نازل کی ہے نبی جانتے ہیں اور پیغمبر مانتے ہیں، گو کہ اُنے کوئی بھی پیشینگوئی نہ کی ہو، بلکہ مذہب اسلام تو یہ بتاتا ہے کہ ،، لا یعلم الغیب الا ھو ،، یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں ہر ایک صاحب وحی کو نبی یا پیغمبر کہا گیا ہے جن میں سے اکثر کو جیسے داؤد و سلیمان کو یہودی نبی نہیں کہتے

بہر حال اس لفظی بحث کو جانے دو، نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیا میں بمقتضائے اپنی فطرت کے مثل دیگر قوائے انسانی کے ہوتی ہے ۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے، اور جو نبی ہوتا ہے اُس میں وہ قوت ہوتی ہے جس طرح کہ تمام ملکات انسانی اُسکی ترکیب اعضا، دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں، اسی طرح ملکۂ نبوت بھی اُس سے علاقہ رکھتا ہے، یہ بات کچھ ملکۂ نبوت پر ہی موقوف نہیں ہے، ہزاروں قسم کے جو ملکات انسانی ہیں بعضی دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روے خلقت و فطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اُسی کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے، لوہار بھی اپنے فن کا امام

www.poetrymania.com©

بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ	اُس کی مانند کوئی سورت

یا پیغمبر ہوسکتا ہی، شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے، ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے، مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہی اور جسمیں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضاے اُسکی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے، وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ اور جسطرح کہ اور قواے انسانی بمناسبت اسکے اعضا کے قوی ہوتے جاتے ہیں اُسیطرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے، اور جب اپنی پوری قوت پر پہونچ جاتا ہے، تو اُس سے وہ ظہور میں آتا ہے جو اُسکا مقتضی ہوتا ہے، جسکو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں ✤

خدا اور پیغمبر میں بجز اُس ملکہ نبوت کے جسکو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا، اُسکا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جسمیں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، اُسکا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا پاس پیغام لیجاتا ہے اور خدا کا پیغام لیکر آتا ہے، وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے جسمیں سے خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں، وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بیحرف بے صوت کلام کو سنتا ہے، خود اُسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے، اور خود اُسی پر نازل ہوتی ہے، اُسی کا عکس اُسکے دل پر پڑتا ہے، جسکو وہ خود ہی الہام کہتا ہے، اُسکو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے، "وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی،، ✤

جو حالات و واردات ایسے دل پر گذرتے ہیں، وہ بھی بمقتضاے فطرت انسانی اور سب کے سب قانون فطرت کے پابند ہوتے ہیں، وہ خود اپنا کلام نفسی ان ظاہری کانوں سے اسیطرح پر سنتا ہے جیسے کوئی دوسرا شخص اُس سے کہ رہا ہے۔ وہ خود اپنے کو ان ظاہری آنکھوں سے اسطرح پر دیکھتا ہے جیسے دوسرا شخص اُسکے سامنے کھڑا ہوتا ہے ✤

اِن واقعات کے تبلانے کو اگرچہ یہ قول "رباعی آتی ہے کہ،، قدرایں باده ندانی بخدا تا نچشی.. مگر ہم بطور تمثیل کے گو وہ کیسی ہی کم رتبہ ہو اسکا ثبوت دیتے ہیں، ہزاروں

www.poetrymania.com©

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (21)	اور خدا کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو (۲۱)

شخص ہیں جنہوں نے مجنونوں کی حالت دیکھی ہوگی، وہ بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آواز سنتے ہیں تنہا ہوتے ہیں مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں، وہ سب انہی کے خیالات ہیں جو سب طرف سے بے خبر ہو کر ایک طرف مصروف و اسمیں مستغرق ہیں، اور باتیں سنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں پس ایسے دل کو جو فطرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق، اور روحانی تربیت میں مصروف اور اسمیں مستغرق ہو ایسی واردات کا پیش آنا کچھ بھی خلاف فطرت انسانی نہیں ہے، ہاں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ پہلا مجنون ہے اور پچھلا پیغمبر، گو کہ کافر پچھلے کو بھی مجنون بتاتے تھے ؛

پس وحی وہ چیز ہے جسکو قلب نبوت پر بسبب اسی فطرت نبوت کے مبداء فیاض نے نقش کیا ہے۔ وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہی ظاہر کانوں سے سنائی دیتا ہے، اور کبھی وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے، مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا، خدا نے بہت سی جگہ قرآن میں جبرئیل کا نام لیا ہے، مگر سورہ بقرہ † میں اسکی ماہیت بتائی ہے، جہاں فرمایا ہے کہ،، جبرئیل نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے،، دل پر اتارنے والی، یا دل میں ڈالنے والی، وہی چیز ہوتی ہے جو خود انسان کی فطرت میں ہو، نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود اسکی خلقت سے جسکے دل پر ڈالی گئی ہے جداگانہ ہو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی ملکۂ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے۔ یہی مطلب قرآن کی بہت سی آیتوں سے پایا جاتا ہے جیسے کہ سورہ قیامہ میں فرمایا ہے کہ،، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ،، یعنی ہمارا ذمہ ہے وحی کو تیرے دل میں اکٹھا کر دینے اور اسکے پڑھنے کا،، فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ،، پھر جب ہم اسکو پڑھ چکیں تو اس پڑھنے کی پیروی کر

† فانه نزله علی قلبك باذن الله (بقر آیت ۹۱)

www.poetrymania.com©

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ (۲۴)	پھر اگر تم نہ کرسکے اور نہ کرسکو گے تو بچو اُس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو تیار ہی کافروں کے لیئے (۲۴)

"ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ".. پھر ہمارا ذمہ ہے اُسکا مطلب بتانا، ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور پیغمبر میں کوئی واسطہ نہیں ہے، خود خدا ہی پیغمبر کے دل میں وحی جمع کرتا ہے وہی پڑھتا ہے وہی مطلب بتاتا ہے، اور یہ سب کام اُسی فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مثل دیگر قوای انسانی کے انبیا میں بمقتضائے اُن کی فطرت کے پیدا کی ہے۔، اور وہی قوت ناموس اکبر ہے۔، اور وہی قوت جبرئیل پیغامبر ✢

اسی طرح خدا تعالیٰ سورہ والنجم مین فرماتا ہی، "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" یعنی محمد صلعم اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتا مگر یہ تو وہ بات ہی جو اُس کے دل میں ڈالی گئی ہے۔ "عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّةٍ"، اُسکو سکھایا ہی بڑی قوت والے صاحب دانش نے، "فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی"، پھر ٹھیرا اور وہ بہت بلند کنارہ پر تھا، "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی"، پھر پاس ہوا اور ادھر کھڑا ہوا، "فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی"، پھر دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا، "فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی"، پھر اپنے بندہ کے دل میں ڈالی وہ بات جو ڈالی۔ یہ تمام مشاہدہ اگر تھی ظاہری آنکھوں سے تھا، تو وہ عکس خود اپنے دل کی تجلیات ربانی کا تھا، جو بمقتضائے فطرت انسانی و فطرت نبوت دکھائی دیتا تھا، اور در اصل بجز ملکہ نبوت کے جسکو جبرئیل کہو یا اور کچھ کچھ نہ تھا ✢

علماء اسلام نے انبیا اور عام انسانوں میں بجز اسکے کہ اُنکو ایک عہدہ ملگیا ہے جو ممکن تھا کہ اُن میں سے بھی کسی کو ملجاتا، اور کچھ فرق نہیں سمجھا، اور اسی لیئے اشاعرہ و ماتریدیہ نے نبی اور امت کی مثال سلطان و رعیت کی سمجھی ہے۔ مگر میری سمجھ میں

www.poetrymania.com©

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ	اور بشارت دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیئے ہیں کہ اُن کے لیئے جنتیں ہیں :

یہ مثال ٹھیک نہیں ہے، نبی اور امت کی مثال راعی وغنم کیسی ہے، اگو نبی وامت انسانیت میں شریک ہیں، جیسیکہ راعی وغلام حیوانیت میں، مگر نبی وامت میں فطرت نبوت کی ایسی ہی فصل ہے، جیسیکہ راعی وغنم میں ناطقیت کی +

قرآن مجید کا تھما تھما نازل ہونا بھی بڑی دلیل اِس بات کی ہے کہ وہ بمقتضاے اُسی فطرت کے نازل ہوا ہے، ہم بمقتضاے فطرت انسانی یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام ملکات انسانی کسی محرک یعنی کسی امر کے پیش آنے پر اپنا کام کرتے ہیں، اسیطرح ملکہ نبوت بھی جبھی اپنا کام کرتا ہے جبکہ کوئی امر پیش آتا ہے۔ ہمارے دل میں سینکڑوں مضمون ہوتے ہیں، سینکڑوں نصیحتیں ہوتی ہیں، اشعار یاد ہوتے ہیں، دوستوں کی صورتیں، اور مکانوں کی باغوں اور جنگلوں کی تصویریں دماغ میں موجود ہوتی ہیں، مگر جبتک اُنپر متوجہ ہونے کا کوئی سبب نہو وہ سب بے معلوم رہتی ہیں، یہی حال ملکہ نبوت کا ہے، نبی معہ اپنے ملکہ نبوت کے موجود ہوتا ہے کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، دنیوی باتیں جنکو نبوت سے کچھ تعلق نہیں ہیں اسیطرح پر کرتا ہے جسطرح کہ اور تمام انسان کرتے ہیں، مگر جب کوئی ایسا امر پیش ہوتا ہے جو اُس ملکہ نبوت کی تحریک کا باعث ہو، اُسوقت وہ ملکہ نبوت اپنا کام کرتا ہے، اسی باریک دقیقہ کی طرف خدا نے اشارہ کرنے کو اپنی نبی کی زبان سے یہ کہوایا کہ،، اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ،، اور خود آنحضرت نے فرمایا کہ،، اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّاْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ،، (رواہ مسلم) یعنی میں بھی تو انسان ہی ہوں جب تمکو تمھارے دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اُسکو مان لو اور جب میں کوئی بات اپنی رائے

www.poetrymania.com©

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں،

سے کہوں تو بے شک میں بھی انسان ہوں ✦

(فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ) ہمنے شروع تفسیر میں سورة کے لفظ کی تحقیق میں بتایا تھا، کہ جہاں قرآن میں لفظ سورة کا آیا ہے اُس سے کوئی سورة جو سورتوں کے نام سے مشہور ہیں مراد نہیں ہے، بلکہ کوئی حصہ قرآن کا مراد ہے ✦

جو لوگ کہ قرآن پر خدا کی وحی سے ہونے میں شک کرتے تھے اُنکا شبہ مٹانے کو خدا نے اُن سے فرمایا کہ اگر تم اُسکو خدا سے نہیں سمجھتے تو تم بھی اُسکی مانند لاؤ ✦

یہ مضمون کئی طرح پر قرآن میں آیا ہے، اُس مقام پر تو یہ فرمایا ہے کہ قرآن کے کسی ٹکڑے یا حصہ کے مانند تم بھی لاؤ ✦

اسیطرح سورہ یونس ✝ میں فرمایا ہے کہ،، کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یوں ہی بنا لیا ہے تو تو اُسنے کہہ کہ اُسکے ٹکڑے یا حصے کی مانند تم بھی بنا لاؤ ✦

اور سورہ ہود ✝ میں فرمایا ہے کہ،، کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یوں ہی بنا لیا ہے تو تو اُنسے کہہ کہ اُسکے دس ہی ٹکڑوں یا حصوں کی مانند تم بھی یوں ہی بنا لاؤ'' ✦

اور سورہ اسریٰ میں ؎ فرمایا ہے کہ ''تو کہدے کہ اگر جن و انس اِس بات پر جمع ہوں کہ اِس قرآن کی مانند بنا لاویں تو اُسکی مانند نہ بنا لا سکینگے،، ✦

اور سورہ قصص ۲ میں فرمایا ہے کہ،، تو اُنسے کہدے کہ خدا کے پاس سے کوئی کتاب لاؤ جو توریت و قرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو'' ✦

اِن سب آیتوں پر غور کرنے کے بعد اِس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کی مانند سے کیا مراد ہے، ہمارے تمام علما مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ قرآن نہایت اعلیٰ

✝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (یونس ۳۸)

✝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (ھود - ۱۲)

؎ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا - (اسریٰ - ۹۰)

۲ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (قصص - ۴۹)

www.poetrymania.com©

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ	جب دفعہ اُن کو وہاں سے کھانے کو پھل ملے تو کہیں یہ وہی ہے جو پہلے ہمکو ملا تھا،

فصاحت و بلاغت پر واقع ہوا ہے، اور اُس زمانہ میں اہل عرب کو فصاحت و بلاغت کا بڑا ہی دعوی تھا، پس خدا نے قرآن کے من اللہ ثابت کرنے کو یہ معجزہ قرآن میں رکھا کہ ویسا فصیح کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا، اور نہیں کہہ سکا، پس اُنھوں نے قرآن کی مانند سے فصاحت و بلاغت میں مانند ہونا مراد لیا ہے ✦

مگر میری سمجھ میں اِن آیتوں کا یہ مطلب نہیں ہے، اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن مجید نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ فصاحت و بلاغت پر واقع ہے اور جبکہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے قلب نبوت پر، نہ بطور معنی و مضمون کے بلکہ بلفظہٖ ڈالی گئی تھی جسکے سبب سے ہم اُسکو وحی متلو یا قرآن یا کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہیں، اسلیئے ضرور تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہو، جو بے مثل و بے نظیر ہو، مگر یہ بات کہ اُسکی مثال کوئی نہیں کہہ سکا یا کہہ سکتا، اُسکے من اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی کسی کلام کی نظیر نہونا اِس بات کی تو بلاشبہ دلیل ہے، کہ اُسکی مانند کوئی دوسرا کلام موجود نہیں ہے، مگر اِسکی دلیل نہیں ہے، کہ وہ خدا کی طرف سے ہے، بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں، کہ اُنکے مثل فصاحت و بلاغت میں آجتک دوسرا کلام نہیں ہوا، مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوتے، نہ اِن آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ ہے جس سے فصاحت و بلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو، بلکہ صاف پایا جاتا ہے، کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اُس میں معارضہ چاہا گیا ہے، کہ اگر قرآن کے خدا سے ہونے میں شبہ ہو، تو کوئی ایک سورۃ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنالاؤ جو ایسی ہادی ہو۔ سورۂ قصص میں آنحضرت صلعم کو صاف حکم دیا گیا ہے کہ، تو کافروں سے کہدے کہ کوئی کتاب جو توریت و قرآن سے زیادہ ہدایت کرنیوالی ہو اُسے لاؤ، توریت

www.poetrymania.com©

وَاُوْتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا	کیونکہ ایک ہی سے (پھل) لائے جاوینگے

فصیح نہیں ہے، بلکہ عام طور کی عبارت ہے، اسلیئے کہ علاوہ قومی دستورات وتاریخانہ مضامین کے جو اُسکے جامع نے اُس میں شامل کیئے ہیں، جس قدر مضامین وحی کے اُسمیں ہیں، اُنکا القاء بھی بلفظہٖ شاید بجز احکام عشرہ توریت کے جنکو حضرت موسیٰؑ نے پہاڑ میں بیٹھ کر پتھر کی تختیوں پر لکھ دلیا تھا، پایا نہیں جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن گو کیسا ہی فصیح ہو، مگر جو معارضہ ہے، وہ اُسکی فصاحت وبلاغت یا اُسکی عبارت کے بے نظیر ہونے پر نہیں ہے، بلکہ اُس کے بے مثل ہادی ہونے میں ہے، جو بالتصریح سورہ قصص کی آیت میں بیان ہوا ہے، ہاں اُسکی فصاحت وبلاغت اُس کے بے نظیر ہادی ہونے کو زیادہ تر روشن ومستحکم کرتی ہے۔

ان آیتوں کے مخاطب اہل عرب تھے، پس جب قرآن نازل ہوا تو اُسوقت جو عرب کا حال تھا اُسکو ذرا اسطرح پر خیال میں لانا چاہیئے کہ اُسکا نقشہ آنکھوں کے سامنے جم جاوے۔ وہ تمام قوم ایک لٹیری، چور، وقزاق، خانہ بدوش قوم تھی جو مثل کنجروں کے اپنا ڈیرہ گدھوں وخچروں پر لادے پڑی پھرتی تھی، غیر قوموں نے "سارشین" جو لفظ "سارقین" کا محرف ہے خطاب دیا تھا، بغض وعداوت وکینہ جو بدترین خصائص انسانی سے ہیں اُنکے رگ وریشہ میں پڑا ہوا تھا، یہانتک کہ وہاں کے جانور بھی کینہ میں ضرب المثل ہیں (شترکینہ) خوں ریزی بیرحمی، قتل اولاد، اُن میں ایسے درجہ پر تھی جسکی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی، کنواری اور بیاہی عورتیں زنا کو اپنا فخر سمجھتی تھیں، جسطرح مرد کسی بھی عزت یا مشہور خاندان کی عورت سے زنا کرنا فخریہ اپنی قوم میں بیان کرتا تھا، اسی طرح عورتیں کسی نامی یا مشہور خاندانی مرد سے زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں، تو م کی قوم جاہل وامی تھی، بجز شراب خواری وبت پرستی کے کچھ کام نہ تھا، اور قوموں سے ایسے کونے میں پڑی ہوئی تھیں کہ کچھ روشنی تعلیم وتربیت کی اُن تک نہیں پہنچی تھی،

www.poetrymania.com©

وَلَهُمْ فِيهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ	اور وہاں اُنکے لیئے پاکیزہ عورتیں ہیں،

اُسی قوم میں کا ایک شخص جسنے چالیس برس اپنی عمر کے اُنہی کے ساتھ صرف کیئے تھے، ربانی روشنی سے جو خدا نے بمقتضاے فطرت اُسمیں رکھی تھی منور ہوا اور روحانی تربیت کے حقائق و دقائق ایسے الفاظ میں جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچرلسٹ و دہریہ سے لیکر عام جاہلوں بدوُں صحرانشینوں کی ہدایت کے لیئے بھی یکساں مفید تھے علانیہ بیان کیئے، جو ممکن نہ تھا کہ بغیر اسکے کہ وہ خدا کی طرف سے ہوں بیان کیئے جا سکتے۔ فطرت کے قاعدہ کے مطابق ممکن نہ تھا کہ بغیر اُس فطرت نبوت کے جو خدا انبیاء میں ودیعت کرتا ہے ایسی قوم کے کسی شخص کے اسطرح کے خیالات اور اقوال و نصائح ہوں، جیسے کہ قرآن میں ہیں، یا ایسی تاریک و خراب حالت کی قوم کا کوئی شخص بغیر اُس نور کے جو خدا نے اُسکو دیا ایسی ہدایتیں بتا دے، جیسی کہ قرآن میں ہیں، یہ بجز خدا سے ہونے کے اور کسی طرح ہو ہی نہیں سکتیں، اسی امر کی نسبت خدا نے فرمایا کہ اگر تمکو اُسکے خدا سے ہونے میں شک ہے تو فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ +

(۲۲) [فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا] اور پھر فرمایا کہ اگر تم نکر سکے اور پھر بطور یقین کے خبر دی کہ نہ کر سکو گے [کیونکہ ایسی قوم کے ایسے خیالات ہونے جیسیکہ قرآن میں ہیں ممکن ہی نہ تھے] تو اُس کو خدا کی طرف سے سمجھ لو اور عذاب سے بچو +

ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جنت و نار یا دوزخ و بہشت کا ذکر کیا ہے، جنت و نار کی نسبت لفظ ،، اُعِدَّتْ ،، جسکے معنے طیار یا آمادہ کے ہیں چار جگہ قرآن مجید میں آیا ہے اول تو اسی آیت میں ہے ،، اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ،، اور پھر سورۂ آل عمران میں ہے ،، وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ،، اور پھر اُسی سورۃ میں جنت کی نسبت دوسری جگہ ہے ،، اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ،، اور پھر سورہ حدید میں ہے ،، اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ،، اِس لفظ پر علماء اسلام نے استدلال کر کر یہ عقیدہ قائم کیا ہے

www.poetrymania.com©

وَهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۴﴾	،،اور وہ ہمیشہ وہاں رہینگے (۲۴)

کر ،، اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ ،، یعنے بہشت اور دوزخ دونو پیدا ہو چکی ہیں یعنی بالفعل موجود ہیں۔ مگر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ان آیتوں سے یا ،، اُعِدَّتْ ،، کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ✤

تمام قرآن کا طرز بیان اسطرح پر ہے کہ آیندہ کی باتوں کا جو یقینی ہونیوالی ہیں ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے ، جو اُنکے قطعی ہونے پر دلالت کرتے ہیں اسیطرح اِن آیتوں میں جو باتیں ہونیوالی ہیں اُنکو بطور ہو چکی ، یعنی ماضی کے صیغہ سے بیان کیا ہے ، مثلاً پہلی آیت مین فرمایا ہے ، بچو اُس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو تیار ہے کافروں کے لیئے ، آدمیوں پر ایندھن کا اطلاق اُسوقت ہو سکتا ہے ، جب وہ آگ بھڑکانے کے لیئے آگ میں ڈالے جاوینگے ، اور اُن علمائے اسلام کے نزدیک اگر یہ ہوگا تو قیامت میں حساب وکتاب کے بعد ہوگا پس اسوقت نہ کوئی آدمی جہنم کی آگ کا ایندھن ہے ، اور نہ کوئی ایسی آگ موجود ہے جسکا ایندھن آدمی ہوں ، ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ ایسا ہوگا پس اگر ہوگا تو بالفعل موجود ہونا قائم نہ دوسری آیت میں بہشتیوں کی نسبت پھل کا ملنا اور ایک سے پھل کا ملنا اور اُنکا کہنا کہ یہ تو وہی ہے جو پہلے ملا تھا ، سب ماضی کے صیغوں سے بیان ہوا ہے ، حالانکہ اگر یہ ہوگا تو قیامت کے بعد ہوگا ، جب لوگ حساب وکتاب کے بعد بہشت میں جاوینگے علاوہ اسکے اگر کسی کام کا بدلا یا کسی جرم کی سزا یقینی ہو تو اس کہنے سے کہ اگر تم یہ بات کروگے تو اُسکا یہ صلہ اور یہ جرم کروگے تو اُسکی یہ سزا تمھارے لیئے طیار ہے ، یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صلہ یا ذریعہ سزا بالفعل موجود بھی ہو ، بلکہ اِس طرز کلام کا صرف یہ مفاد ہے کہ وہ بدلا یا سزا ملنی یقینی ہے ۔ پس یہ مسئلہ کہ بہشت اور دوزخ دونوں بالفعل مخلوق و موجود ہیں قرآن سے ثابت نہیں ✤

جنت یا بہشت کی ماہیت جو خود خدا تعالیٰ نے بتلائی ہے وہ تو یہ ہے ،، فَلَا تَعْلَمُ

www.poetrymania.com©

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا	اللہ کچھ شرماتا نہیں ایک مچھر کی یا اس سے بھی بڑھکر مثال کہنے میں ،

نفسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ،، ✦ یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا اُنکے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی گئی ہے اُسکے بدلے میں جو وہ کرتے تھے ✦

پیغمبر خدا صلعم نے جو حقیقت بہشت کی فرمائی جیسکہ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہؓ کی سند پر بیان کیا ہے وہ یہ ہے ،، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ،، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طیار کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیئے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے سُنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اُسکا خیال گذرا ہے ۔ پس اگر حقیقت بہشت کی یہی باغ اور نہریں اور موتی کے اور چاندی سونے کی اینٹوں کے مکان اور دودھ اور شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈے ہوں ، تو یہ تو قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہے کیونکہ ان چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے ، اور اگر فرض کیا جاوے کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں تو بھی ،، وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ سے خارج نہیں ہوسکتیں ، عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے اور جبکہ ان سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے تو اُسکی صفت اضافی کو جہاں تک کہ ترقی دیتے جاؤ انسان کے دل میں اُسکا خیال گذر سکتا ہے ، حالانکہ بہشت کی ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ ،، وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ،، پس بہشت کی جو یہ تمام چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ حقیقت بہشت میں جو ،، قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ،، ہوگا اُسکے سمجھانے کو بقدر طاقت بشری تمثیلیں ہیں ، نہ بہشت کی حقیقتیں ✦

✦ سورۃ السجدہ آیت ۱۷

www.poetrymania.com©

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ	پھر جو ایمان لائے ہیں جانتے ہیں کہ سچ مچ وہ خدا کی کہی ہوئی ہے ،

انسان مطابق اپنی فطرت کے اُنہی چیزوں کو سمجھ سکتا ہے اور اُنہی کا خیال اُسکے دل میں آسکتا ہے، جو اُسنے دیکھی یا چھوئی یا چکھی یا سونگھی یا قوت سامعہ سے محسوس کی ہوں، اور بہشت کی جو "قرۃ اعین" یعنی راحت یا لذت ہے، اُسکو نہ انسان نے دیکھا ہے، نہ چھوا ہے، نہ چکھا ہے، نہ سونگھا ہے، نہ قوت سامعہ نے اُسکا حس کیا ہے، پس فطرت انسانی کے مطابق انسان کو اُسکا بتلانا ناممکن ہے، اسکے سوا ایک اور مشکل درپیش ہے، کہ جو کچھ انسان کو بتایا جاتا ہے وہ اُن الفاظ سے تعبیر ہوتا ہے جو انسان کی بول چال میں ہیں، اور جو چیز کہ انسان نے نہ دیکھی، نہ چھوئی، نہ چکھی، نہ سونگھی نہ قوت سامعہ سے حس کی، اسکے لئے کوئی لفظ انسان کی زبان میں نہیں ہوتا، اور اسلیئے اُسکا تعبیر کرنا گو کہ خدا ہی تعبیر کرنا چاہے محالات سے ہے۔ اسکے سوا ایک اور سخت مشکل یہ ہے، کہ کوئی انسان اُن کیفیات کو بھی جو اس دنیا میں ہے تعبیر نہیں کرسکتا، کوئی شخص کھٹاس، مٹھاس، درد، دُکھ، رنج و راحت، کی کچھ بھی کیفیت نہیں بتا سکتا، یا اُسکے لئے دوسرا لفظ بدل دیتا ہے، یا کوئی مشابہت اور نظیر اُسکی لاتا ہے، جو وہ بھی مثل پہلی کے محتاج بیان ہوتی ہے، پس بہشت کی کیفیت یا لذت کا جسکو "قرۃ اعین" سے تعبیر کیا ہے بیان کرنا گو کہ خدا ہی اُسکا بیان کرنا چاہے محال سے بھی بڑھکر محال ہے +

مگر جبکہ انسان کو ایک بات کے کرنے کو اور ایک بات کے نہ کرنے کو کہا جاوے، تو بالطبع انسان اُسکی منفعت اور مضرّت کے جاننے کا خواہاں ہوتا ہے اور بغیر جانے اُسکے کرنے یا نہ کرنے پر راغب یا متنفر نہیں ہوتا، اسواسطے ہر ایک پیغمبر کو بلکہ ہر ایک رفارمر یعنے مصلح کو اُس منفعت و مضرت کا کسی تمثیل و تشبیہ سے بتانا پڑتا ہے +

"قرۃ اعین" کی ماہیت یا حقیقت یا کیفیت یا اصلیت کا بتانا تو محالات سے ہے

www.poetrymania.com©

وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا	اور جو کفر میں پڑے ہیں کہتے ہیں کہ ایسی مثل کہنے سے خدا نے کیا ارادہ کیا ہے،

اسیلئے انبیاء نے اُن راحتوں اور لذتوں یا رنج اور تکلیفوں کو جو انسان کے خیال میں ایسی ہیں جو اُنسے زیادہ نہیں ہو سکتیں، بطور جزا و سزا اُن افعال کے بیان کیا ہے، اور غرض اُن سے بعینہٖ وہی اشیا، نہیں ہیں، بلکہ جو رنج و راحت الذت و کلفت اُن سے حاصل ہوتی ہے اُس کیفیت کو،، قُرَّۃِ اَعْیُنٍ،، سے تشبیہا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ گو وہ تشبیہ کیسی ہی ادنٰے اور ناچیز ہو ؛

موسیٰ نے اُس،، قُرَّۃِ اَعْیُنٍ،، کو اولاد پیدا ہونے مینھہ برسنے رزق کے فراغ ہونے دشمنوں پر غلبہ پانے، اور اُس کلفت کو اولاد کے مرنے قحط پڑنے و با پھیلنے شکست کھانے کی کیفیت کی تشبیہ میں بیان کیا۔ یہ تشبیہیں اگرچہ بنی اسرائیل کے دل پر بہت موثر تھیں، مگر درحقیقت ایسی نہ تھیں کہ جو تمام انسانوں کی طبعیت پر حاوی ہوں محمد مصطفےٰ صلعم نے اُسکو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے، کہ تمام انسانوں کی طبعیتوں پر حاوی ہیں، اور کل انسانوں کی خلقت اور جبلت کے نہایت ہی مناسب ہیں؛

تمام انسانوں کی خواہ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہوں خواہ گرم ملک کے، مکان کی آراستگی، مکان کی خوبی، باغ کی خوشنمائی بہتے پانی کی دلربائی میووں کی تر و تازگی، سب کے دل پر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے، اسکے سوا حسن یعنے خوبصورتی سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی ہے، خصوصًا جبکہ وہ انسان میں ہو، اور اُس سے بھی زیادہ جبکہ عورت میں ہو، پس بہشت کی وہ قرۃ اعین کو اُن فطری راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں، اور دوزخ کی مصائب کو آگ میں جلنے اور لہو پیپ پلائے جانے، اور تھوہر کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی راحت و لذت، یا سخت

www.poetrymania.com©

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾	بہتوں کو اُس سے گمراہ کرتا ہے، اور بہتوں کو اُس سے ہدایت کرتا ہے، اور بجز بدکاروں کے کسی کو اُس سے گمراہ نہیں کرتا (۲۶)

سے سخت عذاب وہاں موجود ہے، اور در حقیقت جو لذت و راحت یا رنج و کلفت وہاں ہے، اُنکو اُس سے کچھ بھی مناسبت نہیں، یہ تو صرف ایک اعلیٰ راحت و احتظاظ، یا رنج و کلفت کا خیال پیدا کرنے کو اُس پیرایہ میں جسمیں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ و رنج کو خیال کر سکتا تھا بیان کیا ہے +

یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اُس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے، ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت، چاندی کے کنگن پہنے ہوئے، جو ہماری ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں، ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے، ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے، کوئی کسی کونے میں کچھ، ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے، اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اُس سے ہزار درجہ بہتر ہیں +

علمائے اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے بسبب اپنی رقت قلبی اور توجہ الی اللہ اور خوف و رجا کے غلبہ کے، جو آدمی کے دل پر زیادہ اثر کرنے سے ایسے درجہ پر پہنچا دیتا ہے کہ اصل حقیقت کے بیان کرنے کی جرأت نہیں رہتی) یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو ظاہر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے، اُسی کو تسلیم کر لیں، اور اُسکی حقیقت اور اُسکے مقصد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیں، اسواسطے وہ بزرگ تمام اُن باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جنکو کوئی بھی نہیں مان سکتا، اور وہ باتیں جیسیکہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں، ویسی ہی مذہب کی سچائی اور بزرگی اور تقدس کے مخالف ہیں +

www.poetrymania.com©

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

جو اللہ کے عہد کو پکا کر کے توڑتے ہیں اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اُس کو کاٹتے ہیں، اور دنیا میں فساد ڈالتے ہیں، وہی لوگ ٹوٹے میں پڑے ہیں (۲۵)

اس امر کے ثبوت کے لیئے بانی مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا، نہ واقعی اُن چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا، ایک حدیث کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے بریدہ ؓ سے روایت کی ہے اُسمیں بیان ہے کہ ''ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا آپ نے فرمایا کہ تو سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہیگا اُڑتا پھریگا۔ پھر ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت وہاں اونٹ بھی ہوگا، آپنے فرمایا کہ وہاں جو کچھ چاہو گے سب کچھ ہوگا، پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ موجود ہونگے، بلکہ صرف اُن لوگوں کے خیال میں، اُس اعلیٰ درجہ کی راحت کے خیال کا پیدا کرنا ہے، جو اُنکے خیال اور اُنکی عقل و فہم و طبیعت کے مطابق اعلیٰ درجہ کی ہوسکتی تھی۔ اسی کی مانند اور بہت سی حدیثیں ہیں، اور اگر ان سب کو صحیح بھی مان لیا جاوے تب بھی کسی کا مقصود اُن اشیاء کا بعینہٖ بہشت میں موجود ہونا نہیں ہے بجز اسکے کہ جہاں تک انسان کی عقل و طبیعت کے موافق اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا ہو سکے وہ پیدا ہو ✝

حکماء الٰہی اور انبیاء ربانی دونوں ایک سا کام کرتے ہیں، فرق یہی کہ حکماء

✝ عن بریدۃ ان رجلا قال یا رسول اللہ هل فی الجنۃ من خیل قال ان اللہ ادخلک الجنۃ فلا تشاء ان تحمل فیها علی فرس من یاقوتۃ حمراء یطیر بک فی الجنۃ حیث شئت الا فعلت وسألہ رجل فقال یا رسول اللہ هل فی الجنۃ من ابل قال فلم یقل لہ ما قال لصاحبہ فقال ان یدخلک اللہ الجنۃ یکن لک فیها ما اشتهت نفسک ولذت عینک رواہ الترمذی

www.poetrymania.com©

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	کیونکر تم نہیں مانتے اللہ کو حالانکہ تم مردہ (یعنی کچھ نہ تھے ‡) پھر تمکو زندہ (یعنی موجود اور مشہور و معروف) کیا، پھر تمکو ماریگا

صرف اُن چند لوگوں کو تربیت کر سکتے ہیں جنکا دل و دماغ تربیت پا چکا ہے۔ برخلاف اسکے انبیاء تمام کائنات انام کو تربیت کرتے ہیں، جنکا بہت بڑا حصہ قریب کل کے محض ناتربیت یافتہ جاہل وحشی جنگلی بدوی بےعقل و بددماغ ہوتا ہے، اور اسی لیئے انبیاء کو یہ مشکل پیش آتی ہے، کہ اُن حقائق و معارف کو، جنکو تربیت یافتہ عقل بھی مناسب غور و فکر و تامل سے سمجھ سکتی ہے، ایسی الفاظ میں بیان کریں کہ تربیت یافتہ دماغ اور کوڑ مغز دونوں برابر فائدہ اُٹھاویں۔ قرآن مجید میں جو قابل چیز ہے وہ یہی ہے کہ اسکا طرز بیان ہر ایک کے مذاق اور دماغ کے موافق ہے، اور باوجود اسقدر اختلاف کے دونوں نتیجہ پانے میں برابر ہیں۔ انہی آیات کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو، ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ و وعید دوزخ و بہشت کے، جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں اُنسے بعینہ وہی اشیاء مقصود نہیں، بلکہ اسکا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے، اس خیال سے اسکے دل میں ایک بے انتہا عمدگی نعیم جنت کی، اور ایک ترغیب اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے۔

‡ قال القفال وھو کقولہ تعالیٰ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً" فبین سبحانہ و تعالیٰ ان الانسان کان لاشی یذکر فجعلہ سمیعاً بصیراً ومجازہ من قولھم فلان میت الذکر وھذا امر میت وھذہ سلعۃ میتۃ اذا لم یکن لھا طالب ولا ذاکر قال المخبل السعدی

واحییت لی ذکری وما کنت خاملا ✦ ولکن بعض الذکر انبہ من بعض

فکذا معنی الآیۃ وکنتم امواتاً ای خاملین ولا ذکر لکم لانکم لم تکونوا شیئاً فاحیاکم ای جعلکم سمیعاً بصیراً ✦ (تفسیر کبیر)

کنتم امواتاً لخاملی الذکر فاحیاکم بالظھور ✦ والعرب یسمی کل خامل میتاً وکل امر مشہور حیاً (تفسیر مجمع البیان)

www.poetrymania.com©

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾	پھر جلا وے گا، پھر اُس کے پلس جاؤگے (۲۷)

اور ایک کور مغز ملّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے، کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملینگی، شرابیں پینگیے، میوے کھاوینگے، دودھ و شہد کی ندیوں میں نہاوینگے، اور جو دل چاہیگا وہ مزے اُڑاوینگے اور اس لغو و بیہودہ خیال سے من رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے، اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اُسی پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے، اور کافۂ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے، پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں غور نہیں کی اُس نے درحقیقت قرآن کو مطلق نہیں سمجھا، اور اُس نعمت عظمیٰ سے بالکل محروم رہا ✦

(متشابھا) جو مطلب قرآن مجید کا ہمنے بیان کیا ہے اُسکے مطابق ہمکو نہ کچھ ،،ثمرہ،، کے لفظ پر بحث کرنی ضرور ہے اور نہ ،،متشابھا،، کے لفظ پر کیونکہ اس لفظ سے پھل کی عمدگی پر اُسی مقصود سے زیادہ تعجب دلاتا ہے، مگر تعجب یہ ہی کہ بعض ہمارے علماء اسلام نے بھی ،،متشابھا،، کی تفسیر میں ثمر سے درختوں کے میوے مراد نہیں لیئے۔ بیضاوی ‡ میں لکھا ہے کہ ،،اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جو لذت دنیا میں خدا کی معرفت اور اُسکی طاعت میں حکمی تھی تو جنت میں، وہ لذت بڑھکر ہوگی اس لیئے ان الفاظ سے کہ ،،یہ وہی ہے جو ہمکو پہلے ملا تھا،، ثواب مراد ہو سکتا ہے اور ،،ایک ہی سی ہونے سے،، بزرگی اور علو مدارج میں ایک سا ہونا، یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ کافروں کے حق میں کہا گیا ہے

‡ وان للأية محملا اخر وھو ان مستلذات اھل الجنة فی مقابلة ما رزقوا فی الدنیا من المعارف والطاعات متفاوتة فی اللذة بحسب تفاوتھا فیحتمل ان یکون المراد من ھذا الذی رزقنا انه ثوابه ومن تشابھما تماثلھما فی الشرف والمزیة وعلو الطبقة فیکون ھذا فی الوعید نظیر قوله ذوقوا ما کنتم تعملون فی الوعید (بیضاوی)

www.poetrymania.com©

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لیے سب کچھ جو زمین میں ہے ؛

کہ چکھو جو تم جانتے تھے" ؛

تفسیر کشف الاسرار میں ؛ بھی لکھا ہے کہ جنت و نار کی جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں نہ حقیقتیں تاکہ جو چیز ہمارے پاس ہے اُس سے اُس چیز کا جو ہم سے پوشیدہ ہے کچھ خیال ہو ؛

(۲۴) [إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي] تمام مفسرین اس آیت کی نسبت لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں مکھی و مکڑی و چیونٹی کا ذکر کیا ہے، اسپر کافر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ ایسی حقیر چیزوں کا ذکر کرنا خدا کی شان کے لائق نہیں ہے، اُسپر یہ آیت نازل ہوئی کہ مچھر یا اُس سے زیادہ حقیر چیز کی مثل کہنے میں خدا شرماتا نہیں، مگر اس صورت میں اس آیت کو پہلی و پچھلی آیتوں سے کچھ تعلق نہیں رہتا، بلکہ اس آیت سے اس بات پر اشارہ پایا جاتا ہے کہ، اوپر کی آیتوں میں جو بیان جنت و نار کا ہوا ہے وہ صرف بطور ایک حقیر مثل کے ہے، مگر اللہ حقیر سے حقیر مثل کہنے میں بھی نہیں شرماتا، جو سعید ہیں وہ اُسکا مقصد سمجھتے ہیں اور ہدایت پاتے ہیں، اور جو شقی ہیں وہ اُس کے مقصود پر غور نہیں کرتے بلکہ حقارت سے دیکھتے ہیں اور گمراہ ہوتے ہیں ؛

[عَهْدَ اللَّهِ] عہد آپس میں دو شخصوں کے ایک قول ہے، جسکا منشاء یہ ہے کہ اُسکی رعایت رکھی جاوے اور پورا کیا جاوے، اور ایجاب و قبول سے وہ موثق ہو جاتا ہے، کبھی یہ عہد بذریعہ قول کے ہوتا ہے اور کبھی بغیر قول کے، مثلاً یہ عہد کرنا کہ میں دس من گیہوں دونگا ایک قولی عہد ہے، مگر من کی مقدار بھی جو

؛ واعلم ان اللہ تعالیٰ خاطبنا بالامثال لیدلنا علی الحاضر عندنا بالغائب عندنا فالاسماء متفقۃ للدلالۃ والمعانی مختلفۃ ولولا ذلک لما بقی فی النار من شجر الزقوم و السلاسل شیٔ بل کانت تاکل النار وما فی الجنۃ من فرشها و انهارها کذلک لا شیٔ مثل تلک (تفسیر کشف الاسرار)

www.poetrymania.com©

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاۤءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۷)	پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اُسکو ٹھیک سات آسمان کر دیئے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے (۲۷)

مروج ہوا ایک عہد ہے بغیر قول کے، جو اُس قولی عہد کے ضمن میں داخل ہے پس عہد بالقول اور بالحال دونوں طرح پر ہوتا ہے، خدا کا عہد جو مخلوق سے ہے، یا مخلوق کا عہد جو خدا سے ہے، وہ قولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُسکی ذات لفظوں کے بولنے اور آواز کے نکلنے سے جو انسان سی متعلق ہے بری ہے، پس خدا کا قول وہ انسانی فطرت ہے، جسپر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے، اُسکی قدرت کی نشانیاں جو دنیا میں اور خود انسان میں ہیں اور جو عقل و تمیز انسان میں بالواسطہ یا بلا واسطہ اُنکے سمجھنے کی موجود ہے، اُسکے خدا ہونے پر موثق عہد ہے، جسکا دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہوا ہے، خود انسان کی فطرت اور جو قوائے متحرک اور قوت مانع یا معتدل کرنے والی اُن قویٰ کی اُس میں رکھی ہے وہ ٹھیک اُس کے دین یا شریعت کے بجا لانے کا جو عین فطرت ہے پکا عہد ہے، پس جو لوگ اُس عہد کو توڑتے ہیں وہی بدکار ہیں اور وہی اُن مثلوں سے گمراہ ہوتے ہیں *

(۲۶) اِس آیت میں تین لفظ غور کرنے کے قابل تھے ۔ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا۔ فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔ اِس آیت کا ترجمہ اِس طرح پر کیا ہے کہ پہلے دو لفظوں کا حل اُس سے ہو جاتا ہے، پچھلے لفظ پر ہم وہاں بحث کرینگے جہاں بعث و نشر کی حقیقت بیان کرینگے، یہ مسئلہ اِس قابل ہے کہ ایک مناسب مقام پر پوری تقریر اسپر لکھی جاوے *

(۲۷) سَبْعَ سَمٰوٰتٍ) سات کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ سات سے زیادہ آسمان نہوں، بلکہ اُس زمانہ کے لوگ جو بلحاظ سبع سیارات یہ سمجھتے تھے کہ آسمان سات ہیں، اُنھی لوگوں کے خیال کے مطابق سات کا لفظ اطلاق ہوا ہے

www.poetrymania.com©

وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ	اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا

یہ کچھ میری ہی رائے نہیں ہے بلکہ اگلے مفسروں کی ؏ بھی یہی رائے ہے۔
"سموات" جمع ہے سماء کی جسکے معنے اونچے کے ہیں، یہ لفظ عرب کی زبان میں اور یہودیوں کی زبان میں اُس زمانہ سے بولا جاتا ہے جبکہ یونانی علم ہیئت کا وجود بھی نہ تھا، قرآن مجید میں بھی اس لفظ کا اطلاق اُسی محاورہ میں ہوا ہے جو اُس زمانہ میں تھا، مگر قرآن مجید کے نازل ہونے کے زمانہ میں اور اُسکے بعد بالتخصیص مسلمانوں میں یونانی علم ہیئت کا بڑا رواج ہو گیا تھا۔ یونانیوں نے آسمان کو ایک جسم شفاف صلب کروی الشکل مقعر و محدب کا محیط زمین کے جسمیں ستارے جڑے ہوئے ہیں تسلیم کیا تھا، یونانی مسئلے مسلمانوں میں بہت رائج ہو گئے تھے اور سب (الا شاذ و نادر) بطور سچے مسئلوں کے تسلیم کئے جاتے تھے، یہانتک کہ قرآن کے بیانات کو بھی اُنکے مطابق کیا جاتا تھا۔ البتہ علماء علم کلام نے یونانیوں کے چند مسائل میں ترمیم اور بعض میں اختلاف کیا تھا جنکو وہ صریح مذہب کے برخلاف سمجھتے تھے، اور اُسکے سوا باقی مسائل کو بطور سچ کے تسلیم کرتے تھے۔ آسمانوں کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا جسمیں علماء اسلام نے کچھ تھوڑی ترمیم کی تھی اور اُسکے جسم کروی محیط ارض کے ہونے اور ستاروں کے اُسمیں جڑے ہوئے ہونے اور آسمانوں کے زمین کے گرد چکر کھانے کو ویسا ہی تسلیم کیا تھا جیسا کہ یونانیوں نے بیان کیا تھا۔ اسلیئے تفسیروں میں اور مذہبی کتابوں میں آسمان کے وہی معنی یا اُسکے قریب قریب مروج ہو گئے جو یونانی حکیموں نے بیان کئے تھے، اور بہت بڑی غلطی یہ پڑ گئی کہ لفظ تو لیا قرآن کا اور اُسکے معنے لیئے یونانی حکیموں

؏ فان قال قائل فهل يدل التخصيص على سبع سموات على نفي العدد الزائد قلنا الحق ان تخصيص العدد بالذكر لا يدل على نفي الزائد (تفسیر کبیر)

www.poetrymania.com©

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ	کہ میں زمین میں

کے، اور رفتہ رفتہ وہ معنے ذہن میں ایسے راسخ ہو گئے کہ اُنکا انکار کرنا گویا قرآن کا انکار کرنا ٹھہر گیا، مگر ایسا سمجھنا بناء فاسد علی الفاسد ہے اسلیئے میں ان معنوں سے جو اکثر مفسرین سمجھتے ہیں، انکار کرتا ہوں، اور میں کہتا ہوں کہ جن جن چیزوں پر قرآن مجید میں سماء یا سموات کا اطلاق آیا ہے، وہی معنے سماء و سموات ہم قرار دینگے، نہ وہ معنی جو علماء اسلام نے یونانی حکیموں کی پیروی سے قرار دیئے ہیں ✣

قرآن مجید میں جسکا بیان آسکے ہر ایک موقعہ پر آویگا، اُس وسعت پر بھی سماء کا اطلاق ہوا ہے جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے اور اُس نیلی نیلی چیز پر بھی ہوا ہے جو گنبد سی چھت کے مانند ہر شخص کو اُسکے سر کے اوپر دکھائی دیتی ہے۔ اور اُن چمکتے چمکتے جسموں پر بھی ہوا ہے جنکو ہم ستارے یا کواکب کہتے تھے۔ بادلوں پر بھی ہوا ہے جو مینہ برساتے ہیں، مگر قرآن نے آسمان کے وہ معنے جو یونانی حکیموں نے بیان کیئے ہیں کہیں نہیں تبلائے، اسلیئے ہم اُنسے انکار کرتے ہیں، اور جو معنی قرآن نے بتلائے ہیں اُنھی معنوں میں سے کوئی معنے سماء کے لفظ کے سمجھتے ہیں ✣

اس مقام پر سماء کے لفظ سے وہ وسعت مراد ہے جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے، پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا اُس وسعت کی طرف متوجہ ہوا جو انسان کے سر پر بلند دکھائی دیتی ہے، اور ٹھیک اُسکو سات بلندیاں کر دیں، سات سیارہ کواکب کو ہر کوئی جانتا تھا، عرب کے بدو بھی اُنسے بخوبی واقف تھے، وہ ستارے اوپر تلے دکھائی دیتے ہیں، یعنی ایک سب سے نیچا، دوسرا اُس سے اونچا، اور تیسرا اُس سے اونچا، اور علی ہذا القیاس، اور اُن کواکب کے سبب جو بطور روشن نشانوں کے اُس وسعت مرتفع میں دکھائی دیتے ہیں اُس وسعت

www.poetrymania.com©

اَیک خلیفہ بنانے والا ہوں	خَلِیْفَۃً

کے ساتھ جدا جدا حصے یا درجے یا طبقے ہو جاتے ہیں، پس اسی کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اسکو ٹھیک سات آسمان کر دیئے +

یہ معنی جو ہمنے بیان کیئے اگرچہ لوگوں کو ایک نئی بات معلوم ہوتی ہو گی مگر یہی معنے بعض معتبر مفسروں نے بھی سمجھے ہیں، تفسیر ✝ بیضاوی میں لکھا ہی کہ "سماء سے یہ اجرام علوی (جنمیں کواکب بھی داخل ہیں) مراد ہیں یا اوپر کی طرفیں"، بس انہی مجمل لفظوں کی یہ تفصیل ہے جو ہمنے بیان کی ہے +

(۲۸) [وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ] اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے جو آدم کا قصہ کہلاتا ہے، تمام مفسرین اسکو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا اور فرشتوں میں ہوا، تعالیٰ شانہ عما یقولون +

"ملاک" کے معنے ایلچی یا پیغامچی کے ہیں، عبرانی، یونانی، اور فارسی میں جو لفظ ملک کے لیئے ہیں اُن سبکے معنی بھی ایلچی کے ہیں۔ جو خدا کا پیغام نبیوں کو پہنچاتا ہے، توریت میں بعض جگہ عام ایلچی کے لیئے بھی بولا گیا ہے اور بعض جگہ مذہبی پیشواؤں اور ابر اور ہوا اور وبا کے لیئے، مگر فرشتوں کے وجود کی نسبت لوگوں کے عجیب عجیب خیالات ہیں۔ انسان کی یہ ایک طبعی بات ہے کہ جب کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہو جسکو وہ نہیں جانتا ہو تو خواہ نخواہ اُسکے دل میں اُس مخلوق کے ایک جسمانی جسم متحیز کا جسکے رہنے کی کوئی جگہ بھی ہو خیال جاتا ہے، پھر اُن کے اوصاف پر خیال کرتے کرتے اُنکی ایک صورت جو اُن اوصاف کی مقتضی ہی ہے اُسکے خیال میں قرار پاتی ہے، اور پھر وہ اس بات کو تو بھول جاتا ہی کہ میں اُس مخلوق کو نہیں جانتا، نہ میں نے اُسکو کبھی دیکھا ہے اور یوں جاننے لگتا ہی کہ وہ مخلوق وہی ہے جو میرے خیال میں ہے، اور جب وہ خیال لوگوں میں

✝ والمراد بانتما ہذہ الاجرام العلویۃ او جہات العلو (بیضاوی)

www.poetrymania.com©

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ	بولے کیا تو اسمیں ایسے کو خلیفہ کریگا جو اسمیں فساد کرے اور خون بہاوے،

نسل در نسل چلا آتا ہے، تو ایسا مستحکم ہو جاتا ہے کہ گویا اسمیں شک و شبہ مطلق ہے ہی نہیں، یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے، انکو نوری سمجھکر گورا گورا سفید برف کا رنگ، نوری شمع کی مانند بناہیں، بلور کیسی پنڈلیاں، ہیرے کیسے پاؤں ایک خوبصورت انسان کی شکل، مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے، آسمان انکے رہنے کی جگہہ قرار دی ہے، آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لیئے انکے پر لگائے ہیں، کسی کو شان دار، اور کسی کو غصہ ور و غضبناک، کسی کو کم شان کا، کسی کو صور پھونکتا، کسی کو آتشیں کوڑے سے مینہ برساتا خیال کیا ہے، بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے، تو انکے لیئے نہ جسم مانا ہے، اور نہ انکا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے، اور اسلیئے فرشتوں کی نسبت انسانوں کے دو فرقے ہو گئے ہیں، ایک وہ جو فرشتوں کے وجود اور انکے متحیز ہونے دونوں باتوں کے قائل ہیں، اور ایک وہ کہ انکے متحیز ہونے کے قائل نہیں، بعض بت پرست سمجھتے تھے کہ فرشتے سعد اور نحس کواکب کی روحیں ہیں، مجوسی اور بعض بت پرستوں کا یہ خیال تھا کہ عالم کی ترکیب نور و ظلمت سے ہے، اور نور و ظلمت دونوں موجود حقیقتیں ہیں، مگر آپسمیں مختلف، اور ایک دوسرے کی ضد، نور کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں، مگر نہ اسطرح جیسے کہ انسان او حیوان جنتے جناتے ہیں، بلکہ اسطرح جیسے کہ حکیم سے حکمت اور روشن چیز سے روشنی، اور احمق سے حماقت، نور کی اولاد تو فرشتے ہیں، اور ظلمت کی اولاد شیطان، حکماء عقول ہی پر جنکو انھوں نے تسلیم کیا ہے فرشتہ کا اطلاق کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فرشتے حقیقت موجودہ غیر متحیز ہیں اور انکی حقیقت نفوس انسانی کی حقیقت سے زیادہ تر قوی ہے، اور انسان کی بہ نسبت انکو علم بھی زیادہ ہے، ان میں سے کچھ

www.poetrymania.com©

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ	اور ہم تو تیری تعریف جپتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں ،

تو آسمانوں سے اُس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں جیسیکہ ہمارے بدن سے ہماری روح ، اور کچھ بجز استغراق کے ذات باری میں کسی چیز سے علاقہ نہیں رکھتے اور وہی ملائکہ مقربین ہیں ، اور بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ انکے سوا دو قسمیں اور ہیں ، اور وہ زمین کے فرشتہ ہیں اور دنیا کے امورات کو درست کرتے ہیں ، جو نیک کام کرنیوالے ہیں وہ تو فرشتے ہیں اور جو بدکام کرنیوالے ہیں وہ شیطان ہیں ؛ یہودی فرشتوں کو آدمی کی صورت پر مجسم مانتے تھے ، اور انکو اجسام حقیقی سمجھتے تھے ، البتہ اُنکے جسم کے مادہ کو مثل انسان کے جسم کے مادہ کے نہیں مانتے تھے ، بلکہ یہ کہتے تھے کہ انکا جسم مادۂ غلیظ سے مرکب نہیں ہے ، وہ اپنے تئیں انسانوں کو دکھلا بھی دیتے ہیں اُنسے بات چیت بھی کرتے ہیں اُنکے ساتھ کھانا بھی کھاتے ہیں اور غائب بھی ہو جاتے ہیں ، پھر کوئی اُنکو نہیں دیکھ سکتا ۔ اُنکے کھانا کھانے کے باب میں کہتے ہیں ، کہ ظاہر میں کھاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ، مگر انسانوں کی خوراک نہیں کھاتے ، بلکہ اُنکا کھانا اور ہی کچھ ہے ، یہودیوں میں جو ایک صدوقی فرقہ تھا وہ فرشتوں کا قائل نہ تھا ، عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ فرشتے جسم رکھتے ہیں ، اور مقدس ہیں ، انجیل میں حضرت عیسٰی کو فرشتوں سے برتر کہا گیا ہے ، اور بہشتیوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ فرشتوں کے مانند ہونگے ؎

عرب کے بُت پرست فرشتوں کو ایک مجسم اور متحیز چیز سمجھتے تھے ، اور جانتے تھے کہ وہ کھاتے پیتے نہیں ، اور نہ کچھ بشری ضرورت اُنکو ہے ، وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور زمین پر آتے جاتے ہیں ، وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان بھی فرشتوں کو زمین پر رہتے چلتے پھرتے دیکھ سکتا ہے ، اسی خیال سے وہ آنحضرت صلعم

www.poetrymania.com©

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۸)	کہا میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے (۲۹)

کی نسبت کہا کرتے تھے، کہ اگر وہ پیغمبر ہیں تو اُنکے ساتھ فرشتے کیوں نہیں ہیں؟ عام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بُت پرستوں کا تھا، وہ فرشتوں کو ہوا کی مانند لطیف اجسام سمجھتے ہیں، اور مختلف شکلوں میں بنجانے کی اُن میں قدرت جانتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمان پر رہتے ہیں اور پردار ہیں کہ اُڑ کر زمین پر اُترتے ہیں، اور زمین پر سے اُڑکر آسمان پر چلے جاتے ہیں اور چیلوں کی طرح آسمان اور زمین کے بیچ میں منڈلاتے ہیں، غرضکہ تمام اقوام میں فرشتوں کی نسبت انسانی نقائص سے پاک ہونے کا اور ایک اعلیٰ تقدس کا خیال تھا، اسی خیال کی وجہ سے نیک اور اچھی آدمی کو بھی مجازاً فرشتہ کہتے تھے، جیسیکہ حضرت یوسف کو زلیخا کی سہیلیوں نے کہا۔ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ

میں کہتا ہوں کہ جسطرح انسان سے فروتر مخلوق کا ایک سلسلہ ہم دیکھتے ہیں اُسیطرح انسان سے برتر مخلوق ہونے سے انکار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے شاید کہ ہو، گو وہ کیسی ہی عجیب اور ناقابل یقین ہو۔ مگر ایسی خلقت کے درحقیقت موجود ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اِس بات کا ثبوت کہ ایسی خلقت ہے نہیں ہے، قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ برخلاف اُسکے پایا جاتا ہے، خدا فرماتا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ "، یعنے کافروں نے کہا کہ کیوں نہیں بھیجا پیغمبر کے ساتھ فرشتہ، اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور ڈھیل میں نہ ڈالے جاتے، اور اگر ہم فرشتہ ہی پیغمبر کرتے تو اُسکو آدمی ہی بناتے اور بلا شبہ اُنکو ویسے ہی شبہ میں ڈالتے جیسیکہ اب شبہ میں پڑے ہیں۔ اِس آیت سے پایا جاتا ہے کہ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں، اُنکا ظہور بلا شمول مخلوق موجود کے

www.poetrymania.com©

اور (اللہ نے) آدم کو سارے کے سارے نام بتادیئے	وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

نہیں ہوسکتا، "لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا"، قید احترازی نہیں ہے، اسجگہ انسان بحث میں تھا اسلیئے، "لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا"، فرمایا ورنہ اس سے مراد عالم موجود مخلوق ہے +

ان باریک باتوں پر غور کرنے سے اور اس بات کے سمجھنے سے کہ خدا تعالیٰ جسنے جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کر رکھا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اُنکا کوئی اصلی وجود نہیں ہوسکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوئے کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جنمیں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے پہاڑوں کی صلابت پانی کی رقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت جذب ودفع، غرضکہ تمام قویٰ جنسے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں، وہی ملائک وملائکہ ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے، اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں، جو ہر ایک قسم کی نیکی وبدی میں ظاہر ہوتی ہیں، اور وہی انسان کے فرشتے اور انکی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور اس کی ذریات ہیں +

بعض اکابر اہل اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں، اور امام محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے، شیخ عارف باللہ مؤید الدین ابن محمود المعروف بالجندی نے، جو مریدان خاص شیخ صدر الدین قونوی، مرید امام محی الدین ابن عربی سے ہیں، شرح فصوص الحکم میں فرشتوں کی نسبت بہت بڑی بحث لکھی ہے[1] شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں تمام عالم کو مجموع

[1] قال الشیخ رضی اللہ عنہ فی فصوص الحکم، "وکانت الملٰئکۃ من بعض قوی تلک الصورۃ التی ھی صورۃ العالم المعبر عنہ فی اصطلاح القوم بالانسان الکبیر"، قال الشیخ مؤید الدین ابن محمود الجندی الذی اخذ الطریق من الشیخ صدر الدین قونوی (دیکھو صفحہ ۱۰۱)

www.poetrymania.com©

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝	پھر انکو (یعنی آدم یا انسان کو) فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ مجھکو انکے نام (یعنی وہ حقائق و معارف جو انمیں ہیں) بتاؤ اگر تم سچے ہو (۲۹)

من حیث المجموع انسان کبیر کہتے ہیں، اور انسان کو انسان صغیر۔ مقصود انکا اس اصطلاح سے یہ ہے کہ انسان عالم کی ایک فرد ہے، اور جسقدر قوے انسان میں ہیں وہ جزئیات ہیں، اور جو اسکے کلیات ہیں وہ انسان کبیر ہے، اور فرماتے ہیں، کہ اس عالم یعنے انسان کبیر کے جو قوے ہیں انہی میں

(بقیہ حاشیہ ملائکہ)

وھو عن الشیخ محی الدین ابن العربی صاحب الفصوص: اعلم ان الملئکۃ ھی ارواح القوی القائمۃ بالصور الحسیۃ والارواح النفسیۃ والعقلیۃ القدسیۃ وتسمیتھا ملئکۃ لکونھا روابط وموصلات الاحکام الربانیۃ والاثار الالھیۃ الی العوالم الجسمانیۃ فان الملک فی اللغۃ ھو القوۃ والشدۃ فلما قویت ھذہ الارواح بالانوار الربانی وتأیدت واھتدت بھا وقویت النسب الربانیۃ والاسماء الالھیۃ ایضا علی ایتاء احکامھا واثارھا وایصال انوارھا واظھارھا سمیت ملئکۃ وھم ینقسمون الی علوی روحانی وسفلی طبیعی عنصری مثالی نورانی فمنھم المھیمون منھم المسخرون ومنھم المرادۃ من الاعمال بالاحوال والانفاس الصافون والحافون والعالون الی اخر ما قال، ✦

قال الشیخ رضی اللہ عنہ، فکانت الملئکۃ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ التی فی نشأت الانسان وکل قوۃ منھا محجوبۃ بنفسھا لا تری افضل من ذاتھا، قال الشارح، القوی الحسیۃ التی فی نشأ الانسان ھی التی متعلقاتھا المحسوسات کالابصار والسماع والشم والذوق واللمس وما تحتھا لکلھا من الانواع والشخصیات واما القوی الروحانیۃ فکالمتخیلۃ والمتفکرۃ والحافظۃ والذاکرۃ وکالعاقلۃ الناطقۃ فھذہ القوی الکلیات وشخصاتھا فی حیطۃ الروح النفسانی ومنشأھا ومجاری تصرفاتھا واحکامھا واثارھا الدماغ وکالقوی الطبیعیۃ مثل الجاذبۃ والماسکۃ والھاضمۃ والغاذیۃ والمنمیۃ والمربیۃ والمصورۃ وشخصیاتھا راجعۃ الی الروح الطبعی وکالحلم والعلم والوقار والعناۃ والشجاعۃ والعدالۃ والسیاسۃ والغیرۃ والریاسۃ وغیرھا مما تحتھا من الشخصیات والانواع بالمأثر والمشاکلۃ والمباشرۃ والمنافرۃ عائدۃ الی روح الحیوانی والنفسانی وکما ان ھذہ القوی منبثۃ فی اقطار نشأۃ الانسان وان کان لکل جنس وصنف ونوع من ھذہ القوی محلا مخصصا بما ھو محل ظھور احکامہ واثارہ ومنشأ حقائقہ واسرارہ ولکن حکم جمعیۃ الانسان سار فی الکل بالکل فکذلک العالم الذی ھو الانسان الکبیر فی زعمھم کلیات ھذہ القوی وامھاتھا بجزئیاتھا وانواعھا وشخصیاتھا منتشرۃ ومنبثۃ فی فضاء السموات والارضین وما بینھما وما فیھما من العوالم وتعینات ھذہ القوی والارواح فی کل حال بما یناسبہ ویواخیہ علی الوجہ الذی یلیہ ویطابقہ۔ بما ملائکۃ الامر النازل من حضرات الربوبیۃ ✦

www.poetrymania.com©

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾	بولے توہی برگزیدہ ہے، تونے جوکچھ ہمکو سکھایا ہی اسکے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بیشک توہی جاننے والا حکمت والا ہی (۳۰)

سے بعض کا نام ملائک ہی +

شیخ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قوائے جنکو ملائک کہتے ہیں انسان کبیر یعنے عالم کے لیئے ایسے ہیں جیسے انسان کے لیئے قوی ہیں، شارح کہتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا اور سونگھنا اور چکھنا اور چھونا جو انسان میں ہے، وہ سب انہی قوائے ملکوتی حسیہ کے ماتحت ہیں اور قوت متخیلہ اور متفکرہ اور حافظہ اور ذاکرہ اور عاقلہ و ناطقہ انہی قوائے ملکوتی روحانیہ کے تابع ہیں، اور جاذبہ اور ماسکہ اور ہاضمہ اور غاذیہ اور منمیہ اور مربیہ اور مصورہ انہی قوائے ملکوتی طبعیہ میں داخل ہیں اور حلم اور علم اور وقار اور سمجھ اور شجاعت اور عدالت اور سیاست اور ریاست انہی قوای ملکوتی حیوانیہ میں شامل ہیں، اور یہ تمام قوی آسمان و زمین اور ان کی فضا میں پھیلے ہوئے ہیں +

پس شیخ اور انکے متبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں، ہمارے استنباط اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط میں صرف اتنا فرق ہے، کہ شیخ کے نزدیک تمام قوائے جو اجسام مرئیہ و غیر مرئیہ اور اشیاء محسوسہ غیر محسوسہ میں ہیں وہ جزئیات ہیں اور جو ان کے کلیات ہیں وہ ملائک ہیں، اور یہ جزئیات انکے ذریات، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاشفہ سے ان جزئیات کے کلیات کو جانا ہوگا، مگر چونکہ ہمکو وہ مکاشفہ حاصل نہیں ہے، اسلیئے ہم انھیں قوی کو جنکو شیخ اور انکے متبع ذریات ملائک قرار دیتے ہیں ملائک کہتے ہیں، مطلب ایک ہی صرف لفظوں یا جاننے نجاننے کا پھیر ہے +

شیطان کی + نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف ہی

+ فی القیصری شرح الفصوص فی ذیل بیان ابلیس، قیل ابلیس هو قوة الوهمية لکل تلقی ...مو صفحہ (۵)

www.poetrymania.com©

قَالَ يٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ	کہا ای آدم آنکو (یعنی فرشتونکو) نام (یعنی آنکے) حقائق و معارف (انکو) یعنی فرشتونکو بتادے،

بات لکھی ہے جو ہمنے کہی ہے، اُسمیں لکھا ہے کہ "بعضوں نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنے عالم میں جو قوت وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے، اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ ہے وہی ابلیس کی ذریات ہیں، مگر شارح کہتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے، وہم نہیں، بلکہ نفس اَمّارہ جو انسان میں ہے وہی ذریات ابلیس ہے، خدا نے بھی فرمایا ہے "کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں اُنکو ہم جانتے ہیں"، اور فرمایا ہے کہ نفس ہی بُرائی کرنے کو کہتا ہے"، آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ "سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں میں ہے"، اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ "شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے، اور ٹھیک یہ حالت نفس کی ہے"، غرضکہ تمام محققین اِس بات کے قائل ہیں کہ انہی قوٰے کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس اَمّارہ یا قوائی بہیمیہ تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے +

اگر فرض کریں کہ فرشتے اور شیطان ایک علیحدہ وجود رکھتے ہیں جیسکہ عموماً مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو بھی یہ بات بحث طلب ہے کہ کیا فی الواقع یہ مباحثہ خدا اور فرشتوں میں ہوا تھا؟ کیونکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے خدا سے مباحثہ نہیں کرسکتے، بلکہ اُسکے حکم کو بجا لاتے ہیں، خدا نے فرمایا ہے، "وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

بقیہ شدہ فی العالم الکبیر والقوی الوھمیۃ التی فی الاشخاص الانسانیۃ والحیوانیۃ افرادہا لمعارضتہا مع العقل الھادی طریق الحق وفیہ نظر لان نفس المنطبعۃ ھی الاماّرۃ بالسوء والوھم من سدنتہا وتحت حکمہا لانہا من قواہا فھی اولی بذلک کما قال تعالی ونعلم ما توسوس بہ نفسہ وقال ان النفس لامارۃ بالسوء وقال علیہ السلام اعدا عدوک نفسک التی بین جنبیک وقال علیہ السلام الشیطان یجری من بنی آدم مجری الدم وھذا شان النفس ... +

www.poetrymania.com©

فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پھر جب آدم نے انکے (یعنی فرشتوں کے) نام انکو یعنی فرشتوں کو بتا دیئے (خدا نے) کہا کہ میں تمکو کہتا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی باتوں کو جانتا ہوں

یَعْمَلُوْنَ" یعنے کافروں نے کہا کہ خدا نے بیٹا بیٹی بنائے ہیں حالانکہ وہ اُس سے پاک ہی بلکہ (جنکو وہ بیٹا بیٹی کہتے ہیں وہ) معزز بندے (یعنی عمدہ مخلوق) ہیں خدا کے آگے بڑھکر بات نہیں کرتے اور جو وہ کہتا ہے وہی وہ کرتے ہیں، اِس آیت سے فرشتوں کو مجال مباحثہ خدا سے نہیں معلوم ہوتی۔ پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ فی الواقع فرشتوں نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا ٹنٹا کیا تھا †

اصل یہ ہے کہ اِن آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اُسکے جذبات کو بتلاتا ہے، اور جو قوائے بہیمیہ اُسمیں ہیں اُنکی برائی یا اُنکی دشمنی سے اُسکو آگاہ کرتا ہے، مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کی اور اونٹ چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا اِسلیئے خدا نے انسانی فطرت کی زبان حال سے، آدم و شیطان کے قصے یا خدا اور فرشتوں کے مباحثہ کی طور پر اُس فطرت کو بیان کیا ہے، تاکہ ہر کوئی خواہ اُسکو فطرت کا راز سمجھے، خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ، خواہ شیطان و خدا کا جھگڑا، اصلی مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے، اِسطرح پر عام و خاص سمجھدار و ناسمجھ عالم و جاہل کا یکساں قرآن مجید سے مقصد پانا درحقیقت بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ، خدا نے فرشتوں سے کہا کہ، آؤ ہم آدمی کو اپنی صورت پر بنا دیں،، یہ مضمون مسلمان مفسروں کے دل میں تھا، اور وہ اُسکو مثل یہودیوں کے ایسا ہی سمجھ رہے تھے جیسے کہ ایک آدمی سے ایک آدمی بات کرتا ہے،، اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ،، کو بھی اُنھوں نے ویسا ہی سمجھا اور آدم و شیطان کا قصہ بنا لیا ورنہ وہ صرف انسان کی فطرت کا زبان حال سے بیان ہے ؛

† سورہ انبیاء (آیت ۲۶ و ۲۷)

www.poetrymania.com©

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾	اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اُسکو بھی جانتا ہوں (۳۳)

اسطرح مخلوق کی زبان حال سے سوال و جواب میں مطالب کا بیان اور جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے، خدا نے زمین کی زبان حال سے حکایتاً فرمایا کہ جب ہمنے † آسمان و زمین سے کہا کہ تم دونوں خواہ نخواہ حاضر ہو دونوں نے کہا کہ ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔ اور جہنم کی نسبت فرمایا ‡ کہ جسدن ہم جہنم کو کہینگے کہ تو بھر گئی؟ تو وہ کہیگی کہ ہے اس سے زیادہ اور بھی؟ پس اِن آیتوں میں خدا تعالیٰ نے ایسی چیزوں کی زبان حال سے جو گویا نہیں ہیں، سوال و جواب کے طور پر اُنکی فطرت کو جسطرح کہ انسان کے خیال میں آسکتی ہے بیان کیا ہے +

قصہ یا حکایت کئی طرح پر بیان کیجاتی ہے، اور وہ بیان بالکل سچ ہوتا ہے کبھی ایک واقعہ کا بیان کیا جاتا ہے جو درحقیقت واقع ہو چکا ہے، مثلاً زید نے عمرو سے ٹکرا کی اور آخرکار زید نے عمرو کو مار ڈالا، پس اِس واقعہ کا بیان کرنا ایک ایسے قصہ اور واقعہ کا بیان کرنا ہے جو واقع ہو چکا ہے، اور وہ بیان بالکل سچ ہے اور کبھی اُن واقعات کا بیان کیا جاتا ہے جو انسان خواب میں دیکھتا ہے جسمیں عجیب واقعات پیش آتے ہیں، اُن واقعات کا بیان کرنا بھی باوجودیکہ اُنمیں سے ایک بھی بجز خیال کے ظاہر میں واقع نہیں ہوا، بالکل سچا بیان ہے، بشرطیکہ صراحتاً یا اشارتاً یا کنایتہً یا قرینہ سے یا کسی کلام ماسبق سے یا طرز کلام سے پایا جاوے کہ یہ بیان اُن واقعات کا ہے جو خواب میں دیکھے ہیں۔ اور کبھی کسی کی حالت سے جو امور مترشح ہوتے ہیں، اُس حالت کو بطور ایک متکلم کے قرار دیکر اُسکی زبان سے قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بیان اگر خلاف اُس حالت کے ہو جسکو بطور متکلم کے قرار دیا ہے

† ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین ﴿سورہ حم سجدہ آیت ۱۰﴾

‡ یوم نقول لجھنم ھل امتلئت وتقول ھل من مزید ﴿سورہ ق آیت ۲۹﴾

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ	اور جب ہمنے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو انھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے،

قرار دیا ہے تو وہ قصہ جھوٹا ہے، اور قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی قصہ نہیں ہے اور اگر وہ حالت آسچیز میں فرض کر لی گئی ہے، اور اُس حالت مفروضہ کو متکلم قرار دیکر قصہ بیان کیا گیا ہے، تو وہ صرف ایک شاعرانہ مضمون ہے، اور اگر وہ حالت واقعی اور صحیح ہے، اور بیان بھی اُس حالت کے مطابق ہے، تو وہ بیان بھی بالکل سچ اور درست ہے، کیونکہ اُس بیان کا منشا، یہ نہیں ہوتا، کہ زمین بولی تھی اور آسمان پکارا تھا اور دوزخ چلائی تھی، بلکہ کسی فائدہ کے لیئے صرف اُس حالت کی کیفیت کا اظہار مطلوب ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تمام حکایتیں جو کسی کی زبان حال سے تعبیر کیگئی ہیں سب ایسی ہی ہیں اور اسلیئے بالکل سچ ہیں ❖

امثال کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی ایک ایسی بات کی مثال دیجاتی ہے جو درحقیقت واقع ہو چکی ہے، اور کبھی ایک ایسی بات کی بھی مثال دیجاتی ہے جو صرف فرضی ہے، اور کبھی واقع نہیں ہوئی، مگر اُسکی مثال دینی نہ غلط ہوتی ہے نہ جھوٹ، قرآن مجید جو انسان کی زبان میں، اور انسان کے محاورہ بول چال میں، نازل ہوا ہے۔ اور جس میں بہت سی ایسی بھی باتیں ہیں جو ہمارے تجربہ و مشاہدہ سے بالاتر ہیں، اِسلیئے اُن مطالب کو طرح طرح کی مثالوں اور حکایتوں سے بیان کیا ہے، قرآن مجید پر غور کرتے وقت اُن چیزوں کا خیال نہ رکھنا، اور تمام تمثیلوں اور حکایتوں کو یوں قرار دینا، کہ یہ یوں ہی واقع ہو چکی ہیں، تفسیر القرآن بما لا یرضی قائلہ میں واخل ہے، صاحب تفسیر کشف الاسرار نے اسی آیت کی بحث میں جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں اسی مطلب کی طرف اپنی ✢ تفسیر میں اشارہ کیا ہے

✢ "قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک" المعنی ان اللہ تعالی اخبر فی کتابہ العزیز بما یجب ان ینتفع بہ من الاخبار و من احوال العالم الی آخرہ و لم لم یکن بنا الی علمہا، و ان یعلمنا سبیل الاضرب و مثال الامثال منتقسم الی قسمین احدہا نوضعہ

www.poetrymania.com©

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (۳۴)	انکار کیا اور تکبر کیا، اور وہ کافروں میں سے تھا (۳۴)

(وعلم آدم الاسماء) ،، علّم ،، کے لفظ سے علماء محققین نے پڑھانا یا سکھانا یعنے تعلیم کرنا مراد نہیں لیا ہی، بلکہ انسان میں اُن قوٰے کا مخلوق کرنا مراد لیا، جنسے انسان تمام چیزوں کو جانتا اور سمجھتا اور خیال کرتا اور سوچتا اور نئی باتیں ظاہر کرتا اور چند باتوں کے ملانے سے ایک نتیجہ نکالتا ہے ‡ بیضاوی میں لکھا ہی کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں، کہ ،، اللہ تعالیٰ نے آدم کو مختلف اجزا اور متبائن قوتوں سے پیدا کیا تھا جو طرح طرح کے معقولات اور محسوسات اور متخیلات اور متوہمات کے جاننے کے لائق تھیں، اور حقائق اشیاء اور انکے خواص اور اُن کے اسماء اور علوم کے اصول اور صنایع کے قواعد اور اُنکے آلات کی کیفیت اُسکے دل میں ڈالی تھی ،، پس جو چیزیں کہ فطرت انسانی میں ہیں اُنھیں کو خدا تعالیٰ نے تعلیم کرنیکے لفظ سے تعبیر کیا ہے ٭

،، آدم ،، کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہی جسکو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں، بلکہ اُس سے نوع انسانی مراد ہے، جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے ،، وما المقصود بآدم آدم وحدہ ،، اور خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ،، لَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ،، پس ،، کُمْ ،، کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہی اور آدم سے بنی آدم یعنی نوع انسان مراد ہیں ٭

،، اسماء ،، کے لفظ کے معنی اکثر مفسرین نے وہ سمجھے ہیں جسکو ہم نام کہتے ہیں جیسے

تقیہ نیت المتکلم ان یکن وقع فی الوجود والآخر قد کان فی الوجود وجری فالاولیٰ ان تضرب الامثال لما وقع فی الوجود ولنعلم من ذلک مثله لا بمجرد الحکایة عما وقع - فهذا الکتاب یشتمل علی الامثال التی یحتاج الی علمها الانسان من اول ابداعه الی آخر رجعه الی الله سبحانه - والمراد بالامثال ما یستقر بالامثال فی النفوس من الهیات ولهذا قال لقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل فافهم (تفسیر شیخ اکبر)

‡ والمعنی انه تعالیٰ خلقه من اجزاء مختلفة وقوی متباینة مستعدا لادراک انواع المدرکات من المعقولات والمحسوسات والمتخیلات والموهومات والهمه معرفة ذوات الاشیاء وخواصها واسمائها واصول العلم وقوانین الصناعة وکیفیة آلاتها (بیضاوی)

www.poetrymania.com©

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ	اور ہمنے آدم سے کہا کہ بس تو اپنے جوڑی سمیت جنت میں

گھوڑا، گدھا، ٹٹو یا کلو بھتو، جھو، مگر یہ ٹھیک نہیں ہے بیضاوی نے اسما کی تفسیر میں اسکے اشتقاقی † معنے مراد لیئے ہیں پس "علم ادم الاسماء" سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے تھے جو درحقیقت اس وقت خارج میں موجود بھی نہ تھیں، بلکہ جو قوی اسمیں پیدا کیئے ہیں، اور جنکے سبب اسکا ذہن ایک نشان یا دلیل سے دوسری طرف منتقل ہوتا ہے، اور نتیجہ پیدا کرتا ہے، اسکو اسماء کے لفظ سے بیان کیا ہے، اور چونکہ یہ قوی ایسے تھے جنسے انسان تمام چیزوں، محسوسات و معقولات کو جان سکتا ہے، اسی لیئے "کلہا" کے لفظ سے اسکی تاکید کی ہے، جس سے اس بات کا اشارہ ہے کہ تمام چیزوں کے جاننے کا مادہ انسان میں ودیعت کیا گیا ہے، ان قوے کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اسمیں بڑا دقیقہ یہ ہے، کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو نہیں جانتا جو کچھ وہ جانتا ہے وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں پس "عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" کہنا بالکل انسان کی فطرت کے مطابق اور اسکے بیان کے نہایت ہی مناسب ہے ‡

تفسیر کشف الاسرار ‡ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت اور عمدگی سے بیان کیا ہے کہ ہر شے کا علم بالقوہ جو انسان کی فطرت میں ہے اسی کو "علم ادم الاسماء" سے تعبیر کیا ہے۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے، کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں ایسے قوی پیدا کیئے ہیں، جنسے ہر ایک چیز کو سمجھ سکتا ہے، اور دلیل سے نتیجہ کو حاصل کر سکتا ہے

† والاسم باعتبار الاشتقاق ما يكون علامة للشيء ودليلا يرفعه الى الذهن من الالفاظ والصفات والافعال (بیضاوی)

‡ اعلم ان الله جل اسمه وحده ادم ما يحتاج اليه من كون خلقه على ما هو عليه من القوة التي خلقه وجعله اهلا من العقل واشبهه ومن ثمة التوجه ما يجب لكل مسمى من اسم وقد علمت ان كل منطوق به اسم فعلمه على الاجمال معه وهذا العلم في جبلة ذريته موجود بمنه على كل شيء بالقوة وكانه برزاخ الجبلة فلا انحصار كل شيء بالفعل، علم الانسان ما لم يعلم - فتظهر من هذا العلم في كل زمن وقوم بحسب ما اراد الله (تفسیر کشف الاسرار)

www.poetrymania.com©

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾	اور اسمیں سے دل بھر کر کھاؤ جہاں سے چاہو اور اس درخت کے پاس مت جاؤ نہیں تو تم ظالموں میں ہو گے (۳۵)

،،عرضہم،، میں جو ضمیر جمع مذکر کی ہے اُسکا مرجع اوپر مذکور نہیں ہے، اسلیئے تمام مفسرین نے اسما، کے لفظ سے جو ضمناً اُسکے مسمیات سمجھ میں آتے ہیں؛ اُس طرف اس ضمیر کو راجع کیا ہے، پھر یہ مشکل پیش آئی ہے کہ اُسکے لیئے ضمیر مونث کا ہونا چاہیئے تھا، نہ ضمیر جمع مذکر کا۔ اس کا حل صاحب تفسیر بیضاوی نے یہ کیا ہے، کہ مسمیات میں ذوی العقول وغیر ذوی العقول سب شامل تھے، اسلیئے تغلیباً ضمیر جمع مذکر کی جو ذوی العقول کے لیئے مخصوص ہے لائی گئی ہے؛

مگر میرے نزدیک ،،ھم،، کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے جو ضمناً لفظ آدم سے سمجھے جاتے ہیں، ہمنے ابھی بتایا ہے کہ آدم سے شخص خاص مراد نہیں ہے؛ بلکہ انسان مراد ہے، اور ایسقام پر افراد انسانی کا موجود ہونا بھی تسلیم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ صرف اُسکی فطرت کا بیان کرنا تسلیم ہوا ہے، اور اسلیئے ضمیر جمع مذکر غائب کا اُسکے لیئے لانا بالکل صحیح تھا گویا خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اُسکی ذریات میں ودیعت کر کر تنزلاً فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتاؤ گے انسان ہی میں جو کچھ ودیعت کیا گیا ہے اُسی کو بتلا دو جب وہ عاجز لائے تو خدا نے انسان سے کہا کہ تو اُن حقائق و معارف کو جو فرشتوں میں ہیں بتلا دے اس آیت میں جو ،،ھم،، کی ضمیر ہے وہ انسان کی طرف راجع ہے اور ،،انبئہم،، اور ،،اسمائہم،، میں جو ،،ھم،، کی ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے؛

اس قصہ میں جو سجدہ کا لفظ آیا ہے اُسکے معنی زمین پر سر ٹیکنے کے نہیں ہیں بلکہ اطاعت اور فرمانبرداری یا تذلل کے ہیں، سجدہ کے لفظ کو ان معنوں میں

www.poetrymania.com©

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ	پھر شیطان نے اُنکو اُس سے ڈگمگا دیا پھر اُن دونوں کو اس سے جس میں وہ تھے نکلوایا،

مستعمل ہونے کے ثبوت میں بیضاوی نے دو شعر نقل کئے ہیں، پہلا شعر یہ ہے -

بجمع تضل البلق فی حجراته + تری الاکم فیه سجدا للحوافر

یہ شعر زید الخیل الطائی کا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہی کہ ٹیلے و جنگل اُسکے گھوڑوں کی ٹاپوں کو سجدہ کرتے ہیں، یعنی ٹاپوں کے نیچے ذلیل ہوتے ہیں اور روندے جاتے ہیں، دوسرا شعر یہ ہے +

فقلن لها بها ابا خطامه + وقلن له اسجد لليلى فاسجد

یہہ شعر حمید ابن ثور الهلالی کا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ کیسا ہی وحشی و شریر اونٹ لیلیٰ کے سامنے لیجاتی ہیں اور لیلیٰ کی سہیلیاں اُسکو کہیں کہ لیلیٰ کو سجدہ کر تو سجدہ کرتا ہے یعنی گردن ڈالکر تابعداری کرتا ہے +

تین لفظ اس قصہ میں اور ہیں، جنت، شجر، ہبوط، علماء اسلام نے اُسکے بیان میں عجیب باتیں کی ہیں، جو لوگ کہ صرف لفظوں ہی پر چلتے ہیں اُنھوں نے تو جنت کو ایک خیالی بہشت عالم بالا پر مان لیا، اور درخت سے بھی سچ مچ کا کوئی درخت (گیہوں کا یا انگور کا یا انجیر کا) اور، ہبوط، سے عالم بالا سے زمین پر گرنا +

توریت میں بھی یہ قصہ نہایت عمدگی و لطافت سے بیان کیا گیا ہے، اُسمیں جنت سے ایک باغ کا دنیا میں آدم کے لیئے لگانا، اور اُسمیں دو درختوں کا ہونا جنکے کھانے سے آدم کو منع کیا تھا، ایک درخت، علم خیر و شر، اور دوسرا درخت، حیات، بیان ہوا ہے۔ یہودی اور عیسائیوں نے بھی توریت کے بیان لطیف کو نہایت ابتر و خراب طرح پر بیان کیا ہی، اور یہ سمجھے ہیں کہ درحقیقت خدا نے عدن میں ایک باغ اُگایا تھا، اور اُسمیں سچ مچ کے دو درخت تھے، ایک کی یہ تاثیر تھی کہ اُسکے کھانے سے علم خیر و شر آجاتا ہے، جیسے سقمونیا کے کھانے سے دست آجاتے ہیں، اور دوسرے کا پھل امرت پھل ہے، جسکے کھانے سے

www.poetrymania.com©

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ	اور ہم نے اُن کو کہا کہ اس میں سے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو،

آدمی کبھی نہیں مرتا۔ پس بہت سے علماء اسلام نے جنکو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنیکی عادت پڑ گئی ہے، اُنکی پیروی کی اُنھوں نے کہا کہ یہ جنت زمین پر تھی اور ہبوط سے اُنھوں نے جنت سے باہر نکالدینے کے معنی لیئے، معتزلہ نے اُسکی جگہ بھی بتاوی کہ فلسطین میں یا فارس و کرمان کے بیچ میں تھی، اور بعضوں نے کہا کہ سدرۃ المنتہٰی بھی زمین ہی پر تھا †

مگر ہم ان معنوں میں سے کسی کو تسلیم نہیں کرتے ہم شروع ہی سے اس قصہ کو ایک واقعی قصہ نہیں سمجھتے، بلکہ صرف انسانی فطرت کا اُس فطرت کی زبان حال سے بیان قرار دیتے ہیں، پس انسان کا جنت میں رہنا اُسکی فطرت کی ایک حالت کا بیان ہے جبتک کہ وہ مکلّف کسی امر و نہی کا نتھا۔ للّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ۔

طفلی و دامان مادر خوش بہشتی بودہ است + چوں بپای خود رواں گشتیم سرگرداں شدیم

اور اُسکا شجر منوعہ کے پاس جانا یا اُسکا پھل کھانا اُسکی فطرت کی اُس حالت کا بیان ہے جبکہ وہ اوامر و نواہی کا مکلّف ہوا، اور ہبوط سے اُسکی فطرت کے اُس حالت کا تبدیل ہونا مراد ہے جبکہ وہ غیر مکلّف سے مکلّف ہوا، ہبوط ‡ کے لفظ کا استعمال صرف انتقال مکان ہی پر مختص نہیں ہے ‡

اس بات کا ذکر کہ خدا نے کس چیز سے آدم کو یا تمام زمین پر چلنے والے جانداروں کو پیدا کیا متعدد لفظوں سے قرآن میں آیا ہے، ایک جگہ فرمایا ہے، ،، اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ،، ایک جگہ فرمایا ہے ،، خَلَقْتَهٗ مِنْ تُرَابٍ ،، اور ایک جگہ فرمایا ہے ،، مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ،، ایک جگہ فرمایا ہے ،، هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا ،، ایک جگہ فرمایا ہے ،، خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنَ الْمَآءِ ،، ایک جگہ فرمایا ہے ،، وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ،،

† قال ابو القاسم البلخی و ابو مسلم الاصفہانی ہٰذہ الجنۃ فی الارض وحمل الاہباط علی الانتقال من بقعۃ الی بقعۃ کما فی قولہ تعالٰی اِہْبِطُوْا مِصْرًا (تفسیر کبیر سورہ بقر آیت ۲۵)

وقال المعتزلۃ انہا بستان کان بارض فلسطین او بین الفارس و الکرمان خلقہ اللہ تعالٰی امتحانا لآدم (بیضاوی سورہ بقر آیت ۲۵)

قال القاضی ان سدرۃ المنتہی فی الارض سمیت بہا لان علم الملک ینتہی الیہا (مرقاۃ)

‡ ہبط ثمن السلعۃ ہبوطا نقص وہبطہ الا ہبطا (قاموس)

www.poetrymania.com©

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٤﴾	اور تمکو زمین میں ایک مدت تک ٹھیرنا اور کمانا ہے (٣٤)

"تراب" کے معنی مٹی کے ہیں، "طین" کے معنی گارے کے ہیں "صلصال" کے معنی رتیلے گارے کے ہیں، اور "حمأ مسنون" اُس بدبو کیچڑ کو کہتے ہیں جو پانی کی نیچے بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ "الماء" کا لفظ تین جگہ آیا ہے "خلق کل دابة من الماء" اور "جعلنا من الماء کل شیء حی" ان دونوں مقام میں جو لفظ "الماء" ہے اُس سے تو نطفہ مراد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ دابہ کے پہلے جو لفظ "کل" ہے اسمیں تمام دابہ جو زمین پر چلتے ہیں داخل ہیں، چنانچہ خود قرآن میں اسکی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ "منہم من یمشی علی بطنه ومنہم من یمشی علی رجلین ومنہم من یمشی علی اربع" اور بہت سے دابہ ایسے ہیں جو نطفے سے پیدا نہیں ہوتے اور "من الماء بشرا" میں جو لفظ "ماء" ہے اُس سے بھی نطفہ مراد نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ یہان بیان انسان کی اول خلقت کا ہے؛ اور خلقت اول انسان کی نطفہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ اُس سے دریا یا سمندر کا پانی مراد ہے، اور دلیل اسکی یہ ہے کہ اسی آیت کے اوپر خدا نے فرمایا ہے "هو الذی مرج البحرین هذا عذب فرات وهذا ملح اجاج وجعل بینهما برزخا وحجرا محجورا" اسکے بعد فرماتا ہے "وهو الذی خلق من الماء بشرا" پس الماء میں جو الف لام ہے وہ صاف اُسی پانی کی طرف اشارہ کرتا ہے جسکا اوپر بیان ہے † بیضاوی نے بھی بطور قول مرجح اسی بات کو اختیار کیا ہے اور پانی سے وہی پانی مراد لیا ہے، پس اِن تمام آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام چیزوں کی ترکیب کیمیاوی سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اُس سے انسان مخلوق ہوا ہے ✤

دو چیزوں کا آپسمیں مرکب ہونا دو طرح پر ہوتا ہے، ایک اسطرح پر کہ ظاہر میں اُن

† خلق من الماء بشرا یعنی الذی خمر به طینة آدم او جعله جزءا من مادة البشر لتجتمع وتسلسل وتقبل الاشکال والهیئات بسهولة (بیضاوی)

www.poetrymania.com©

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ	پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمے سیکھے پھر (خدا نے) اُسکو معاف کیا،

دونوں کے اجسام ملگئے اور دیر کے بعد پھر جدا ہوگئے، مثلاً ہم ایک بوتل میں پانی اور نہایت باریک ریت ڈالیں اور بوتل کو خوب ہلا دیں تو ریت اور پانی بالکل ملجاویگا، مگر جب تھوڑی دیر رکھدیں تو ریت الگ اور پانی الگ ہوجاویگا۔ یا ہم مٹی میں پانی ڈالکر اسکو گارا بنا دیں تو مٹی اور پانی ملجاویگا، مگر جب رہنے دیں تو پانی ہوا ہوکر نکلجاویگا اور نری مٹی رہجاویگی، اسطرح پر دو چیزوں کا مرکب ہونا درحقیقت حقیقی ترکیب نہیں ہے ✦

اور ترکیب کیمیاوی یہ ہے کہ دو چیزیں آپسمیں اسطرح پر ملیں کہ از خود جدا نہو سکیں، بلکہ وہ دونوں ملکر ایک تیسری چیز بنجاوے۔ پس ،،تراب،، اور ،،طین،، اور ،،صلصال،، اور ،،حمأ مسنون،، اور ،،ماء،، کی ترکیب کیمیاوی سے جو چیز پیدا ہوتی ہے، اُس سے انسان پیدا ہوا ہے، وہ چیز غالباً وہ ہے جو سطح آب پر جمع ہوجاتی ہے، اور نہ وہ مٹی ہوتی ہے نہ ریت نہ گارا نہ کیچڑ بلکہ اُن سب کی ترکیب کیمیاوی سے ایک اور ہی چیز بنجاتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اُسی سے تمام جاندار، انسان و حیوان، مخلوق ہوئے ہیں، اور یہی بات قرآن سے پائی جاتی ہے ✦

قرآن مجید میں آدم کا قصہ آٹھ جگہ آیا ہے، سورۂ بقر، سورۂ آل عمران، سورۂ اعراف، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورۂ طٰہٰ، سورۂ ص، میں، کسی جگہ کوئی مضمون بیان ہوا ہے، کسی جگہ کوئی، کسی جگہ اجمال ہے، کسی جگہ تفصیل، کسی جگہ ایک مضمون کو کسی لفظ سے ظاہر کیا ہے، دوسری جگہ کسی لفظ سے، مگر سب کا نتیجہ یا مقصد متحد ہے، ہم حاشیہ پر ✦ اِن آٹھوں جگہ کی آیتوں کو اسطرح پر جمع کرتے ہیں

✦ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ	✦ اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں بولے کیا تو اُسمیں ایسے کو خلیفہ کریگا جو اُسمیں فساد کرے اور خون بہاوے اور

www.poetrymania.com©

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۵﴾ بیشک وہی بڑا معاف کرنیوالا بڑا مہربان ہے (۳۵)

جسمیں تمام مضمون اور الفاظ ایک جگہ سلسلہ وار جمع ہوجاویں اور اُسکے مقابل میں اُنکا ترجمہ بھی اُسی سلسلہ سے لکھتے ہیں تاکہ کل قصہ اُنہی الفاظ میں جو قرآن میں آئے ہیں ایک جگہ ہوجاوے، اور پھر اپنی سمجھ کے موافق جو ہمنے قرآن کا مطلب سمجھا ہے اُسی قصہ کو

نحن نسبح بحمدك ونقدس لك قال
انی اعلم ما لا تعلمون (سورہ بقر) انی خالق
بشرا من طین (ص) من تراب (آل عمران) من
صلصال من حما مسنون (الحجر) وعلم آدم
الاسماء كلها ثم عرضهم على الملئكة فقال انبئونی
باسماء هؤلاء ان كنتم صدقين قالوا سبحنك
لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم
قال یآدم انبئهم باسمائهم فلما انباهم باسمائهم قال
الم اقل لكم انی اعلم غيب السموت والارض
واعلم ما تبدون وما كنتم تكتمون (بقر) و
لقد خلقناكم ثم صورناكم ثم قلنا للملئكة
اسجدوا لآدم (سورہ اعراف) فاذا سويته ونفخت
فيه من روحی فقعوا له سجدين (الحجر) فسجد
الملئكة كلهم اجمعون (الحجر) الا ابليس
لم يكن من السجدين (اعراف) كان من الجن
ففسق عن امر ربه (الكهف) ابى ان يكون مع
السجدين (الحجر) واستكبر وكان من الكفرين
(بقر) قال يا ابليس ما لك الا تكون مع السجدين
(الحجر) ما منعك ان تسجد لما خلقت بيدی
استكبرت ام كنت من العالين (ص) ما
منعك الا تسجد اذ امرتك (اعراف) قال
ءاسجد لمن خلقت طينا (بنی اسرائیل) لم اكن
لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حما
مسنون (الحجر) انا خير منه خلقتنی من نار
وخلقته من طين (اعراف) قال فاهبط منها فما يكون
لك ان تتكبر فيها فاخرج منها مذءوما مدحورا
(اعراف)

ہم تو تیری تعریف جپتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں کہا میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ میں پیدا کرنیوالا ہوں ایک آدمی گارے، مٹی ریتیلے گارے اور بدبودار سے اللہ نے آدم کو سب نام سکھا دیئے پھر انکو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ مجھکو انکے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو بولے تو ہی برگزیدہ ہے تونے جو کچھ ہمکو سکھا یا ہے اُسکے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بیشک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہی کہا اے آدم ان کے نام ان کو بتا دے پھر جب آدم نے اُنکے نام اُنکو بتا دیئے خدا نے کہا میں تمکو کہتا تھا کہ میں آسمانوں کی اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اُسکو بھی جانتا ہوں۔ بیشک ہمنے تمکو پیدا کیا اور تمہاری صورت بنائی پھر ہمنے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ جب میں اُسکو ٹھیک کر چکوں اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اُسکو سجدہ کرتے ہوئے جھک پڑو۔ پھر سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نہیں کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں نہ تھا وہ جن میں سے تھا پس نافرمانی کی اُسنے اپنے پروردگار کی سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا خدا نے کہا اے ابلیس کیوں تو سجدہ کرنیوالوں کے ساتھ نہوا کس چیز نے تجھکو منع کیا کہ تو سجدہ کرے اُسکو جسکو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا تکبر کیا تونے یا تو بڑوں میں ہے کس بات نے تجھکو روکا کہ میرے حکم کرنے پر بھی تو سجدہ نکرے۔ ابلیس نے کہا کیا میں ایسے کو سجدہ کروں جسے تونے گارے سے پیدا کیا ہے میں ایسا نہیں ہوں کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تونے سڑی مٹی سے بنایا ہے میں اُس سے بہتر ہوں مجھکو تونے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسکو مٹی سے بنایا ہے خدا نے کہا پھر یہاں سے نکل تیرے لئے یہ نہیں کہ تو یہاں تکبر کرے پس نکل جا بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے خدا نے کہا کہ دور ہو یہاں سے تجھکو نہیں چاہئے کہ یہاں تکبر کرے نکل ذلیل و خوار ہوکر نکل

www.poetrymania.com©

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا	ہمنے اُنکو کہا اسمیں سے تم سب اُترو،

بیان کرتے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والے بخوبی دونوں بیانوں کا مقابلہ کرسکیں +
اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں، ایک خدا، دوسرے فرشتے،
(یعنی قوائے ملکوتی) تیسرے ابلیس یا شیطان (یعنے قوائے بہیمی) چوتھے آدم،
(یعنی انسان جو مجموعہ اُن قوائے کا ہی اور جسمیں عورت و مرد دونوں شامل ہیں) مقصود

فانك رجيم ان عليك اللعنة الى يوم الدين (الحجر) انك من الصٰغرين قال انظرني الى يوم يبعثون قال انك من المنظرين (اعراف) الى يوم الوقت المعلوم قال رب بما اغويتني لازينن لهم في الارض (الحجر) فبعزتك لاغوينهم اجمعين (ص) لاقعدن لهم صراطك المستقيم ثم لاٰتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اكثرهم شاكرين (اعراف) قال ارءيتك هٰذا الذي كرمت علي لئن اخرتن الى يوم القيٰمة لاحتنكن ذريته الا قليلا (بني اسرائيل) الا عبادك منهم المخلصين قال هٰذا صراط علي مستقيم (الحجر) قال فالحق والحق اقول (ص) لمن تبعك منهم لاملئن جهنم (اعراف) منك وممن تبعك منهم اجمعين (ص) اذهب فمن تبعك منهم فان جهنم جزاؤكم جزاء موفورا واستفزز من استطعت منهم بصوتك واجلب عليهم بخيلك ورجلك وشاركهم في الاموال والاولاد وعدهم وما يعدهم الشيطٰن الا غرورا (بني اسرائيل)

بیشک تو مردود ہے اور بیشک تجھپر قیامت تک لعنت رہیگی بیشک تو ذلیلوں میں ہے ابلیس نے کہا کہ قیامت تک مواخذہ نہونے کی مجھے مہلت دے خدا نے کہا تجھکو مہلت دی گئی وقت معین تک ابلیس نے کہا کہ اے پروردگار مجھکو تیرے بہکانے ہی کی قسم میں دنیا میں بُری باتوں کو انھیں اچھی کر دکھاؤنگا اور قسم ہے تیری عزت کی اُن سب کو بہکاؤنگا اور اُنکے لیئے تیرے سیدھے رستہ کی راہ ماری کرنے کو گھات میں بیٹھونگا پھر اُنکے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور اُنکے داہنے سے اور اُنکے بائیں سے اُنپر آن پڑونگا اور تو اُن میں سے بہتوں کو شکر کرنیوالا نپاویگا ابلیس نے کہا کہ مجھے بتا کہ کیوں اس شخص کو مجھپر بزرگی دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو اس شخص کی اولاد کو بجز چند کے جڑ پیڑ سے اُکھاڑ دونگا بجز تیرے خالص بندوں کے جو اُنمیں ہوں خدا نے کہا کہ خالص بندہ ہونا ہی میرے تک پہنچنے کا سیدھا رستہ ہے خدا نے کہا کہ سچ بات یہ ہے اور سچ ہی کہتا ہوں جو لوگ اُنمیں سے تیری پیروی کرینگے بیشک بھرونگا جہنم کو تجھ سے اور اُن سب سے جنھوں نے اُنمیں سے تیری پیروی کی جا پھر جو کوئی اُنمیں سے تیری پیروی کریگا تو بیشک جہنم تمھاری سزا ہوگی پوری سزا بہکا اُن میں سے جسکو بہکا سکے اپنی آواز سے اور چڑھ جا اُنپر اپنے سوار و پیدل لیکر اور حصہ بانٹ لے اُنکے مال میں اور اولاد میں اور اُن سے وعدہ کرلے اور کوئی وعدہ اُن سے شیطان نہیں کرنے کا بجز دھوکے کے

www.poetrymania.com©

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ	جب میری طرف سے تمھارے پاس کوئی ہدایت پہنچے پھر جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے

قصہ کا انسانی فطرت کی زبان حال سے انسان کی فطرت کا بیان کرتا ہے - خدا جو سب کا پیدا کرنیوالا ہے، گویا قوائے ملکوتی کو مخاطب کرکر فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے کو ہوں، مگر وہی میرا نائب ہونے کے لائق ہے

ان عبادی لیس لك علیھم سلطان الا من اتبعك من الغاوین (الحجر) وکفی بربك وکیلا (بنی اسرائیل) وقلنا (بقر) یآدم اسکن انت وزوجك الجنة فکلا (اعراف) منھا رغدا (بقر) حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین (اعراف) فقلنا یآدم ان ھذا عدو لك ولزوجك فلا یخرجنکما من الجنة فتشقی ان لك الا تجوع فیھا ولا تعری وانك لا تظمؤا فیھا ولا تضحی (طہ) فوسوس لھما الشیطن لیبدی لھما ما وری عنھما من سوآتھما (اعراف) قال یآدم ھل ادلك علی شجرۃ الخلد وملك لا یبلی (طہ) وقال ما نھکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخلدین وقاسمھما انی لکما لمن النصحین فدلھما بغرور فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سوآتھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنة (اعراف) ونادٰھما ربھما الم انھکما عن تلکما الشجرۃ واقل لکما ان الشیطن لکما عدو مبین (اعراف) فازلھما الشیطن عنھا فاخرجھما مما کانا فیه وقلنا اھبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین (بقر) قال فیھا تحیون

بے شک میرے بندوں پر تجھکو کچھ غلبہ نہیں ہے بجز ان گمراہوں کے جنھوں نے تیری پیروی کی اور اے پیغمبر تیرا خدا اُن کی کارسازی کے لیئے کافی ہے خدا نے کہا اے آدم تو اور تیرا جوڑا جنت میں رہ اور کھاؤ اُسمیں سے پیٹ بھر کر جہاں سے تم چاہو اور اس درخت کے پاس مت جاؤ اگر جاؤگے تو ظالموں میں سے ہوگے - خدا نے کہا اے آدم یہ ابلیس بیشک تیرا اور تیرے جوڑے کا دشمن ہے یہ تمکو جنت میں سے نہ نکالدے کہ تم بد بخت ہو جاؤ یہاں تو تم نہ بھوکے ہوگے نہ ننگے ہوگے نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں جلوگے - پھر وسوسے میں ڈالدیا اُنکو شیطان نے تاکہ جو پوشیدہ برائیاں اُن میں تھیں اُنکو ظاہر کردے شیطان نے کہا اے آدم کیا بتلاؤں میں تجھکو ہمیشہ رہنے کا درخت اور پرانی نہونے والی سلطنت اور کہا کہ خدا نے تمکو بجز اسکے اور کسی لیئے اس درخت سے منع نہیں کیا کہ تم فرشتے ہوجاؤگے یا ہمیشہ رہوگے اور اُن سے قسم کھاکر کہا کہ بے شبہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں پھر اُن کو دھوکے میں ڈالدیا پھر جب اُنھوں نے اُس درخت کو چکھا تو اُن دونوں کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور اُنھوں نے بہشت کے درخت کے پتوں سے اُن کو چھپانا شروع کیا خدا نے اُن دونوں کو للکارا کہ کیا میں نے تمکو اُس درخت کے کھانے سے منع نہیں کیا تھا اور نہیں کہدیا تھا کہ شیطان تمھارا علانیہ دشمن ہے پس اُنکو شیطان نے اُس سے ڈگمگا دیا اور جسمیں تھے اُسمیں سے نکالدیا خدا نے کہا اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیئے ایک مدت تک زمین میں رہنا اور اُس سے منفعت اٹھانی ہے اُس میں تم جیوگے

www.poetrymania.com©

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۶﴾

تو اُن پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۳۶)

جب میں اُسکو پیدا کرچکوں تو تم سب اُسکو سجدہ کرنا، اس مقام پر مخاطبین کو اس بات کا کہ اُس مخلوق میں قوائے بہیمیہ ہونگے عالم قرار دیا گیا، اور بمقتضائے فطرت اُن قوائے کے، اُنھوں نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کریگا جو زمین پر فساد مچاوے اور خون بہاوے، اور قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اسطرح بیان کی، کہ ہم تو تیرے ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں *

پچھلا فقرہ قوٰے کی فطرت کو بھی بتاتا ہی، جو قوٰے جس کام کے لیئے ہیں وہی کام کرتے رہتے ہیں، کہ وہی اُنکی تسبیح اور تقدیس ہے، قوت نامیہ نماء، اور قوت ناطقہ نطق، قوت احراق احراق، قوت سیالہ اسیلان، قوت جامدہ، انجماد کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتی، انسان باوجودیکہ قوائے متضادہ ملکوتیہ و بہیمیہ سے مرکب ہی، مگر اُسمیں ایسی قدرت ہے کہ ایک قوت پر دوسری قوت کو غلبہ دیسکتا ہی، اور جس قوت سے چاہے کام لے سکتا ہی، غیر معلوم چیزوں کو جان جاتا ہی، عالم کے اجزا میں ترکیب دیکر ایک نئی چیز ایجاد کرلیتا ہی، اور عالم کے تبدل میں ایک بڑی مداخلت رکھتا

وفیہا تموتون ومنہا تخرجون (اعراف) وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ (طٰہٰ) فتلقّیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم (بقر) قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین (اعراف) ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ (طٰہٰ) قلنا اھبطوا منہا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون (بقر) فلا یضل ولا یشقیٰ (طہ)

اُسی میں مروگے اُس میں سے اُٹھوگے نافرمانی کی آدم نے اپنے پروردگار کی اور بہک گیا پھر آدم کے دل میں ڈالیں اُس کے پروردگار نے چند باتیں پھر اُسکو خدا نے معاف کیا وہ بے شک بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے آدم اور اُسکی جورو نے کہا اے پروردگار ہمارے ہمنے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمکو نہ بخشیگا اور مہربانی کریگا تو بیشک ہم نقصان والوں میں ہونگے پھر اُسکے پروردگار نے اُسکو پسند کیا اور اُسکو معاف کیا اور سیدھی راہ بتائی خدا نے کہا کہ تم سب یہاں سے اترو پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت پہنچیگی پھر جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کریگا تو اُنپر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور نہ بہکیگا اور نہ بدبخت ہوگا

www.poetrymania.com©

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۷﴾	اور جن لوگوں نے نمانا اور میری نشانیوں کو جھٹلایا وہ آگ میں پڑنیوالے لوگ ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہینگے (۳۷)

ہے، اور بیشک خدا کا نائب کہلانے کا مستحق ہے ✚

انسان کی فطرت کا مخاطبین پر فطرتی تفوق ظاہر کرنے کو، تمام کمالات نفسانی و روحانی و حقائق و معارف کو انسان کی فطرت میں ودیعت کر کر جسکو تعلیم اسماء سے تعبیر کیا ہی، انسان کو مخاطبین کے سامنے کیا، کہ جو حقائق و معارف انمیں ہیں انکو بتلاؤ، قوائے بسیطہ کی فطرت میں اسکا علم نہ تھا، پس گویا وہ بولے کہ ہم توان کمالات کو نہیں جانتے، ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے بتایا ہی یعنی جس حد و فطرت پر پیدا کیا ہی اسکے سوا کچھ نہیں کر سکتے، مگر انسان کی زبان حال نے جسکی فطرت میں ادراک کلیات و جزئیات تھا مخاطبین کی حقیقت کو بتا دیا اور گویا مخاطبین نے زک پائی، اب خدا اپنی قدرت و کمال کے اظہار کے لیئے انسانی محاورہ کے موافق جیسیکہ انسان کسی کو زک دیکر دھراتا ہی فرماتا ہی، کہ کیوں میں نہ کہتا تھا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ✚

اسکے بعد خدا تعالیٰ نے اُن قوائے متضادہ کی جن سے انسان مرکب ہی اسطرح پر فطرت بتائی ہے، کہ قوائے ملکوتی اطاعت پذیر و فرمانبردار ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں الا قوائے بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمانبردار ہیں اُنہی کو قابو میں لانا اور فرمانبردار کرنا انسان کا انسان ہونا ہے ✚

اُنکے سرکش ہونے کو کبھی توان لفظوں سے بیان کیا ہی کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا کہیں یوں فرمایا ہی کہ اُسنے اپنے خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کیا، کہیں فرمایا ہی کہ اُس کافر نے غرور کیا اور کہا کہ کیا میں ایسی مخلوق کو سجدہ کروں جو سڑی مٹی سے بنی ہی، میں تو اُس سے افضل ہوں وہ تو مٹی کا پتلا

www.poetrymania.com©

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ	اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمکو بخشی ہیں اور مجھسے اقرار پورا کرو میں تمسے اقرار پورا کرونگا اور پھر مجھی سے ڈرو

ہے اور میں آگ کا پوت ہوں - قواے بہیمیہ کو جنکا مبدا حرارت غریزی وحرارت خارجی ہے آگ سے مخلوق ہونا بیان کرنا ٹھیک ٹھیک اُنکی فطرت کا بتلانا ہے پھر جو فطرتی تضاد اُن دونوں قسم کے قویٰ میں ہی اُسکے اظہار کے لئے قواے بہیمیہ کو بطور ایک سخت دشمن کے قرار دیا ہی اور اسکی زبان حال سے اُسکی فطرت بیان کی ہے کہ میں ہمیشہ جبتک انسان زندہ ہی یا قیامت تک یعنی جبتک اسکی اولاد رہیگی اُسکو بہکاتا اور راہ راست پر سے بھٹکاتا رہونگا - یہ الفاظ کہ میں انسان کو دہنے بائیں آگے پیچھے غرضکہ ہر چہار طرف سے گھیرونگا صاف صاف اُن قواے بہیمیہ کی فطرت کا اظہار کرتے ہیں جو انسان میں ہے، اور ہر ذی عقل و ہوش غور کرنے پر خود اپنے میں یہ سب باتیں پاتا ہی، اور جان سکتا ہی کہ کسطرح اُن قواے بہیمیہ نے چاروں طرف سے اُن کو گھیر رکھا ہے +

درمیان قعر دریا تختہ بند م کردۂ + باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

پھر خدا تعالیٰ نے نیک آدمیوں کی فطرت کو، اور اُس دشمن کے فریب میں آنے والوں، اور نہ آنے والوں کے فطری نتیجہ کو بتایا ہی، اور فرماتا ہی کہ تو جتنی چاہی دشمنی کر اور جسطرح چاہے اپنے لشکر سے اُنپر چڑھائی کر، مگر نیک آدمیوں پر تیرا کچھ قابو نہوگا وہی بہکینگے جو تیرے یعنی قواے بہیمیہ کے تابع ہونیوالے ہیں، اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہی کہ پہلے بہشت میں چین کرینگے اور پچھلے دوزخ میں بھرے جاوینگے +

اسکے بعد خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہی پہلے حصہ کو یعنے جبکہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہی بہشت میں رہنے اور چین کرنے

www.poetrymania.com©

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (۳۸)	اور اُسپر ایمان لاؤ جو میں نے اُسکو تصدیق کرتا ہوا نازل کیا ہو جو تمھارے پاس ہو اور اُسکے اول منکروں میں نہو اور مت لو میری نشانیونپر تھوڑی سی قیمت اور مجھی سے ڈرتے رہو (۳۸)

اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہی، اور جب دوسرا حصہ اُسکی زندگی کا شروع ہونے والا ہی، تو اُسکے قدیم دشمن کو پھر بلایا ہی جسنے اُسکو بہکا کر درخت ممنوعہ کو کھلایا ہے +

یہ وہ حصہ انسان کی زندگی کا ہی جبکہ اُسکو رشد ہوتا ہی، اور عقل و تمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلّف اور اپنے تمام افعال و اقوال و حرکات کا ذمّہ دار ہوتا ہے، زندگی کے ضروری سامان کے لئے خود محنت کرتا ہی، اور نیک و بد کو خود سمجھتا ہی اپنی بدی سے واقف ہوتا ہی، اور اُسکو چھپاتا ہی، یہ فطرت انسانی خدا تعالیٰ نے باغ کے استعارہ میں بیان کی ہی، اسلیئے تمام فطرت کو باغ ہی کے استعارہ میں بیان فرمایا ہی، سن رشد و تمیز کے پہنچنے کو درخت معرفت خیر و شر کے پھل کھانے سے اور انسان کا اپنے بدیوں کے چھپانے کو درخت کے پتوں سے ڈھانکنے سے تعبیر کیا ہی، مگر شجرۃ الخلد کے پھل تک اُسکو نہیں پہنچایا جس سے ثابت ہوتا ہی کہ وہ ایک فانی وجود ہی اور اُسکو دائمی بقا نہیں +

اخیر کو نہایت عمدگی سے اُسکا خاتمہ بیان کیا ہی، کہ تم سب نکلجاؤ اور جا کر زمین پر رہو وہی تمھارے ٹھیرنے کی جگہہ ہی، اُسمیں تم رہوگے، اُسمیں مروگے، اُسمیں سے اُٹھوگے، تمھاری بدیوں کا علاج بھی وہیں ہی، جو نیک بندے ہوں اُنکی ہدایت پر چلنا اور اپنی بدیوں سے شرمندہ ہو کر اُنکے کرنے سے باز آنا اور خدا سے بکا اقرار کرنا کہ پھر نکرینگے اور پھر مت کرنا، تم اپنے دشمن پر فتح پاؤگے پھر تمکو کچھ ڈر اور خوف نہوگا اچھے خاصے مقبول بندے ہوگے +

یہ ایک نہایت عمدہ اور دلچسپ بیان فطرت انسانی کا ہی، مگر عام لوگ اس راز

www.poetrymania.com©

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ	اور مت شبہ ڈالو سچ میں جھوٹ ملا کر اور مت چھپاؤ سچ کو جبکہ تم جانتے ہو (۳۹)

فطرت کے سمجھنے کے قابل نتھے اسلیے خدا نے ابتدا سے اس راز کو ایک دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے جسکو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور جو نتیجہ راز فطرت سے انسان کو حاصل ہونا چاہیئے وہ ہر شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ خواہ تم یہ سمجھو کہ خدا و فرشتوں میں مباحثہ ہوا اور شیطان نے خدا سے نافرمانی کی اور آدم بھی گیہوں کا درخت کھا کر خدا کا نافرمانبردار رہا، خواہ میں یوں سمجھوں کہ اس بڑے تماشا کرنیوالے نے جو بھانمتی کا ایک تماشا بنایا ہے اسکے راز کو اس بھانمت کی اصطلاح میں بتایا ہے ❊

(یٰبنی اسرائیل) اس مقام پر خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا قصہ بیان کیا ہے اور انکی نافرمانی کو دوھرایا ہے اور جو مہربانیاں انپر کیں انکو یاد دلایا ہے تاکہ اُس رحمت کو جو نبی آخرالزمان کے پیدا کرنے اور قرآن کے نازل ہونیسے دنیا پر ہے اُسکی قدر کریں اور اُسکی ہدایت پر چلیں اور جو خرابیاں اُنھوں نے اپنے سچے مذہب میں ملا دی تھیں اُنکو چھوڑ دیں اور نجات پاویں ❊

بنی اسرائیل کا قصہ قرآن میں بہت جگہ مذکور ہے مگر اکثر لوگوں کو اسمیں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ وہ تمام واقعات کا حضرت موسیٰ ہی کے وقت میں ہونا سمجھتے ہیں حالانکہ اُنمیں ایسے بھی واقعات ہیں جو حضرت موسیٰ سے پہلے اور اُنکے بعد بھی ہوئے ہیں ❊

حضرت موسیٰ سے جو واقعات متعلق ہیں وہ سورہ بقر، نساء، مائدہ، انعام، اعراف، یونس، ہود، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، مؤمنین، شعراء، نمل، قصص، صافات، مؤمن، زخرف، دخان، نازعات، میں سورتوں میں آئے ہیں اُن میں مکرر یکساں مضامین بیان ہوئے ہیں اور کسی میں کسی جگہ کا واقعہ بیان ہوا ہے کسی میں کہیں کا ہم اُن تمام آیات اور الفاظ کو منتخب کر کر بہ ترتیب موسیٰ کے قصہ کو معہ ترجمہ

www.poetrymania.com©

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۰﴾

نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (۴۰)

حاشیہ پر لکھدیتے ہیں کہ تمام قصہ جسقدر کہ قرآن مجید میں ہے بلفظہ ترتیب معلوم ہوجاوے اور پھر ہر ایک آیت کے مطلب کو اُسکے مناسب مقام پر بیان کرینگے ۔ سورۂ بقر میں اس مقام پر جو واقعات حضرت موسیٰ کے بیان ہوئے ہیں اُنمیں سے واقعہ عبور بحر اور غرق فرعون قابل غور کے ہے اول تو بہت لوگوں نے

نتلوا علیک من نبا موسیٰ و فرعون بالحق لقوم یؤمنون ان فرعون علا فی الارض و جعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم یذبح ابناءھم و یستحیی نساءھم انہ کان من المفسدین (قصص) یسومونکم (آل فرعون) سوء العذاب (بقر) یقتلون (اعراف) یذبحون ابناءکم و یستحیون نساءکم و فی ذلکم بلاء من ربکم عظیم (بقر) و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین و نمکن لھم فی الارض و نری فرعون و ھامان و جنودھما منھم ما کانوا یحذرون (قصص) و اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ (قصص) اقذفیہ فی التابوت (طٰہٰ) فالقیہ (قصص) فاقذفیہ فی الیم فلیلقہ الیم بالساحل یاخذہ عدو لی و عدو لہ (طٰہٰ) ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین فالتقطہ آل فرعون (قصص) فبصرت (ای اخت موسیٰ) بہ عن جنب و ھم لا یشعرون (قصص) قالت امرات فرعون قرت عین لی و لک لا تقتلوہ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہ ولدا (قصص) و حرمنا علیہ المراضع من قبل

ہم ٹھیک ٹھیک تجھکو سنا دیں ایمان والوں کے لئے موسیٰ و فرعون کی کچھ خبریں فرعون دنیا میں بہت بڑھ گیا تھا اور مصر کے رہنے والوں کو گروہ گروہ بنا دیا تھا اور اُن میں سے ایک گروہ کو زبون حالت میں پہنچا دیا تھا ذبح کر ڈالتا تھا اُنکے بیٹوں کو اور جیتا رہنے دیتا تھا اُنکی بیٹیوں کو اور وہ مفسدوں میں سے تھا، فرعون والے بنی اسرائیل کو بُری طرح کے عذاب پہنچاتے تھے، بنی اسرائیل کے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے ذبح کر ڈالتے تھے اور اُنکی بیٹیوں کو جیتا رہنے دیتے تھے اور اس میں بنی اسرائیل پر اُن کے پروردگار کی طرف سے بڑی بلا تھی، ہم نے اُن پر جو دنیا میں کمزور ہوگئے تھے مہربانی کرنی چاہی اور اُن کو سردار بناتا اور اُن کو وارث بناتا اور زمین پر قدرت والا ٹھہراتا اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو جس بات سے وہ ڈرتے تھے اُنکے ہاتھ سے دکھلانا چاہا ۔ ہمنے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ موسیٰ کو دودھ پلاوے جب اُسکو موسیٰ کی بابت جانے کا خوف ہو تو اُسکو ایک صندوق میں رکھدے پھر اُسکو ڈالدے پھینکدے دریا میں پھر دریا اُسکو کنارہ پر ڈال دیگا اُسکو اُٹھالے گا میرا دشمن اور اُسکا دشمن اور تو مت ڈر اور نہ غمگین ہو ہم اُسکو پھر تیرے پاس لوٹا دینگے اور اُسکو رسولوں میں سے کرینگے (جب موسیٰ کی ماں نے دریا میں ڈالدیا اور وہ صندوق کنارہ پر آلگا) تو فرعون کے لوگوں میں سے کسی نے اُسکو اُٹھا لیا موسیٰ کی بہن نے دور سے اُسکو دیکھا اور فرعون والے نہیں جانتے تھے ۔ فرعون کی عورت بولی کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اُس کو مت مارو شاید اس سے ہمکو نفع ہو اور ہم اُسکو بیٹا بنالیں ۔ ہم نے پہلے ہی دائیوں کا دودھ اُسپر حرام کر دیا تھا

www.poetrymania.com©

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۱﴾	کیا لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو۔ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور تم کتاب (توریت) پڑھتے ہو پھر کیا تم سمجھتے نہیں (۴۱)

یہ غلطی کی ہے جو یہ سمجھے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے دریائے نیل سے عبور کیا
تھا یہ بالکل غلط ہے، بلکہ انھوں نے بحر احمر کی ایک شاخ سے عبور کیا تھا۔ تمام
مفسرین حضرت موسیٰ کے عبور اور فرعون کے غرق ہونے کو بطور ایک ایسے معجزے
کے قرار دیتے ہیں جو خلاف قانون قدرت واقع ہوا ہو جسکو انگریزی میں سپرنیچرل

فقالت هل ادلكم على اهل بيت يكفلونه
لكم وهم له ناصحون فرددنه الى
امه كى تقر عينها ولا تحزن (قصص)
ولما بلغ اشده واستوى (قصص)
دخل المدينة على حين غفلة من اهلها
فوجد فيها رجلين يقتتلان هذا من
شيعته وهذا من عدوه فاستغاثه
الذى من شيعته على الذى من
عدوه فوكزه موسى فقضى عليه (قصص)
فاصبح فى المدينة خائفا يترقب فاذا
الذى استنصره بالامس يستصرخه
قال له موسى انك لغوى مبين.
فلما ان اراد ان يبطش بالذى هو
عدو لهما قال يا موسى اتريد ان
تقتلنى كما قتلت نفسا بالامس
(قصص) وجاء رجل من
اقصى المدينة يسعى قال
يا موسى ان الملاء يأتمرون
بك ليقتلوك فاخرج انى لك
من الناصحين فخرج منها
خائفا يترقب قال رب نجنى من
القوم الظلمين (قصص) قال
موسى لفتاه لا ابرح حتى ابلغ
مجمع البحرين او امضى حقبا فلما
بلغا مجمع بينهما نسيا حوتهما

موسیٰ کی بہن بولی کہ کیا میں تمکو ایسے گھر والی بتادوں
جو تمھارے لیئے اسکو پالیں اور اسکا اچھی طرح (خیال) رکھیں
(اُسنے موسیٰ کی ماں ہی کو بتایا) پھر ہمنے موسیٰ کو اسکی ماں ہی
کے پاس لوٹا دیا تاکہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہو
جب موسیٰ جوان ہوا اور (پورا) قد آور ہوا تو شہر والونکی بیخبری میں شہر میں گیا
وہاں اُسنے دو آدمیوں کو مارا مار کرتے پایا ایک تو موسیٰ کی قوم
کا تھا اور ایک اسکے دشمنوں میں تھا موسیٰ کی قوم والے نے
اُسکے دشمن کی فریاد کی موسےٰ نے اُس کو ایک گھونسا
مارا ... کہ وہ مرگیا پھر شہر ہی میں ڈرتے ہوئے اور کسی خرابی
کے آنے کی توقع میں صبح کی جسکی مدد موسیٰ نے کل کی تھی
اُسنے موسیٰ کو پکارا موسےٰ نے اُسے کہا کہ تو ہی علانیہ
جھگڑالو ہے پھر موسیٰ نے اُسکی جو اُسکا اور موسیٰ کا بھی
دشمن تھا پکڑنے کا ارادہ کیا (جو چلایا تھا وہ یہ سمجھا کہ
موسےٰ مجھی کو پکڑیگا) کہا کہ اے موسیٰ کیا تو میرے مار ڈالنے
کا بھی ارادہ کرتا ہے جسطرح کہ کل تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا
اتنے میں ایک آدمی شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا آیا کہا
اے موسیٰ فرعون کے درباری تیری نسبت مشورہ کرتے ہیں کہ
تجھکو مار ڈالیں پس یہاں سے نکلجا میں تیرا خیر خواہ ہوں پھر
ڈرتا ہوا اور کسی آفت کی توقع کرتا ہوا وہاں سے نکلا اور کہا
اے پروردگار اس ظالم قوم سے مجھے بچا۔
موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے (غالباً اسی شخص سے جس نے
قتل کے مشورہ کی خبر دی تھی) کہا کہ میں ٹھیرنیکا ہی نہیں جبتک میں دو
دریا دونکے ملنے کے مقام تک نہ پہنچ جاؤں یا چلا جاؤں بہت
دنوں تک (یعنی اس سے پرے) پھر جب وہ دونوں دونوں دریاؤں کے ملنے
کے مقام تک پہنچے تو اپنی مچھلی وہاں رکھ کر بھول گئے

www.poetrymania.com©

واستعینوا بالصبر والصلوۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین ﴿۴۵﴾

اور صبر کرنے سے اور نماز پڑھنے سے مدد لو اور ہاں بے شبہ وہ بڑی مشکل ہی مگر اُنپر کچھ مشکل نہیں جو خدا کے سامنے عاجزی کرتے ہیں (۴۵)

کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری وہ پھٹ گیا اور پانی مثل دیوار یا پہاڑ کے اِدھر اُدھر کھڑا ہو گیا اور پانی نے بیچ میں خشک رستہ چھوڑ دیا حضرت موسیٰ اور تمام بنی اسرائیل اُس رستہ سے پار اتر گئے فرعون بھی اُسی رستہ میں گھُس پڑا اور پھر سمندر مل گیا اور سب ڈوب گئے، اگر درحقیقت یہ واقع

فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا فلما جاوزا قال لفتاہ اٰتنا غداءنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا قال ارءیت اذ اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسانیہ الا الشیطن ان اذکرہ واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا قال ذلک ما کنا نبغ فارتدا علی اثارھما قصصا فوجدا عبدا من عبادنا اٰتینہ رحمۃ من عندنا وعلمنہ من لدنا علما قال لہ موسی ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا قال انک لن تستطیع معی صبرا وکیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا قال ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منہ ذکرا فانطلقا حتی اذا رکبا فی السفینۃ خرقھا قال اخرقتھا لتغرق اھلھا لقد جئت شیئا امرا قال الم اقل انک لن تستطیع معی صبرا قال لا تؤاخذنی بما نسیت ولا ترھقنی من امری عسرا فانطلقا حتی اذا لقیا غلاما فقتلہ قال اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس لقد جئت

پھر مچھلی نے خشک جگہ میں سے دریا کا رستہ لیا پھر جب وہ اس سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ ہمنے تو اپنے اس سفر میں بڑی مصیبت اٹھائی اُس جوان نے کہا کہ تمنے دیکھا ہوگا کہ جب ہم اُس پتھر سے تکیہ لگا کر بیٹھے تو میں اُس مچھلی کو بھول گیا (یعنی اُسکا خیال نہ رہا) اور اس قصہ کا ذکر کرنا (یعنی تمہی سے) بجز شیطان کے کسی نے مجھکو نہیں بھلایا اور مچھلی نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا موسیٰ نے کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے دونوں دریا کے ملنے ہی تک ہم آنا چاہتے تھے سبب آگے کیوں جا رہا پھر وہ دونوں اپنے قدموں کا نشان دیکھتے ہوئے لوٹ پھرے۔ پھر ان دونوں کو میرے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جسپر ہمنے اپنی مہربانی کی تھی اور اسکو اپنے دانشمندی سکھا دی تھی موسیٰ نے اس سے کہا کہ کیا میں تمہارے ساتھ ہو لوں اگر مجھکو بھی ان دانشمندیوں میں سے جو تمنے سیکھی ہیں سکھاؤ اُس بندے نے کہا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکوگے اور تم کسطرح اُس بات پر صبر کروگے جو تمہاری دانش کے احاطہ میں نہیں ہے موسیٰ نے کہا انشاء اللہ تم مجھکو صبر کرنیوالا پاؤگے اور میں تمہارے کسی کام میں برخلافی نہ کرونگا اُس بندے نے کہا کہ اگر تم میری تابعداری کرنی چاہتے ہو تو جبتک میں خود نہ کہدوں مجھسے کسی بات کو مت پوچھنا پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک کشتی پر سوار ہوئے تو اُس بندے نے کشتی میں شگاف کر دیا موسیٰ نے کہا کیا تمنے کشتی کے لوگوں کے ڈبونے کیلیے اسمیں شگاف کیا ہے اُس بندے نے کہا کہ دیکھو تمنے یہ کیسی بات کی اُس بندے نے کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکوگے موسیٰ نے کہا کہ جو بات میں بھول گیا اُسپر مواخذہ مت کرو اور میرے کام میں سختی مت ڈالو۔ پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک لڑکے سے ملے تو اُس بندے نے اُس لڑکے کو مار ڈالا موسیٰ نے کہا

www.poetrymania.com©

وہ وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ ضرور اپنے پروردگار سے ملیں گے اور ضرور وہ اسکے پاس پھر جاوینگے (۴۶)	الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۴۶)

خلاف قانون قدرت واقع ہوا تھا تو خدا تعالیٰ سمندر کے پانی ہی کو ایسا سخت کر دیتا کہ مثل زمین کے اسپر سے چلے جاتے، خشک رستہ نکالنے ہی سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ یہ واقعہ یا معجزہ جو اسکو تعبیر کرو مطابق قانون قدرت کے واقعہ

شیئًا نکرًا قال الم اقل لك انك لن تستطيع معي صبرا قال ان سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني قد بلغت من لدني عذرا فانطلقا حتى اذا اتيا اهل قرية استطعما اهلها فابوا ان يضيفوهما فوجدا فيها جدارا يريد ان ينقض فاقامه قال لو شئت لتخذت عليه اجرا قال هذا فراق بيني وبينك سأنبئك بتاويل ما لم تستطع عليه صبرا اما السفينة فكانت لمساكين يعملون في البحر فاردت ان اعيبها وكان وراءهم ملك يأخذ كل سفينة غصبا واما الغلام فكان ابواه مؤمنين فخشينا ان يرهقهما طغيانا وكفرا فاردنا ان يبدلهما ربهما خيرا منه زكوة و اقرب رحما واما الجدار فكان لغلامين يتيمين في المدينة و كان تحته كنز لهما وكان ابوهما صالحا فاراد ربك ان يبلغا اشدهما و يستخرجا كنزهما رحمة من ربك وما فعلته عن امري ذلك تاويل ما لم تستطع عليه صبرا (کہف)

کر گیا تھے ایک شخص بیگناہ کو بغیر جان کے بدلے مار ڈالا دیکھو تمنے بڑا کام کیا اُس بندے نے کہا کہ میں نے تمسے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکوگے موسےٰ نے کہا کہ اگر اسکے بعد میں تمسے کوئی بات پوچھوں تو پھر مجھکو اپنے ساتھ مت رکھنا میں اپنا عذر تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ پھر وہ دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک گانوں کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اُن سے کھانا مانگا اُنھوں نے اُنکو کھانا کھلانے سے انکار کیا وہاں اُن دونوں نے ایک دیوار دیکھی کہ گرپڑنا چاہتی ہے اُن دونوں نے اُسکو سیدھا بنا دیا (حضرت موسےٰ کو بھوک لگی ہوئی تھی کسی نے کھانے کو دیا نہ تھا نہ کھانا میسا پاس نہ تھا) اُنھوں نے اُس بندے سے کہا کہ اگر تم چاہتے تو اسپر مزدوری لے لیتے اُس بندے نے کہا کہ بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے میں اِن باتوں کی تاویل جنپر تم صبر نہ کرسکے بتا دیتا ہوں۔ وہ کشتی تو غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں کھیوا کھیا کرتے تھے میں نے اسکو عیب دار کر دینا چاہا اُن کے پرے ایک بادشاہ ہے جو زبردستی سے ہر ایک کشتی کو پکڑ لیتا ہے۔ اور وہ نوجوان اُسکے ماں باپ ایمان والے ہیں مجھکو خوف ہوا کہ یہ اُن کو سرکشی و کفر میں تنگ کریگا پس میں نے چاہا کہ اُنکا پروردگار اُسکا نعم البدل پاکیزگی اور محبت میں اُنکو دیگا۔ اور وہ دیوار شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اُس کے نیچے اُنکے لیئے خزانہ تھا اور اُنکا باپ اچھا آدمی تھا پس تیرے پروردگار نے چاہا کہ جب وہ دونوں جوانی میں بھر پور ہوں وہ اپنا خزانہ نکال لیں تیرے پروردگار کی مہربانی سے اور میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیئے یہ بیان اُن باتوں کا ہے جنپر تو صبر نہ کرسکا +

www.poetrymania.com©

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۴۴)	اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمتوں کو جو میں نے تمکو دی ہیں اور میں نے تمکو تمام عالموں پر بزرگی دی (۴۴)

ہوا تھا۔ جو مطلب مفسرین نے بیان کیا ہے وہ مطلب قرآن مجید کے لفظوں سے بھی نہیں نکلتا ؞

سمندر میں راستہ ہوجانے کی نسبت قرآن مجید میں تین جگہ ذکر آیا ہے اول سورۂ بقر میں جہاں فرمایا ہے کہ ”اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ“ دوم سورہ شعرا میں

ولما توجه تلقاء مدين
قال عسى ربي ان يهديني
سواء السبيل ولما ورد ماء
مدين وجد عليه امة من
الناس يسقون ووجد من
دونهم امرأتين تذودان
قال ما خطبكما قالتا لا نسقي
حتى يصدر الرعاء وابونا شيخ
كبير فسقى لهما ثم تولى الى
الظل قال رب اني لما انزلت الي
من خير فقير فجاءته احدىهما
تمشي على استحياء قالت ان ابي
يدعوك ليجزيك اجر ما سقيت لنا
فلما جاءه وقص عليه القصص
قال لا تخف نجوت من القوم
الظالمين قالت احدىهما يا ابت
استاجره ان خير من استاجرت القوي
الامين قال اني اريد ان انكحك
احدى ابنتي هاتين على ان تاجرني
ثماني حجج فان اتممت عشرا
فمن عندك وما اريد ان
اشق عليك ستجدني ان شاء الله
من الصالحين قال ذلك بيني

اور جب موسیٰ شہر مدین کی طرف چلے تو کہا کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھکو سیدھا رستہ بتاوے اور جبکہ شہر مدین کے پانی کے پاس پہنچے تو وہاں لوگوں کے گروہ کو مویشی کو پانی پلاتے پایا اور اُن کے پرے دو عورتوں کو پایا کہ اپنے مویشی کو روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے اُنھوں نے کہا کہ جبتک چرواہے پانی پلا کر نہ لیجاویں ہم نہیں پلا سکتیں اور ہمارا باپ بڑا بڈھا ہے پھر موسیٰ نے اُن دونوں کے مویشی کو پانی پلا دیا پھر چھاؤں میں جا کھڑے ہوئے پھر کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے میری یہ حالت کر دی ہے کہ تھوڑی سی بھلائی کا بھی محتاج ہوں پھر اُن دونوں میں سے ایک شرمیلی چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی کہا میرے باپ نے تجھکو بلایا ہے تاکہ ہمارے مویشی کو جو پانی تو نے پلایا ہے اُسکی اجرت دے پھر جب موسیٰ اُس کے پاس (یعنی اُس عورت کے باپ کے پاس) آئے اور اپنا قصہ اُس سے کہا تو اُس نے کہا کہ مت ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی اُسکی بیٹیوں میں سے ایک نے کہا کہ اے باپ اسکو مزدوری پر رکھ لے اچھا مزدور جسکو تو مزدوری پر لگاوے طاقت ور اور دیانت دار ہونا چاہیے اُس شخص نے موسیٰ سے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں اس بات پر کہ تو آٹھ برس تک میری مزدوری کرے پھر اگر تو دس برس پورے کر دے تو تیری طرف سے ہوگا میں تجھ پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تو مجھکو انشاء اللہ اقرار پورا کرنے والوں میں پاویگا موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں

www.poetrymania.com©

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۵﴾

اور ڈرو اُس دن سے جبکہ کوئی کچھ بھی کسی کے کام نہ آویگا اور اُس کے لیئے کوئی سفارش قبول نہوگی اور نہ کچھ اُسکے بدلے میں لیا جاویگا اور نہ اُسکی مدد کی جائیگی (۴۵)

جہاں فرمایا کہ ،، اَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ،، تیسرے ۔ سورۂ طٰہٰ میں جہاں فرمایا ہے کہ ،، فَاَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ،، پہلی آیت میں توکوئی لفظ ایسا نہیں ہے

وبينك ايما الاجلين قضيت فلا عدوان علي والله على ما نقول وكيل (قصص) فلبثت سنين في اهل مدين ثم جئت على قدر يا موسىٰ (طٰہٰ) فلما قضى موسى الاجل و سار باهله آنس من جانب الطور نارا قال لاهله امكثوا اني آنست نارا لعلي آتيكم منها بخبر (قصص) او آتيكم بشهاب قبس (نمل) جذوة من النار لعلكم تصطلون (قصص) او اجد على النار هدى (طٰہٰ) فلما اتاها نودي من شاطئ الوادي الايمن (قصص) من جانب الطور الايمن (مریم) في البقعة المباركة من الشجرة (قصص) ان بورك من في النار و من حولها و سبحان الله رب العلمين يا موسىٰ انه انا الله العزيز الحكيم (نمل) اني انا الله رب العالمين (قصص) اني انا ربك فاخلع نعليك انك بالواد المقدس طوى (طٰہٰ) وما تلك بيمينك يا موسىٰ قال هي عصاي اتوكؤا عليها واهش بها على غنمي ولي فيها مآرب اخرى (طٰہٰ) الق عصاك فلما رآها

اور تجھ میں یہ اقرار ہوچکا اُن دونوں مدتوں میں سے جونسی میں پوری کروں تو پھر مجھپر زیادتی نہو اور جو میں کہتا ہوں خدا اُسپر مددگار ہے ۔ پھر تو نے اہل مدین میں چند سال رہ کر پھر تو آئے موسیٰ وقت پر آگیا +

پھر جب موسیٰ نے میعاد مقررہ پوری کی اور اپنی بی بی کو لیکر چلا تو اُسکو پہاڑ کی جانب سے آگ معلوم ہوئی موسیٰ نے اپنی بی بی سے کہا کہ ٹھہرو مجھے آگ معلوم ہوئی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لے آؤں یا ایک بھڑکتی لکڑی اُٹھا لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپو یا آگ کے پاس کوئی راہ بتلانے والا پاؤں ۔ پھر جب موسیٰ آگ کے پاس آیا تو جنگل کے دھانیں کنارے سے پہاڑ کی دھانیں طرف سے اس مبارک جگہ میں درخت میں سے کسی نے اسکو آواز دی کہ جو آگ میں ہے اور جو اسکے گرد ہے اس کو برکت دیگئی ہے اور اللہ پاک ہے اور تمام عالموں کا پالنے والا ہے اے موسیٰ بیشک میں خدا ہوں سب پر غالب اور بڑی حکمت والا بیشک میں ہی خدا ہوں تمام عالموں کا پالنے والا بیشک میں تیرا خدا ہوں پھر جوتیاں اُتار ڈال بے شبہ تو پاک جنگل میں پھرتا ہے اے موسیٰ یہ کیا تیرے دھانیں ہاتھ میں ہے موسیٰ نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے اسکو میں ٹیک لیتا ہوں اور اس سے اپنے ریوڑ پر پتے جھاڑ لیتا ہوں اور اس سے میرے اور کام میں بھی آتی ہے خدا نے کہا کہ اپنی لاٹھی ڈالدے (جب ڈال دی) تو لاٹھی کو ہلتے ہوئے دیکھ

www.poetrymania.com©

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور اُسوقت کی نعمت کو یاد کرو جبکہ ہمنے تمکو فرعون والوں سے بچایا، بُری عذاب تمکو دیتے تھے،

جس سے سمندر کے جدا ہوجانے یا پھٹ جانے کو خلاف قانون قدرت قرار دیا جاسکے۔ دوسری آیت میں جو الفاظ ہیں اُنہی پر تمام مفسّرین کا دارومدار ہے وہ ،، ان اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۔ کے یہ معنی لیتے ہیں کہ خدا نے موسیٰ سے

تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یاموسٰی اقبل (قصص) خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولٰی (طٰہٰ) اسلک یدک فی جیبک (قصص) واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء آیۃ اخرٰی (طٰہٰ) واضمم الیک جناحک من الرھب فذانک برھانٰن من ربک (قصص) فی تسع اٰیات (نمل) الی فرعون وملائه انھم کانوا قوما فاسقین (قصص) وقربناہ نجیا (مریم) ثم ارسلنا موسٰی واخاہ ھارون بآیاتنا وسلطان مبین الی فرعون وملائه (ہود) ھامان وقارون (مومن) ان اخرج قومک من الظلمٰت الی النور (ہود) ان ائت القوم الظالمین قوم فرعون (شعرا) اذھب الی فرعون انه طغٰی (نازعات) قال رب انی اخاف ان یکذبون (شعرا) رب انی قتلت منھم نفسا (قصص) ولھم علیّ ذنب فاخاف ان یقتلون (شعرا) ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی (شعرا) رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی (طٰہٰ) واخی ھارون ھو افصح منی لسانا (قصص) اجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی (طٰہٰ) فارسل الی ھارون (شعرا) فارسله معی ردا (قصص) قال سنشد عضدک باخیک

گویا کہ وہ سانپ ہے تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر ملٹا اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا خدا نے کہا اے موسیٰ آگے بڑھ اُسکو پکڑ لے اور مت ڈر وہ جیسی پہلی تھی ویسی ہی ہو جاویگی ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں اور اپنے ہاتھ کو اپنے بازو سے ملا دے تیرا ہاتھ بے عیب سفید نکلیگا بطور ایک دوسری نشانی کے جو ڈر تجھکو ہوا ہے اُس سے اپنے دونوں بازو ملا کر تھام پھر یہ دونوں نشانیاں ہیں تیرے پروردگار کی نو نشانیوں میں کی فرعون اور اُسکے درباریوں کے لئے بیشک وہ بدکار قوم ہے اور ہمنے موسیٰ کو باتیں کرنے سے مقرب کیا۔

پھر ہمنے موسیٰ اور اُسکے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور علانیہ غلبہ کے ساتھ فرعون اور اُسکے درباریوں ہامان و قارون کے پاس بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیرے میں سے روشنی میں نکال لاوے، جا ظالم قوم کے پاس جو فرعون کی قوم ہے جا فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہے موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دینگے اے پروردگار میں نے اُن میں کا ایک آدمی مار ڈالا ہے میں نے اُن کا قصور کیا ہے پھر میں ڈرتا ہوں کہ وہ مار ڈالینگے میرے سینہ میں دم گھٹ جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی اے پروردگار میرے سینہ کو کھولدے اور میرا کام مجھ پر آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کو کھولدے تاکہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھسے زیادہ فصیح ہے میرے کنبہ میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر کر پھر ہارون کو میرے پاس بھیج پھر اُسکو میرے ساتھ بطور مددگار کے بھیج خدا نے کہا کہ میں تیری بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کرونگا

www.poetrymania.com©

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

تمھاری بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اسمیں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لیئے بلای عظیم تھی (۴۹)

کہا کہ سمندر کو اپنی لاٹھی سے مار چنانچہ حضرت موسیٰ نے لاٹھی ماری اور سمندر ہٹ گیا یا پھٹ گیا یا سمندر کی تہ زمین کھل گئی وہ اس جملہ کو اسطرح پر بطور شرط و جزا کے قرار دیتے ہیں کہ شرط گویا علت ہے اور جزا اُسکا معلول یعنی

ونجعل لکما سلطانا (قصص) قال قد اوتیت سؤلک یاموسیٰ (طہ) اذهب انت واخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری اذهبا الی فرعون انه طغی (طہ) قال کلا فاذهبا بایاتنا انا معکم مستمعون فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین ان ارسل معنا بنی اسرائیل (شعرا) فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی قال لا تخافا اننی معکما اسمع واری فاتیاه (طہ) فقل هل لک الی ان تزکی و اهدیک الی ربک فتخشی (نازعات) فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبهم قد جئناک بایة من ربک (طہ) ✦

قال فمن ربکما یاموسیٰ قال ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی قال فما بال القرون الاولی قال علمها عند ربی (طہ) قال فرعون وما رب العالمین قال رب السموات والارض وما بینهما ان کنتم موقنین قال لمن حوله الا تستمعون قال ربکم ورب ابائکم الاولین قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم

اور تم دونوں کو غلبہ دونگا خدا نے کہا اے موسیٰ جو تو نے مانگا تجھکو دیا گیا جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں سمیت اور سستی نہ کرو میری نصیحت میں تم دونوں فرعون پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہے خدا نے کہا کہ وہ ہرگز تمکو نہ مار سکینگے پھر تم دونوں میری نشانیوں سمیت جاؤ میں تمھارے ساتھ ہوں تمھاری بات سنونگا پھر فرعون کے پاس جاؤ اور پھر اُس سے کہو کہ ہم دونوں تمام عالموں کے پروردگار کے رسول ہیں ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے اور اُس سے نرم بات کہو شاید کہ نصیحت مانے اور خوف کرے انھوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ ہمپر زیادتی کرے یا ہمپے سرکشی کرے خدا نے کہا کہ تم مت ڈرو میں تمھارے ساتھ ہوں تمھاری بات سنونگا اور تمکو دیکھتا ہونگا پھر اُسکے پاس جاؤ تو موسیٰ گئے اور کہا کہ تجھکو پاک ہونیکی خواہش ہے اور میں تجھکو تیرے پروردگار کی راہ بتاؤں تاکہ تو خوف کرے خدا نے کہا کہ تم دونوں فرعون سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں پھر ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے اور انکو عذاب مت دے ہم تیرے پروردگار کی نشانی لائے ہیں ✦ فرعون بولا اے موسیٰ تمھارا پروردگار کون ہے موسیٰ نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے کہ جسنے تمام چیزوں کی خلقت اُنکو عطا کی ہے پھر سیدھی راہ بتائی ہے فرعون نے کہا پھر اگلے زمانے کے لوگوں کا کیا حال ہے موسیٰ نے کہا کہ اُنکی خبر خدا کو ہے فرعون نے کہا کہ تمام عالموں کا خدا کون ہے موسیٰ نے کہا کہ جو آسمان کا اور زمین کا اور جو کچھ انمیں ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم یقین لاؤ فرعون نے اُن لوگوں سے جو پاس تھے اسکے گرد تھے کہا کہ کیا تم نہیں سنتے ہو موسیٰ نے کہا کہ تمھارا پروردگار اور تمھارے باپ دادا کا ـ فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تمھارے پاس جو رسول آیا ہے

www.poetrymania.com©

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۴۷﴾

اور (اُس وقت کی نعمت کو یاد کرو) جبکہ ہم نے تمہارے سبب سے سمندر کو جدا کر دیا (یعنی ہٹا دیا) پھر ہمنے تمکو بچا دیا اور ہمنے فرعون والوں کو ڈبو دیا اور (یہ سب کچھ) تم دیکھتے تھے (۴۷)

لاٹھی مارنے کے سبب سے سمندر پھٹ گیا اور زمین نکل آئی۔ مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے ،، انفلق ،، ماضی کا صیغہ ہے اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ماضی جزاء میں واقع ہوتی ہے تو اُسکی دو حالتیں ہوتی ہیں اگر ماضی اپنے معنوں پر نہیں ہے

لمجنون قال رب المشرق والمغرب وما بينهما ان كنتم تعقلون قال لئن اتخذت الٰها غيري لاجعلنك من المسجونين (شعرا) قال الم نربك فينا وليدا ولبثت فينا من عمرك سنين وفعلت فعلتك التي فعلت وانت من الكافرين قال فعلتها اذا وانا من الضالين ففررت منكم لما خفتكم فوهب لي ربي حكما وجعلني من المرسلين وتلك نعمة تمنها علي ان عبدت بني اسرائيل (شعرا) فقال له فرعون اني لاظنك يا موسى مسحورا (بني اسرائيل) قال اولو جئتك بشيء مبين (شعرا) قال ان كنت جئت بآية فات بها (اعراف) ان كنت من الصادقين فالقى عصاه فاذا هي ثعبان مبين ونزع يده فاذا هي بيضاء للناظرين (شعرا) وقال موسى يا فرعون اني رسول من رب العالمين حقيق على ان لا اقول على الله الا الحق قد جئتكم ببينة من ربكم فارسل معي بني اسرائيل (اعراف) واستكبر هو وجنوده في الارض بغير الحق وظنوا انهم الينا لا يرجعون (قصص) فاستكبروا وكانوا قوما عالين (مومنون) مجرمين (يونس) فقالوا انؤمن لبشرين مثلنا

البتہ دیوانہ ہے موسیٰ نے کہا کہ تمام عالموں کا خداوہی ہے) جو مشرق و مغرب کا اور جو اُسمیں ہے اُس سب کا پروردگار ہے اگر تم سمجھو ہو فرعون نے کہا کہ اگر تو نے میرے سوا اور کسی کو خدا ٹھیرایا تو میں ضرور تجھکو قیدیوں میں داخل کر دونگا فرعون نے کہا کہ کیا ہمنے تجھکو نہیں پالا جبکہ تو ہم میں بچہ تھا اور کیا تو نے بسر نہیں کیئے ہم میں اپنی عمر کے چند سال اور تو نے وہ کام کیا جو کیا اور تو ناشکروں میں سے ہے موسیٰ نے کہا کہ میں نے کیا تھا جبکہ میں گمراہوں میں تھا پھر میں تم سے ڈر کر تم میں سے بھاگ گیا پھر خدا نے مجھکو حکم دیا اور مجھکو پیغمبروں میں کیا اور یہ بھلائی جسکا احسان تو مجھ پر رکھتا ہے اس بناء پر ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ میں تجھکو سحر زدہ سمجھتا ہوں موسیٰ نے کہا کہ جب بھی اگر میں کوئی صریح نشانی لاؤں فرعون نے کہا کہ اگر تو کوئی نشانی لا سکتا ہے تو اُس نشانی کو لا اگر تو سچا ہے پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالدی پھر یکایک وہ ہو بہو سانپ تھی اور اپنا ہاتھ نکالا پھر یکایک دیکھنے والوں کو چمکتا معلوم ہوتا تھا موسیٰ نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالموں کا رسول ہوں مجھکو لائق ہے کہ میں خدا پر سوائے سچ کے اور کچھ نہ کہوں میں لایا ہوں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی پھر میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے پھر فرعون اور اُس کے لشکروں نے بغیر کسی حق کے دنیا میں تکبر کیا اور گمان کیا کہ وہ ہمارے پاس نہ پھریں گے پھر انھوں نے تکبر کیا اور وہ ایک قوم بڑھی ہوئی تھی گنہگار تھی بولی کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لاویں جو ہمارے سے ہیں

www.poetrymania.com©

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ
بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۴۸)

اور جب ہمنے چالیس راتوں کا موسٰی
سے وعدہ کیا اُسپر تمنے موسٰے کے پیچھے
بچھڑا بنالیا اور تم ظالم تھے (۵۱)

بلکہ شرط کی معلول ہوتی ہے تو اُسوقت اُسپر اف، نہیں لاتے اور جبکہ وہ اپنے
معنوں پہ باقی رہتی ہے اور جزا کی معلول نہیں ہوتی تب اُسپر ف.. لاتے ہیں
جیسے کہ اس مثال میں ہے، ان اکرمتنی فاکرمتك امس،، یعنی اگر تعظیم کریگا تو میری
تو میں تیری تعظیم کل کرچکا ہوں،، اس مثال میں جزا (یعنی گذشتہ کل میں تعظیم کا کرنا)
شرط کی معلول نہیں ہے کیونکہ وہ اُس سے پہلے ہوچکی تھی، اسیطرح اس آیت

وقومهما لنا عابدون (مومن) فظلموا
(اعراف) فكذبوهما (مومن، فقالوا)
ساحر كذاب (مومن) قال للملأ حوله
ان هذا الساحر عليم يريد ان يخرجكم
من ارضكم بسحره فماذا تامرون
قالوا ارجه واخاه وابعث (شعرا) ارسل
في المدائن حاشرين ياتوك بكل ساحر
عليم (اعراف) قال اجئتنا لتخرجنا من
ارضنا بسحرك يا موسٰى فلناتينك بسحر
مثله فاجعل بيننا وبينك موعدا لا
نخلفه نحن ولا انت مكانا سوى قال
موعدكم يوم الزينة وان يحشر الناس
ضحى فتولى فرعون فجمع كيده ثم اتى
(طه) قال فرعون ائتوني بكل ساحر عليم
(يونس) فجمع السحرة لميقات يوم معلوم
وقيل للناس هل انتم مجتمعون لعلنا نتبع
السحرة ان كانوا هم الغالبين (شعرا) فلما
جاء السحرة فرعون قالوا ان لنا لاجرا
ان كنا نحن الغالبين قال نعم وانكم
اذا لمن المقربين (شعرا) فتنازعوا امرهم
بينهم واسروا النجوى قالوا ان هذان

اور انکی قوم ہماری غلام ہے پھر انھوں نے ظلم کیا اور اُن
دونوں کو جھٹلایا اور کہا کہ جھوٹے جادوگر ہیں فرعون نے اپنے
ارد گرد کے درباریوں سے کہا کہ یہ جادوگر بڑا جاننے والا
ہے چاہتا ہے کہ تمکو تمھارے ملک سے اپنے جادو سے نکالدے
پھر تم کیا کہتے ہو وہ بولے کہ اُسکو اور اُسکے بھائی کو مہلت
دے اور شہروں میں (جادوگروں کے) اکٹھا کرنے والوں کو بھیج تیرے
پاس لے آویں ہر ایک بڑے علم والے جادوگر کو فرعون نے کہا
کہ اے موسٰی کیا تو ہمارے پاس ہمکو ہمارے ملک سے اپنے جادو
سے نکالنے کو آیا ہے پھر بے شبہ ہم بھی تیرے پاس ویسا
ہی جادو لاوینگے پس کسی چوپٹ میدان میں ہم میں اور اپنے
میں (مقابلہ کیلئے) کوئی وقت مقرر کر نہ ہم اُسکے برخلاف
کریں اور نہ تو موسٰی نے کہا کہ جشن کا دن تمھارے وعدے کا
سہی اور تھوڑے دن چڑھے سب آدمی وہاں اکٹھے ہوجاویں
پھر فرعون (اپنے محل میں) گیا اور اپنے جادوگروں کو جمع کیا
فرعون نے کہا کہ ہر ایک بڑے جادوگر کو بلاؤ پھر تمام جادوگر وقت
معین پر جمع ہوگئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا تم بھی اکٹھے ہوگے
تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم انکا ساتھ دیں جب فرعون
کے جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ اگر ہم غالب
ہوں تو ہمارے لیئے کچھ انعام ہے فرعون نے کہا کہ ہاں تب تو
تم مقربوں میں سے ہوگے پھر انکے باہم انکے کام میں کچھ جھگڑا ہوا اور انھوں
نے اپنے مشورہ کو چھپایا۔ اُنھوں نے کہا کہ بے شبہ یہ دونوں

www.poetrymania.com©

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ	پھر اس کے بعد بھی ہمنے تمکو معاف کردیا

میں سمندر کا پھٹ جانا یا زمین کا کھل جانا ضرب کا معلول نہیں ہو سکتا +
اصل یہ ہے کہ یہودی اس بات کے قائل تھے کہ حضرت موسیٰ کے لاٹھی
مارنے سے سمندر پھٹ گیا تھا اور زمین نکل آئی تھی اور لاٹھی مارنے سے پتھر میں سے

لساحران یریدان ان یخرجاکم من ارضکم
بسحرھما ویذھبا بطریقتکم المثلی
فاجمعوا کیدکم ثم ائتوا صفا وقد افلح
الیوم من استعلی (طہ) قالوا یا موسیٰ اما
ان تلقی واما ان نکون اول من القی (طہ)
اما ان نکون نحن الملقین قال القوا فلما
القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم و
جاءو بسحر عظیم (اعراف) فالقوا حبالھم و
عصیھم وقالوا بعزۃ فرعون انا لنحن الغلبون
(شعرا) فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من
سحرھم انھا تسعی (طہ) فلما القوا قال
موسیٰ ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ
(یونس) فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا
لا تخف انک انت الاعلی (طہ) واوحینا الی
موسیٰ ان الق عصاک فاذا ھی تلقف ما
یافکون (اعراف) فالقی عصاہ فاذا ھی تلقف
ما یافکون (شعرا) ما صنعوا انما صنعوا
کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی (طہ)
فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون فغلبوا
ھنالک وانقلبوا صاغرین والقی السحرۃ
ساجدین (اعراف سجدا (طہ) قالوا امنا
برب العلمین رب موسیٰ وھرون قال فرعون
امنتم بہ قبل ان اذن لکم ان ھذا لمکر
مکرتموہ فی المدینۃ لتخرجوا منھا اھلھا
فسوف تعلمون (اعراف) انہ لکبیرکم الذی
علمکم السحر لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف

جادوگر ہیں اپنے جادو کے زور سے تمکو تمھارے ملک سے
نکالنا اور تمھارے عمدہ مذہب کو کھو دینا چاہتے ہیں پس
اپنے جادوگروں کو جمع کرلو کہا کہ پھر اکٹھے ہوکر چلو اور
آجکے دن جو غالب ہوگا وہی کامیاب ہوگا۔ چنانچہ یوم موعود کو
سب جمع ہوئے، فرعون کے جادوگروں نے موسیٰ سے کہا
کہ یا تو تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالتے ہیں موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو پھر
جب انھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر نظر بندی کردی
اور انکو ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو کر لائے جب انھوں نے رسیاں
اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی
غالب ہیں تب تو موسیٰ کے خیال میں انکی رسیاں......
اور لاٹھیاں انکے جادو سے چلتی ہوئی دکھنے لگیں۔ موسیٰ نے
کہا کہ یہ جو تمنے کیا یہ جادو ہے اسکو خدا باطل کریگا مگر موسیٰ
دل میں ڈر گیا خدا نے کہا کہ مت ڈر تو ہی جیتے گا اور خدا نے
موسیٰ کے دل میں ڈالا کہ اپنی لاٹھی ڈال کر وہ انکی سب
بناوٹ کو نگل جاویگی پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی پھر کس
سب بناوٹ کو جو انھوں نے کی تھی نگلتی تھی انھوں نے
تو جادوگروں کا سا مکر کیا تھا اور حق کے سامنے جادوگر
کامیاب نہیں ہو سکتا پس حق ثابت ہوگیا اور جو......
انھوں نے کیا تھا وہ باطل ہوگیا پھر وہاں ہار کر ذلت سے
لوٹ گئے اور فرعون کے جادوگروں نے سجدہ کیا بولے
ہم پروردگار عالموں پر ایمان لائے جو موسیٰ و ہارون
کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت
سے پہلے موسیٰ پر ایمان لے آئے بے شبہ یہ مکر ہے جو تمنے
اس شہر میں شہر والوں کے نکالنے کو کیا پھر عنقریب تم اسکا انجام جانو
موسیٰ ہی تمھارا گرو ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے ضرور تمھارے ہاتھ
ایک طرف کے اور تمھارے پاؤں دوسری طرف کے

www.poetrymania.com©

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۴۹﴾	شاید کہ تم شکر کرو (۴۹)

پانی بہ نکلا تھا، علماء اسلام تفسیروں میں اور خصوصًا بنی اسرائیل کے قصوں میں یہودیوں کی پیروی کرنے کے عادی تھے اور قرآن مجید کے مطالب کو خواہ نخواہ کھینچ تان کر یہودیوں کی روایتوں کے موافق کرتے تھے اسلیئے اُنھوں نے سمجھ

ولأصلبنكم في جذوع النخل ولتعلمن
أينا أشد عذابا وأبقى قالوا لن نؤثرك
على ما جاءنا من البينات والذي فطرنا
فاقض ما أنت قاض (طہ) وما تنقم
منا إلا أن آمنا بآيات ربنا لما جاءتنا ربنا
أفرغ علينا صبرا وتوفنا مسلمين (الاعراف)
ولقد أخذنا آل فرعون بالسنين
ونقص من الثمرات لعلهم يذكرون
فإذا جاءتهم الحسنة قالوا لنا هذه
وإن تصبهم سيئة يطيروا بموسى ومن
معه ألا إنما طائرهم عند الله ولكن
أكثرهم لا يعلمون وقالوا مهما تأتنا به
من آية لتسحرنا بها فما نحن لك
بمؤمنين فأرسلنا عليهم الطوفان والجراد
والقمل والضفادع والدم آيات مفصلات
فاستكبروا وكانوا قوما مجرمين (اعراف)
فلما جاءتهم آياتنا مبصرة قالوا هذا
سحر مبين وجحدوا بها (نمل) ولقد
أريناه آياتنا كلها فكذب وأبى (طہ)
فلما جاءهم موسى بآياتنا قالوا ما
هذا إلا سحر مفترى وما سمعنا
بهذا في آبائنا الأولين وقال موسى
ربي أعلم بمن جاء بالهدى من عنده
ومن تكون له عاقبة الدار (قصص)
قالوا أجئتنا لتلفتنا عما وجدنا عليه
آباءنا وتكون لكما الكبرياء في الأرض
وما نحن لكما بمؤمنين (یونس) قال
فرعون يا أيها الملأ ......

کاٹوں گا اور تمکو کھجوروں کے درختوں کی تنوں کی سولی پر چڑھادونگا اور بلاشبہ تم جانو گے کہ کون سب سے زیادہ عذاب دینے میں سخت ہے اور کسکا عذاب زیادہ پائدار ہے، وہ بولے کہ جو چیزیں علانیہ ہمارے سامنے ہوئی ہیں اُنپر اور اُسپر جسنے ہمکو پیدا کیا ہے تجھکو ہم ترجیح نہیں دیسکتے پھر جو تو حکم دینا چاہتا ہے حکم دے، تو ہمیں نہیں بُرا لگتا کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لائے ہیں اور کوئی گناہ نہیں ٹھہراتا، ای ہمارے پروردگار ہم پر مصیبتیں (ہمپر ڈالیں تو ہمارے دل میں) صبر ڈالدے اور ہمکو مسلمان مار ✦

اور بلاشبہ ہمنے فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کی کم پیداوار میں گرفتار کیا شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں پھر جب اُنکو فراخی ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لیئے ہی ہے اور جب اُنپر سختی پڑتی تھی تو موسیٰ کی اور اُنکے ساتھ کے لوگوں کی نحوست بتلاتے تھے، سمجھ رکھو اُسکے سوا کوئی بات نہیں کہ جو نحوست اُنکے لیئے تھی وہ خدا کے پاس سے تھی مگر اُنمیں کے بہت سے لوگ نہیں جانتے، فرعون والوں نے موسیٰ سے کہا کہ جو نشانیاں تم لاؤگے تاکہ ہمپر اُنسے جادو کرو تو ہم تجھپر ایمان نہیں لانے کے، پھر ہمنے اُنپر طوفان اور ٹڈی دل اور جوئیں اور مینڈک اور خون کا مینھ نازل کیا جدا جدا نشانیاں پھر اُنھوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار قوم تھی جب اُنکے پاس دکھائی دیتی ہوئی ہماری نشانیاں آئیں تو بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور اُن نشانیوں کا انکار کیا، اور البتہ ہمنے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھلائیں پھر اُسنے جھٹلایا اور انکار کیا، اور جب موسیٰ اُنکے پاس ہماری نشانیاں لیکر آیا تو بولے کہ یہ تو بجز بنائے ہوئے جادو کے کچھ نہیں ہے اور ہمنے اپنے اگلے بڑوں میں ایسی بات نہیں سُنی، موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار بخوبی جانتا ہے کہ کون اُسکے پاس سے ہدایت لیکر آیا ہے اور کسکے لیئے پچھے کو اس گھر کی بھلائی ہوگی، فرعون والے بولے کہ کیا تو ہمارے پاس اسلیئے آیا ہے کہ ہمکو اُس سے پھیرے جسپر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی ہو اور ہم تم دونوں کو نہیں مانتے ہیں فرعون نے کہا کہ اے گروہ

www.poetrymania.com©

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ	اور (یاد کرو) جب ہم نے موسٰی کو کتاب اور صحیح کو غلط سے جدا کرنے والی (چیز) دی

بھی اور وہاں بھی جہاں قرآن میں آیا ہے "فضرب بعصاک الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا" ضرب کے معنے "زدن" کے لیئے اور اس سیدھی سادھی معجزہ کو ایک معجزہ خارج از قانون قدرت بنا دیا +

اس مقام پر ضرب کے معنے "زدن" کے نہیں ہیں بلکہ چلنے کے یا جلد چلنے کے ہیں جیسے عرب بولتے ہیں "ضرب فی الارض" چلا یا دوڑا زمین پر خود

ما علمت لکم من الہ غیری فاوقد لی یاھامان علی الطین فاجعل لی (قصص) ابن لی (مومن) صرحا لعلی اطلع الی الٰہ موسٰی (قصص) لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات (مومن) وانی لاظنہ من الکٰذبین (قصص) وجاءھم (ای قوم فرعون) رسول کریم ان ادوا الیّ عباد اللہ انی لکم رسول امین وان لا تعلوا علی اللہ انی اٰتیکم بسلطان مبین

وانی عذت بربی وربکم ان ترجمون وان لم تؤمنوا لی فاعتزلون (دخان)

فلما جاءھم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا ابناء الذین اٰمنوا معہ واستحیوا نساءھم وما کید الکٰفرین الا فی ضلل

وقال فرعون ذرونی اقتل موسٰی ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد (مومن)

وقال رجل مومن من اٰل فرعون یکتم ایمانہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینٰت من ربکم وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب یٰقوم لکم الملک

میں تمھارے لیئے سوائے اپنے کوئی خدا نہیں جانتا پھر اے ہامان میرے لیے مٹی کی اینٹیں آگ میں پکا اور میرے لیے اونچا محل بنا تاکہ میں موسٰی کے خدا کے پاس چڑھ جاؤں اور میں تو اسکو جھوٹوں میں سمجھتا ہوں اور آیا فرعون کی قوم کے پاس ایک بزرگ پیغمبر (یعنے موسٰی) یہ کہتا ہوا کہ میرے حوالے کردو خدا کے بندوں کو بیشک میں تمھارے لیئے خدا کا بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں اور تم خدا پر سرکشی مت کرو میں ضرور تمھارے سامنے کھلی دلیلیں لاتا ہوں اور بے شبہ میں اپنے پروردگار اور تمھارے پروردگار کی اس بات سے کہ تم مجھکو سنگسار کرو پناہ مانگی ہے اور اگر تم مجھکو نہیں مانتے تو مجھسے جدا ہو جاؤ پھر جب موسٰی انکے پاس ہمارے پاس سے حق بات لیکر آیا تو بولے کہ ان لوگوں کے بیٹوں کو مار ڈالو جو اسپر ایمان لائے ہیں اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دو حالانکہ کافروں کی مکاری بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں اور فرعون نے کہا مجھکو چھوڑ دو (یعنی اجازت دو) کہ میں موسٰی کو مار ڈالوں اور وہ اپنے پروردگار کو پکارا ہی کرے بلاشبہ مجھے خوف ہے کہ تمھارا دین بدلدے اور ملک میں فساد برپا کرے اور فرعون والوں میں سے ایک مسلمان شخص نے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو مار ڈالوگے جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور تمھارے پاس تمھارے پروردگار سے نشانیاں

www.poetrymania.com©

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۰﴾	کہ شاید تم راہ پر آؤ (۵۰)

قرآن مجید میں آیا ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ (نساء) یعنی جب تم چلو زمین پر یعنی سفر کرو تو کچھ حرج نہیں ہے کہ نماز میں کمی کرو، پس صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو کہا کہ، اپنی لاٹھی کے سہارے سے سمندر میں چل وہ پھٹا ہوا یا کھلا ہوا ہے یعنی پایاب ہو رہا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں

الیوم ظاھرین فی الارض فمن ینصرنا من بأس اللہ ان جاءنا قال فرعون ما اریکم الا ما اری وما اھدیکم الا سبیل الرشاد (مومن) وقال الذی اٰمن یا قوم انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب مثل داب قوم .... نوح وعاد و ثمود والذین من بعدھم وما اللہ یرید ظلما للعباد ویا قوم انی اخاف علیکم یوم التناد یوم تولون مدبرین ما لکم من اللہ من عاصم ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد (مومن) ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا (مومن)

وقال فرعون یا ھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السمٰوٰت فاطلع الی الٰہ موسیٰ وانی لاظنہ کاذبا وکذلک زین لفرعون سوء عملہ وصد عن السبیل وما کید فرعون الا فی تباب (مومن)

لایا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہو تو اسکا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو تو تمکو بعضی وہ مصیبتیں پہونچینگی جنکا وہ وعدہ کرتا ہے ہرگز خدا اُس شخص کو جو حد سے تجاوز کرنے والا اور دغگو ہو ہدایت نہیں کرتا اے میری قوم آج کے دن تمھارے بادشاہت ہے دنیا پر غالب ہو پھر خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجاوے کون ہمکو مدد دیگا فرعون نے کہا کہ میں تمکو بجز اُسکے جو میں دیکھتا یا سمجھتا ہوں اور کچھ نہیں سمجھاتا اور میں تمکو بجز راہ راست کے اور کچھ نہیں بتاتا، اُس شخص نے جو ایمان لے آیا تھا کہا کہ اے میری قوم بیشک میں تمپر ایسے دن کا جو اگلے گروہوں پر گذرا ہے خوف کرتا ہوں جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کی جو انکے بعد ہوئیں حالت ہوئی اور خدا بندوں پر ظلم کرنیکا ارادہ نہیں کرتا اے میری قوم بیشک میں تمپر چلا چلا مچ پڑنے کے دن کا خوف کرتا ہوں اُس دن کہ تم اوندھے منہ پیٹھ پھیر کر پھرو گے کوئی تمکو خدا سے بچانے والا نہوگا اور جسکو خدا گمراہ کرتا ہے اسکو کوئی راہ بتانے والا نہیں ہوتا البتہ تمھارے پاس اس سے پہلے کھلی ہوئی نشانیاں لیکر یوسف آیا پھر تم ہمیشہ اس بات میں جو وہ تمھارے پاس لایا تھا شبہ میں رہے یہانتک کہ جب وہ مر گیا تو تم نے کہا کہ ہرگز نہیں بھیجنے کا اللہ اسکے بعد کسی پیغمبر کو ✦

فرعون نے کہا اے ہامان میرے لیئے ایک محل بنا تاکہ میں رستوں تک آسمانوں کے رستوں تک پہنچ جاؤں پھر موسیٰ کے خدا کے پاس چڑھ جاؤں اور میں تو اسکو جھوٹا سمجھتا ہوں اور ایسے ہی فرعون کو اُسکے بدعمل بھلے کر دکھلائے گئے تھے اور سیدھے رستہ سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کے مکر بجز تباہی کے اور کچھ نہ تھے ✦

www.poetrymania.com©

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

جو آیت ہے اسمیں صاف بیان ہوا ہے کہ میرے بندوں کو رات کو سمندر میں سوکھے رستے سے لیکر نکل چل پس جو معجزہ تھا وہ یہی تھا کہ ایسی مشکل کے وقت میں سمندر کے پایاب ہونے سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو اور تمام بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجے سے بچا دیا اور جب فرعون نے پایاب اترنا چاہا تو پانی بڑھ گیا تھا وہ معہ اپنے لشکر کے ڈوب گیا ❖

ان قارون كان من قوم موسىٰ فبغى
عليهم واٰتينٰه من الكنوز ما انّ
مفاتحه لتنوء بالعصبة اولى القوة
اذ قال له قومه لا تفرح انّ الله لا
يحب الفرحين وابتغ فيما اٰتاك
الله الدار الاٰخرة ولا تنس نصيبك
من الدنيا واحسن كما احسن الله
اليك ولا تبغ الفساد فى الارض انّ
الله لا يحب المفسدين قال انّما
اوتيته على علم عندى اولم يعلم
انّ الله قد اهلك من قبله من القرون
من هو اشد منه قوة واكثر جمعا
ولا يسئل عن ذنوبهم المجرمون فخرج
على قومه فى زينته قال الذين
يريدون الحيوة الدنيا يٰليت لنا
مثل ما اوتى قارون انه لذو حظ
عظيم وقال الذين اوتوا العلم
ويلكم ثواب الله خير لمن اٰمن و
عمل صالحًا ولا يلقٰها الّا الصّٰبرون
فخسفنا به وبداره الارض فما
كان له من فئة ينصرونه من دون
الله وما كان من المنتصرين واصبح
الذين تمنوا مكانه بالامس يقولون

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا پھر اسنے پھر گیا اور ہمنے اسکو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اسکی کنجیاں ایک قوی گروہ پر بھی بھاری تھیں جب اسکی قوم نے اس سے کہا کہ مت اترا کہ خدا اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو کچھ خدا نے تجھکو دیا ہے اسمیں آخرت کو ڈھونڈ اور اپنے حصہ کو دنیا میں سے مت بھول اور احسان کر جسطرح کہ خدا نے تجھپر احسان کیا ہے اور دنیا میں فساد مت مچا کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اسنے کہا کہ مجھکو یہ دولت صرف میری دانائی کے سبب دی گئی ہے۔ کیا وہ نہ سمجھا کہ بیشک خدا نے کسی زمانہ میں اس سے پہلے انکو ہلاک کر دیا جو اس سے بھی زیادہ قوی اور زیادہ دولت والے تھے اور کیا گنہگار اپنے گناہوں پر پوچھے نہ جاوینگے پھر قارون اپنی قوم کے سامنے تجمل سے نکلا جو لوگ دنیا ہی کی زندگی کو چاہتے تھے انھوں نے کہا کہ کاش ہمارے پاس بھی وہ کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے بیشک وہی بڑا صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو دانش دی گئی تھی انھوں نے کہا افسوس تیرا، خدا کا ثواب انکے لئے جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں بہت اچھا ہے اور وہ بجز صبر کرنیوالوں کے اور کسی کو نہیں ملتا۔ پھر ہمنے قارون کو اسکے گھر سمیت زمین میں دھسا دیا پھر کوئی گروہ خدا کے سوا اسکے لیے نہ تھا جو اسکی مدد کرے اور نہ وہ اپنے آپ مدد کر سکتا تھا اور جن لوگوں نے کل اسکے مرتبہ کی آرزو کی تھی یہ کہتے ہوئے صبح کی

www.poetrymania.com©

یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ،

کہ اے میری قوم تم نے اپنی جانوں پر بچھڑا ابنا کر ظلم کیا

اس مقام پر یہ بحث پیش آویگی کہ جب ،،ضرب،، کے معنی چلنے کے آتے ہیں اور اسکے صلہ میں ،،فی،، کا لفظ آتا ہے جیسکہ ،،اذا ضربتم فی الارض،، میں ہے حالانکہ ،،ان اضرب بعصاك البحر،، اور ،،فاضرب بعصاك الحجر،، میں ،،فی،، نہیں ہے مگر فی کے نہونے سے کچھ حرج نہیں ہے اسلیئے کہ جب ،،ضرب،، کے

ویکانّ الله یبسط الرزق لمن یشاء من عباده ویقدر لولا ان منّ الله علینا لخسف بنا ویکانه لا یفلح الکافرون (قصص) +

،،اور ہو اسد اپنے بندوں میں سے جسکے لیئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کرتا ہے اور جسکے لیئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اگر خدا ہمپر احسان نہ کرتا تو ہمکو دھنسا دیتا ، اور ہوہ وہ نہیں فلاح پہنچاتا کافروں کو +

ونادی فرعون فی قومه قال یٰقوم الیس لی ملك مصر وهٰذه الانهار تجری من تحتی افلا تبصرون ام انا خیر من هٰذا الذی هو مهین ولا یکاد یبین فلولا القی علیه اسورة من ذهب او جاء معه الملائکة مقترنین (زخرف) ولما وقع علیهم الرجز قالوا یا موسیٰ ادع لنا ربك بما عهد عندك لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنی اسرائیل فلما کشفنا عنهم الرجز الی اجل هم بالغوه اذا هم ینکثون (اعراف) و اخذناهم بالعذاب لعلهم یرجعون وقالوا یا ایها الساحر ادع لنا ربك بما عهد عندك اننا لمهتدون (زخرف) قال موسیٰ ربنا انك اتیت فرعون وملأه زینة واموالا فی الحیٰوة الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلك ربنا اطمس

اور فرعون نے اپنے لوگوں میں پکار کر کہا کہ اے لوگوں کیا میرے پاس مصر کا ملک نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے ملک کے نیچے بہتی ہیں پھر کیا تم نہیں دیکھتے ہو آیا میں اچھا ہوں اُس شخص سے جو ذلیل ہے اور نہیں بیان کر سکتا کہ کیوں نہ اُسپر ڈالے گئے سونے کے کنگن اور کیوں نہ اسکے ساتھ فرشتے ساتھ رہنے کو آئے ۔ اور جب فرعون والوں پر آفت پڑی تو بولے اے موسیٰ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے جسطرح اُسنے تجھکو بتایا ہے دعا مانگ اگر ہمپر سے آفت جاتی رہی تو ہم تجھپر ضرور ایمان لاوینگے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دینگے ، پھر جب ہمنے اُنپر سے ایک مدت تک آفت کو دور کر دیا جس آفت تک وہ پہنچنے کو تھے تو وہ پھر گئے ۔ اور ہمنے اُنکو عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ اپنے دلوں سے پھر جاویں ۔ فرعون والوں نے کہا اے جادوگر ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے جسطرح کہ اسنے تجھکو بتایا ہے دعا مانگ بیشک ہم ہدایت پا گئے ہیں موسیٰ نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون کو اور اسکے درباریوں کو تجمل اور دولت دنیا کی زندگی میں دی ہے بلے ہمارے پروردگار کیا اسلیئے کہ تیرے رستے سے گمراہ کریں اے پروردگار ہمارے ستیاناسی ڈال

www.poetrymania.com©

پھر معافی چاہو اپنے پروردگار سے،	فتوبوا الی بارئکم

معنے چلنے کے لیئے جاتے ہیں تو بواسطہ حرف جر یعنی ،،فی،، کے متعدی کیا جاتا ہے اور جو افعال کہ بواسطہ حرف جر کے متعدی ہوتے ہیں اُن میں حرف جر کو محذوف کرنا اور فعل کو بلا واسطہ مفعول کی طرف متعدی کرنا جائز ہے۔ اور اس مفعول کو منصوب علی نزع الخافض کہتے ہیں۔ اس مقام پر فعل ،،اضرب،،

على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم قال قد اجيبت دعوتكما فاستقيما ولا تتبعان سبيل الذين لا يعلمون (یونس) قال موسى لقومه استعينوا بالله واصبروا ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين قالوا اوذينا من قبل ان تأتينا ومن بعد ما جئتنا قال عسى ربكم ان يهلك عدوكم ويستخلفكم في الارض فينظر كيف تعملون (اعراف) +

ولقد اوحينا الى موسى ان اسر بعبادي فاضرب لهم طريقا في البحر يبسا لا تخاف دركا ولا تخشى (طہ) ناسر بعبادي ليلا انكم متبعون واترك البحر رهوا انهم جند مغرقون فاوحينا الى موسى ان اضرب بعصاك البحر فانفلق فكان كل فرق كالطود العظيم (شعرا) واذ فرقنا بكم البحر فانجينكم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون

اُن کے مالوں پر اور سختی ڈال اُنکے دلوں پر پھر وہ نہیں ایمان لاوینگے جبتک کہ دُکھ دینے والا عذاب نہ دیکھینگے، خدا نے کہا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی پھر مستقل رہو اور اُنکی راہ مت چلو جو نہیں جانتے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور صبر کرو بیشک یہ زمین خدا کی ہے اُسکو اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اور آخر کو بھلائی پرہیزگاروں کے لیئے ہے، اُنھوں نے کہا کہ ہمکو تو تیرے آنے سے پہلے اور تیرے آنے کے بعد اذیت ہی دی گئی ہے موسیٰ نے کہا کہ قریب ہے خدا تمھارے دشمن کو ہلاک کریگا اور عنقریب تمکو زمین پر خلیفہ کر دیگا پھر دیکھیگا کہ تم کسطرح کرو گے +

ہمنے موسیٰ پر وحی کی کہ رات کو لیچل میرے بندوں کو چل اُن کے لیئے سمندر کے سوکھے رستہ میں مت خوف کر پکڑ لیئے جانے سے (اور نہ اور کسی طرح کا ڈر کر) لیچل میرے بندوں کو رات کو تم (دشمن سے) تعاقب کیے جاؤ گے اور چھوڑ چل سمندر کو ایسی حالت میں کہ + اُترا ہوا ہے بیشک فرعون کے لوگ ایک لشکر ہے کہ ڈبو یا جاویگا۔ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے سمندر میں کہ وہ پھٹا ہوا ہے پھر تھا ہر ایک ٹکڑہ بڑی پہاڑ کی مانند اور جب کہ ہمنے تمھارے سبب سے سمندر کو جدا کر دیا پھر ہمنے تمکو بچایا اور ہمنے فرعون والوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھتے تھے۔

+ ،،رھوا،، کا ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب نے ،،تھم رہا،، کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے ،،خشک،، کیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ،،آرمیدہ،، اور قاموس میں اُس کے معنی لکھے ہیں ،،المرتفع والمنخفض ضد وسکون،، +

www.poetrymania.com©

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ	پس مار ڈالو اپنے آپ کو،

کے ،،عصا،، کے ساتھ ربط دینے کو ایک حرف جر یعنی ،،ب،، عصا، پر آچکی تھی پھر اُسی فعل کو مفعول کی جانب متعدی کرنے کے لیئے دوسرے حرف جر یعنے ،،فی،، کا لانا کسیقدر فصاحت کلام کے مناسب نہ تھا اور اسلیئے اُسکا حذف اولی تھا پس تقدیر کلام کی یہ ہے کہ ،،فاضرب بعصاک فی البحر،، اور قرینہ

(بقر) فاتبعوھم مشرقین فلما تراء الجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال کلا ان معی ربی سیھدین (شعرا) فاتبعھم فرعون بجنودہ فغشیھم من الیم ما غشیھم واضل فرعون قومہ وما ھدیٰ (طٰہٰ) وازلفنا ثم الاخرین وانجینا موسیٰ ومن معہ اجمعین ثم اغرقنا الاخرین (شعرا) فانتقمنا منھم فاغرقناھم فی الیم بانھم کذبوا بایاتنا وکانوا عنھا غافلین (اعراف) فاخذناہ وجنودہ فنبذناھم فی الیم (قصص) فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقناہ ومن معہ جمیعًا وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الاخرۃ جئنا بکم لفیفا (بنی اسرائیل)

وظللنا علیکم الغمام وانزلنا علیکم المن والسلوٰی کلوا من طیبات ما رزقنکم وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون (بقر) ونزلنا علیکم المن والسلوٰی کلوا من طیبات ما رزقنکم ولا تطغوا فیہ فیحل علیکم غضبی ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھویٰ (طٰہٰ)

پھر سورج کے نکلتے ہی فرعون والوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا پھر جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے لوگوں نے کہا کہ اب ہم پکڑے گئے موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بیشک میرے ساتھ میرا خدا ہے جو ٹھیک رستہ بتاویگا۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر سمیت اُنکا پیچھا کیا پھر ڈھانک دیا اُنکو سمندر میں سے جسنے اُنکو ڈھانک لیا، ور غلط راہ پر لیگیا فرعون اپنی قوم کو اور ٹھیک رستہ نہ بتایا۔ اور ہمنے پچھلوں کو قریب کر دیا اور ہمنے موسیٰ کو اور جو اُسکے ساتھ تھے سب کو بچا دیا پھر ہمنے پچھلوں کو ڈبو دیا۔ پھر ہمنے بدلا لیا اُنسے اور ہمنے اُنکو سمندر میں ڈبو دیا اسلیئے کہ بے شبہ اُنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور اُس سے غافل تھے پھر پکڑا ہمنے فرعون کو اور اُسکے لشکر کو اور اُنکو ہمنے سمندر میں ڈالدیا۔ فرعون چاہتا تھا کہ اُنکو زمین سے نکال دے پھر ہمنے اُسکو ڈبو دیا اور سب کو جو اُسکے ساتھ تھے اور اُسکے بعد ہمنے بنی اسرائیل کو کہا کہ رہو اِس زمین پر پھر جب آویگا آخرت کا وعدہ تو ہم تمکو لا دینگے طوان ۰

ہمنے تمپر چھانوں کی بدلی اور تمپر من وسلوےٰ اُتارا کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہمنے تمکو دیں اور ہمنے اُنپر ظلم نہیں کیا مگر اُنھوں نے آپ اپنے پر ظلم کیا تھا۔ اور ہمنے تمپر من وسلوےٰ اُتارا کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہمنے تمکو دی ہیں اور اُسمیں زیادتی مت کرو تاکہ میرا غصہ تمپر نازل ہو اور جسپر میرا غصہ نازل ہو لو وہ ہلاک ہوا۔ اور جدا کر دیئے ہمنے بنی اسرائیل کے اسباط کے بارہ گروہ

www.poetrymania.com©

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
عِنْدَ بَارِئِكُمْ

یہ اچھا ہے تمہارے لیئے تمہارے
پروردگار کے نزدیک ،

حذف ،،فی،، کا خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کیونکہ یہی قصہ انہی الفاظ سے سورہ طٰہٰ میں بھی آیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ ،،فاضرب لھم طریقا فی البحر،، پس ایک جگہ لفظ ،،فی،، مذکور ہے تو یہی قرینہ باقی مقامات میں اُسکے محذوف ہونے کا ہے۔ اسی آیت میں فعل ،،اضرب،، کے بلا واسطہ حرف جر متعدی الے

وقطعنا ھم اثنتی عشرۃ اسباطا امما و
اوحینا الی موسٰی اذ استسقاہ قومہ ان
اضرب بعصاک الحجر فانبجست (اعراف)
فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا قد علم کل
اناس مشربھم کلوا واشربوا من رزق
اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین (بقرہ)
واذ قلتم یا موسٰی لن نصبر علی طعام
واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض
من بقلھا وقثائھا وفومھا وعدسھا وبصلھا
قال اتستبدلون الذی ھو ادنٰی بالذی
ھو خیر اھبطوا مصرا فان لکم ما سألتم (بقرہ)
وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا
علی قوم یعکفون علی اصنام لھم
قالوا یا موسٰی اجعل لنا الٰھا کما لھم
اٰلھۃ قال انکم قوم تجھلون
ان ھؤلاء متبر ما ھم فیہ و
باطل ما کانوا یعملون (اعراف)
واذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ
فکلوا منھا حیث شئتم رغدا و
ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطۃ
نغفر لکم خطایاکم وسنزید المحسنین
فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی
قیل لھم فارسلنا علیھم رجزا من السماء

اور ہمنے موسٰی پر وحی کی جبکہ اُسکی قوم نے پانی مانگا کہ
چل اپنی لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر اُس سے بہتے
ہیں ، پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے اُن میں ہر ایک نے
اپنا گھاٹ جان لیا کھاؤ اور پیو خدا کے دیئے ہوئے رزق
سے اور زمین پر مفسد ہو کر نافرمانی مت کرو جب تمنے
کہا کہ اے موسٰی ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ہم
اپنے پروردگار سے دعا مانگ کہ ہمارے لیئے وہ چیزیں
نکالے جو زمین اُگاتی ہے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور
مسور اور پیاز اور لسن موسٰی نے کہا کیا تم بدلنا چاہتے
ہو بُرے کو بھلے سے جا اُترو شہر میں کہ تمکو ملے گا جو تم
مانگتے ہو ✦

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا سے نکال لیگئے پھر وہ
ایک ایسی قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں کی سیوا کرتے
تھے بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسٰی ہمارے لیئے بھی
ایسے معبود بنا جیسے اُنکے معبود ہیں موسٰی نے کہا کہ
بیشک تم جاہل قوم ہو یہ خراب حالت ہے جسمیں یہ لوگ
ہیں اور غلط ہے جو یہ کرتے ہیں اور جب ہمنے تمسے کہا
کہ داخل ہو اس شہر میں پھر کھاؤ اُسمیں سے جو چاہو
پیٹ بھر کر اور داخل ہو دروازوں میں سجدہ کرتے
ہوئے اور کہو کہ ہم معافی چاہتے ہیں بخشدینگے ہم تمہاری
سب خطائیں اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ دینگے ہم
ظالموں نے بات بدلدی اُسکے سوا جو انسے کہی گئی
پھر ہمنے اُنکی بدکاری کے سبب اُن پر آسمان سے آفت بھیجی

www.poetrymania.com©

فَتَابَ عَلَیْکُمْ	پھر (خدا نے) تمکو معاف کیا،

المفعول ہونے کی مثال بھی موجود ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "پس بر وبرائے ایشاں درراہ خشک" یعنی شاہ صاحب نے "ضرب" کے معنی زدن کے نہیں لیئے رفتن کے لیئے ہیں جو لازمی ہے اور لفظ "طریقا" اس آیت میں "اضرب" کا مفعول ہے اور بلا واسطہ حرف جر متعدی الی المفعول ہوا ہے ✦

جغرافیہ کے نقشوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ خلیج عرب اور بحر احمر عدن کے پاس ملگئے ہیں دونوں طرف پہاڑ ہیں اور انکے بیچ میں نہایت

بما کانوا یفسقون (الاعراف)

ولما جاء موسٰی لمیقاتنا وکلمه ربه قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسٰی صعقا فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اول المؤمنین قال یموسٰی انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبکلامی فخذ ما اتیتک وکن من الشاکرین (اعراف)

واذ قلتم یا موسٰی لن نؤمن لک حتی نری اللہ جهرة (البقرہ) واختار موسٰی قومه سبعین رجلا لمیقاتنا (اعراف) فاخذتکم الصعقة وانتم تنظرون ثم بعثناکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون (بقرہ) فلما اخذتهم الرجفة قال رب لو شئت اهلکتهم من قبل وایای (اعراف)

واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتیناکم بقوة واذکروا ما فیه لعلکم تتقون (بقرہ)

اور جب موسٰی ہمارے وقت معررہ پر آیا اور اُس کے پروردگار نے اُس سے بات کی تو کہنے کہا کہ تو مجھکو اپنے تئیں دکھا دے تاکہ میں تجھکو دیکھوں خدا نے کہا کہ تو مجھکو ہرگز نہیں دیکھ سکیگا لیکن تو اس پہاڑ کو دیکھ پھر اگر پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھیرا رہا تو تو مجھکو دیکھ سکیگا، پھر جب اُسکے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو اُسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسٰی بیہوش ہو کر گرا پھر جب ہوش میں آیا تو کہا کہ تو پاک ہے اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں خدا نے کہا اے موسٰی میں نے تجھکو اور لوگوں پر اپنا رسول کرنے اور خود کلام کرنے سے برگزیدہ کیا ہے پھر جو میں تجھکو دیتا ہوں اُسکو لے اور شکر کرنے والوں میں ہو۔ اور جب تمنے کہا اے موسٰی ہم تجھپر ایمان نہ لاوینگے جبتک کہ علانیہ خدا کو نہ دیکھیں۔ اور موسٰی نے ہمارے وقت معررہ پر حاضر ہونے کے لیئے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چھانٹے پھر تمکو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور یہ سب باتیں تم دیکھتے تھے پھر ہمنے تمکو تمھارے مرجانے (بیہوش ہو جانے) کے بعد اٹھایا کہ شاید تم شکر کرو۔ پھر جب انکو کپکپاہٹ نے پکڑا تو موسٰی نے کہا اے پروردگار اگر تو چاہتا تو اُس سے پہلے ہی انکو اور مجھکو بھی مار ڈالتا۔ اور جب ہمنے تمسے قول لیا اور تمھارے اوپر پہاڑ کو بلند کیا کہ مضبوط پکڑو جو کچھ ہمنے تمکو دیا ہے اور یاد رکھو جو کچھ اسمیں ہے ... شاید کہ تم بچ جاؤ۔

www.poetrymania.com©

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۱﴾	ہاں وہ بڑا معاف کرنیوالا بڑا مہربان ہے (۵۱)

تنگ رستہ ہے جو جہاز خلیج عرب سے بحر احمر میں جاتے ہیں وہ اُسی تنگ رستہ میں ہوکر گذرتے ہیں اس رستہ کو طے کرنیکے بعد بحر احمر ملتا ہے جو نہایت بڑا اور وسیع سمندر ہے جب اُسکے شمال کی طرف چلے جاؤ تو اخیر کو اُسکی دو شاخیں ہوگئی ہیں، اگر تم اپنے دھائیں ہاتھ کو چیت کرکر سب انگلیاں بند کرو اور صرف بیچ کی اُنگلی اور کلمے کی انگلی کھولدو اور دونوں کو پھیلا کر تا نو تو بحر احمر کی شاخوں کی بالکل صورت بنجاویگی کلمہ کی اُنگلی دھائیں طرف رہیگی اور بیچ کی اُنگلی بائیں طرف اور اُن دونو کے بیچ میں ایک مثلث کی صورت دکھائی دیگی بحر احمر کی دھائیں شاخ جو جانب شرق ہے چھوٹی ہے جیسیکہ کلمہ کی اُنگلی چھوٹی ہے اور بائیں شاخ جو جانب غرب ہے کسیقدر بڑی ہے

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (اعراف) وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (طہٰ) وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اعراف) وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (اعراف) قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (طہٰ) فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ

اور جب ہمنے اُنپر پہاڑ کو اُٹھایا گویا کہ وہ سایبان تھا اور انھوں نے گمان کیا کہ وہ اُنپر گریگا مضبوطی سے پکڑو جو ہمنے تمکو دیا ہے۔ ہمنے موسیٰ سے کہا کہ کیوں تو جلدی کرکے چلا آیا اپنی قوم کے پاس سے کہا وہ بھی میرے پیچھے ہیں اور میں تیرے پاس جلدی چلا آیا ہوں تاکہ اے پروردگار تو راضی ہو، اور وعدہ کیا ہمنے موسیٰ سے تیس رات کا اور ہمنے پورا کیا اُسکو دس سے پھر تمام ہوگئی میعاد اُسکے پروردگار کی چالیس رات، اور موسےٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرا خلیفہ ہو اور اصلاح کر اور مفسدوں کے طریق کی پیروی مت کر موسےٰ کی قوم نے اُسکے بعد اپنے زیور سے ایک بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں سے آواز نکلتی تھی۔ خدا نے موسیٰ سے کہا کہ ہمنے تیرے بعد تیری قوم کو فتنہ میں ڈالا اور سامری نے اُن کو گمراہ کردیا۔ پھر سامری نے اُنکے لیئے بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں آواز نکلتی تھی پھر وہ بولے کہ یہ ہے ہمارا خدا اور موسےٰ کا خدا موسےٰ تو بھول گیا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اُنکی بات کا اُلٹ کر جواب نہیں دیتا اور نہ اُن کے لیئے ضرر اور نہ نفع پہنچانے کا مالک ہے۔ اور پہلے ہی سے ہارون نے اُنسے کہا تھا

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ	اور (یاد کرو) جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تجھ پر یقین نہیں کرینگے

جیسے کہ بیچ کی انگلی بڑی ہے اور یہ سمجھو کہ بیچ کی انگلی یعنے بڑی شاخ کے بائیں طرف مصر ہے اور اُن دونوں انگلیوں کے بیچ میں جو مثلث جگہ ہے وہ جگہ اُن جنگلوں اور پہاڑوں کی ہے جہاں بنی اسرائیل چالیس برس تک ٹکرالے پڑے پھرے اور اُسی جگہ کوہ سینا یا کوہ طور ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی ہوئی اور توریت ملی *

جس زمانہ میں بنی اسرائیل مصر میں رہتے تھے اور فرعون مشہور بادشاہ تھا اُس زمانہ میں اُسکا دارالسلطنت شہر رامیسس تھا اُسکے بائیں طرف تھوڑی فاصلہ پر

یاقوم انما فتنتم به وان ربکم الرحمان فاتبعونی واطیعوا امری قالوا لن نبرح علیه عاکفین حتی یرجع الینا موسٰی (طه) فرجع موسٰی الی قومه غضبان اسفا (طه) قال موسٰی لقومه یاقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذٰلکم خیر لکم عند بارئکم (بقر) ان الذین اتخذوا العجل سینالهم غضب من ربهم وذلة فی الحیوة الدنیا (اعراف) قال یاقوم الم یعدکم ربکم وعدا حسنا افطال علیکم العهد ام اردتم ان یحل علیکم غضب من ربکم فاخلفتم موعدی (طه) قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح واخذ براس اخیه یجره الیه قال ابن ام	کہ اے قوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم اس سے فتنہ میں ڈالے گئے ہو اور بیشک تمہارا پروردگار رحم والا ہے میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو اُنھوں نے کہا کہ ہم اسی کے سیوا کیا کرینگے جب تک کہ موسیٰ لوٹ کر نہ آوے پھر موسیٰ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آیا غصہ میں بھرا ہوا افسوس کرتا ہوا موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے اس بچھڑے بنانے میں اپنی جانوں پر ظلم کیا توبہ کرو اللہ کے سامنے اور مار ڈالو اپنی جانوں کو یہی تمھارے حق میں تمھارے خدا کے نزدیک بہتر ہے جن لوگوں نے بچھڑا بنایا قریب ہے کہ اُنکے پروردگار کا غصہ اُن تک پہنچیگا اور ذلت دنیا کی اس زندگی میں * موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم کیا تم سے خدا نے وعدہ نہیں کیا تھا اچھا وعدہ اور کیا ایک لمبا زمانہ تم پر گذر گیا تھا یا تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے پروردگار کا غصہ آترے اسلئے تم نے میرے وعدے کے برخلاف کیا۔ موسیٰ نے کہا کہ بہت بُرا کیا تم نے میرے بعد کیا جلدی کی تم نے اپنے پروردگار کے حکم میں اور پھینک دیا الواح توریت کو اور اپنے بھائی کے سر بال پکڑ کر اپنے طرف کھینچا اُسنے کہا کہ اے میرے ماجائے

www.poetrymania.com©

حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً

جبتک کہ ہم علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں ۵۱

دریائے نیل تھا اور دائیں طرف یعنی جانب شرق تین منزل کے فاصلہ پر بحر احمر کی بڑی شاخ تھی حضرت موسٰی بنی اسرائیل کو شہر رامیس سے لیکر نکلے پہلی منزل "سکوت" میں ہوئی دوسری منزل "ایثام" میں تیسری منزل "فم الحیرت" میں یہ مقام بحر احمر کی بڑی شاخ کے بائیں کنارہ پر یعنی جانب غرب اس شاخ کی نوک کے پاس واقع تھا۔ جب فرعون نے مع اپنے لشکر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو راتوں رات حضرت موسٰی بنی اسرائیل سمیت بحر احمر کی بڑی شاخ کی نوک میں سے جہاں ہمنے نقشہ میں نقطوں کا نشان کردیا ہے پار اُتر گئے معلوم ہوتا

ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فلا تشمت بی الاعداء و لا تجعلنی مع القوم الظالمین (اعراف) انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی (طہ) قالوا ما اخلفنا موعدک بملکنا ولکنا حملنا اوزارا من زینۃ القوم فقذفناها فکذلک القی السامری (طہ) قال فما خطبک یا سامری قال بصرت بما لم یبصروا به فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتها وکذلک سوّلت لی نفسی قال فاذهب فان لک فی الحیٰوۃ ان تقول لا مساس (طہ) ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح وفی نسختها هدًی ورحمۃ للذین هم لربهم یرهبون (اعراف) ثم اٰتینا موسی الکتاب تماما علی الذی احسن وتفصیلا لکل شئ وهدی ورحمۃ لعلهم بلقاء ربهم یؤمنون (انعام) +

ان لوگوں نے مجھکو کمزور جانا تھا اور مجھکو مار ڈالنے کو تھے پھر میرے دشمنوں کو مت خوش کر اور مت کر مجھکو ان ظالم لوگوں کے ساتھ۔ مجھکو یہ ڈر تھا کہ تو یہ کہیگا کہ تونے تفرقہ ڈالدی بنی اسرائیل میں اور نہ انتظار کیا تونے میری بات کا۔ انھوں نے کہا کہ ہمنے تو اپنے اختیار سے تیرے وعدہ کے خلاف نہیں کیا بلکہ ہم قوم قبطی کے زیور کا بوجھ اُٹھا رہے تھے پھر ہمنے اُسکو پھینکدیا اور اسیطرح پھینکدیا سامری نے پھر سامری نے بچھڑے کی مورت بنائی جسمیں سے آواز نکلتی تھی)۔ موسٰی نے کہا کہ اے سامری تیرا کیا حال ہے اُسنے کہا کہ مجھے وہ بات سوجھائی جو اُنکو نہیں سوجھائی پھر میں نے پیغمبر کے پاؤں تلے کے نشان کی مٹی لی پھر میں نے بچھڑے میں ڈالدی اور اسیطرح کرنا میرے دل نے مجھے اچھا بتایا۔ موسٰی نے کہا کہ دور ہو تجھکو اس دنیا میں یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہیگا کہ میرے پاس مت آؤ۔ پھر جب موسٰی کا غصہ تھما تو اُسنے الواح کو اٹھا لیا اور اُسمیں اُنکے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو ڈرتے ہیں۔ پھر ہمنے موسٰی کو کتاب دی جو لوگ نیکی کرنے والے ہیں اُنپر نعمت پوری کرنے کو اور ہر چیز کی تفصیل بتانے کو اور ہدایت اور رحمت کرنے کو کہ شاید وہ اپنی پروردگار سے ملنے پر ایمان لاویں

www.poetrymania.com©

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر تمکو گرج نے پکڑلیا اور تم دیکھتے تھے (۵۲)

ہے کہ اُسوقت بسبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں آتا رہتا ہے اُس مقام پر کہیں خشک زمین نکل آتی تھی اور کہیں پایاب رہجاتی تھی بنی اسرائیل پایاب وخشک راستہ سے راتوں رات پاس اُتر گئے۔ یہی مطلب صاف اِس آیت سے پایا جاتا ہے جو سورۂ دخان میں ہے کہ "وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا" جسکا ٹھیک مطلب یہ ہے کہ چھوڑ چل سمندر کو ایسی حالت میں کہ اُترا ہوا ہے۔ صبح ہوتے فرعون نے جو دیکھا کہ بنی اسرائیل پار اُتر گئے اُسنے بھی اُنکا تعاقب کیا اور لڑائی کی گاڑیاں اور سوار و پیادے غلط رستے پر سب دریا میں ڈالدیئے اور وہ وقت پانی کے بڑھنے کا

ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل و بعثنا منھم اثنی عشر نقیبا و قال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰۃ وآتیتم الزکوٰۃ وآمنتم برسلی و عزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا (مائدہ) +

اور جب ہمنے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا اور اُن میں سے بارہ سردار ٹھہرائے گئے اور خدا نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قائم کرتے رہوگے نماز اور تم دیتے رہوگے زکوٰۃ اور تم ایمان لاتے رہوگے میرے رسولوں پر اور تم مدد کرتے رہوگے اُنکی اور تم قرض دیتے رہوگے اللہ کو قرض حسنہ +

اذ قال موسٰی لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ قالوا اتتخذنا ھزوا قال اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ماھی قال انہ یقول انھا بقرۃ لا فارض ولا بکر عوان بین ذٰلک فافعلوا ما تؤمرون قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما لونھا قال انہ یقول انھا بقرۃ صفراء فاقع لونھا تسر الناظرین قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ماھی ان البقر تشابہ علینا وانا ان شاء اللہ لمھتدون قال انہ یقول انھا بقرۃ

جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تمکو یہ حکم کرتا ہے کہ ذبح کرو بیل کو انھوں نے کہا کہ کیا تو ہمسے ہنسی کرتا ہے موسٰی نے کہا کہ میں تو اللہ سے پناہ مانگتا ہوں جاہل قوم سے انھوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے پوچھ کہ ہمکو بتلاوے کہ وہ کیسا بیل ہو کہا کہ وہ بیل نہ بوڑھا ہو اور نہ بچا میانہ سال ان دونوں کے بیچ میں کرو جو تمکو حکم دیا جاتا ہے اُنھوں نے کہا کہ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے پوچھ کہ بتلاوے کیا ہو اسکا رنگ موسٰی نے کہا کہ خدا کہتا ہے کہ وہ بیل ڈہ ڈہاتے زرد رنگ کا ہو اسکا رنگ خوش کرتا ہو دیکھنے والوں کو اُنھوں نے کہا کہ پوچھ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے کہ بتلا دے کیسا ہے کہ ہمپر بیل مشتبہ ہوگئے ہیں اور اگر خدا نے چاہا تو ہم ہدایت پاویں گے۔ موسٰی نے کہا کہ خدا کہتا ہے وہ

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ	پھر ہمنے تمکو اُٹھایا تمھارے مردہ ہونیکے بعد

تھا لمحہ میں پانی بڑھگیا جیسیکہ اپنی عادت کے موافق بڑھتا ہے اور ریڑ باڑھ ہوگیا
جس میں فرعون اور اُسکا لشکر ڈوب گیا ؛

علماء اسلام کا زمانہ گیارہ بارہ سو برس سے سمجھنا چاہیئے اُن بزرگوں نے جو اپنے
ہوش میں بحر احمر اور اُسکی شاخ کو جسمیں سے حضرت موسیٰ ؑ اور بنی اسرائیل نے
عبور کیا تھا نہایت عمیق اور ایک قہار سمندر دیکھا ہے اور اُنکے خیال میں بھی
نہیں آسکتا تھا کہ کیا ہی بڑا جوار بھاٹا آوے وہ جگہ کبھی پایاب نہیں ہوسکتی اسلیئے اُنھوں

…. لا ذلول تثير الارض ولا تسقي
الحرث مسلّمة لا شية فيها قالوا
الآن جئت بالحق فذبحوها وما
كادوا يفعلون (بقر) يا قوم
ادخلوا الارض المقدسة التي
كتب الله لكم ولا ترتدوا على
ادباركم فتنقلبوا خاسرين قالوا
يا موسى ان فيها قوما جبارين وانا
لن ندخلها حتى يخرجوا منها
فان يخرجوا منها فانا داخلون
قال رجلان من الذين يخافون
انعم الله عليهما ادخلوا عليهم
الباب فاذا دخلتموه فانكم غالبون
وعلى الله فتوكلوا ان كنتم مومنين
قالوا يا موسى انا لن ندخلها
ابدا ما داموا فيها فاذهب انت
وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون
قال رب انی لا املك الا نفسي
واخي فافرق بيننا وبين القوم
الفاسقين قال فانها محرمة عليهم اربعين
سنة يتيهون في الارض فلا تاس على القوم الفاسقين
(مائدہ)

ایسا بیل ہو جو نہ جوتا ہو کہ زمین کو پھاڑے یا کھیتی کو پانی
دے اُسکے تمام اعضا مسلّم ہوں اور اُس میں کوئی دھبّہ
نہو اُنھوں نے کہا اب تو نے ٹھیک بات بتائی پھر
اُنھوں نے ذبح کیا اور کرتے نہیں لگتے تھے ؛
اے لوگوں تم اُس پاک زمین میں داخل ہو جو خدا
نے تمھارے لیئے لکھدی ہے اور مت پھرو اپنے پیٹ
کے بل پیچھے پھر پلٹوگے نقصان اُٹھانیوالے اُنھوں نے
کہا اے موسےٰ اُس میں تو بہت زبردست قوم رہتی
ہے ہم ہرگز اُس میں نہیں جاوینگے جب تک کہ وہ اُس میں
سے نہ نکل جاویں جب وہ اُس میں سے نکل جاوینگے
تب ہم اُس میں داخل ہوں گے اُن میں سے دو آدمیوں
نے کہا جو خدا سے ڈرتے تھے جن پر خدا نے نعمت کی تھی کہ
اے لوگوں جا گھسو اُس قوم کے دروازہ میں جب تم جا گھسو گے
تو تم ہی غالب ہو گے اور خدا ہی پر بھروسا کرو اگر تم ایمان
والے ہو اُنھوں نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز اسمیں نہیں گھسینگے
جبتک کہ وہ اُسمیں ہیں تو جا اور تیرا پروردگار تم دونوں لڑو
ہم تو یہاں بیٹھے ہیں موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار مجھکو اختیار
نہیں مگر اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر پھر ہم میں اور اُس بدکار
قوم میں فرق کر خدا نے فرمایا کہ وہ حرام کردی گئی ہے
اُن پر چالیس برس تک وہ ٹکراتے پھرینگے زمین میں اور تو
رنج مت کر اُس بدکار قوم پر ؛

www.poetrymania.com©

تاکہ تم شکر کرو (۵۳)	لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٥٣

نے قرآن مجید کی صاف صاف عبارت اور الفاظ کو جو صریح جوار بھاٹے اور خشک زمین کے نکل آنے پر دلالت کرتے تھے اُلٹ پلٹ کر اِس واقعہ کو بطور ایک عجیب واقعہ کے بنایا اور ایسا معجزہ جو قانون قدرت کو بھی توڑ دے ٹھہرالیا۔ مگر حقیقت حال یہ نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں جب بنی اسرائیل نے عبور کیا بحر احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا کہ اب ہے گو اُس زمانہ کا صحیح جغرافیہ ہمکو نہ ملے مگر بہت پُرانا جغرافیہ جو بطلیموس نے بنایا تھا مع اُسکے نقشجات کے جو بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق بنائے گئے ہیں خوش قسمتی سے ہمارے پاس موجود ہے اور اُسمیں بحر احمر کا بھی نقشہ ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بطلیموس کے زمانہ تک بحر احمر میں بہت چھوٹے بڑے جزیرے موجود تھے اور یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ اُس زمانہ میں بحر احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا کہ اب ہے یا جیسا کہ ہمارے علماء اسلام بارہ سو برس سے اُسکو دیکھتے آئے ہیں۔ بحر احمر کی اس حالت پر خیال کرنے سے بالکل یقین ہوجاتا ہے کہ وہ مقام جہاں سے بنی اسرائیل اُترے بلاشبہ جوار بھاٹے کے سبب رات کو پایاب اور دن کو عمیق ہوجاتا ہوگا مزید توضیح کے لیے بطلیموس کے جغرافیہ میں سے بعینہ بحر احمر کے نقشہ کو ہم اِس مقام پر نقل کرتے ہیں یہ جغرافیہ ہمارے پاس اصل یونانی زبان میں جسمیں بطلیموس نے لکھا تھا مع لیٹن ترجمہ کے موجود ہے جو ۱۶۱۸ء میں لُوئیس سیزدہم شہنشاہ فرانس کے عہد میں چھپا تھا اُس میں وہ تمام جزیرے جو بحر احمر میں موجود تھے مندرج ہیں۔ مؤرخین کے قول کے بموجب بنی اسرائیل سنہ عیسوی سے دو ہزار پانسو تیرہ برس قبل بحر احمر کی شاخ سے اُترے تھے اور بطلیموس جس نے جغرافیہ لکھا اور جسکو گلاڈیس ناملی کہتے ہیں سنہ عیسوی کی دوسری صدی میں تھا پس بنی اسرائیل کے عبور کرنے کے دو ہزار سات سو برس بعد تک وہ جزیرے موجود تھے۔ یہ بطلیموس

www.poetrymania.com©

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ	اور چھا دیا ہمنے تمپر بادل ،

یونانی تھا مگر مصر میں رہتا تھا اور اسلیئے بحر احمر کا جو حال اُسنے لکھا ہی زیادہ اعتبار کے
لائق ہے ۔ سمندر کے جزیرے مدت تک نکلے رہتے ہیں اور پھر کسی زمانہ میں اُن
اسباب سے جنکا ذکر علم جوالجی میں ہے دفعتہً زمین میں بیٹھ جاتے ہیں اور جہاں لوگ
بستے تھے اور جن پایاب مقامات پر لوگ چلتے تھے وہاں دفعتہً میلوں گہرا پانی ہوجاتا ہے ،

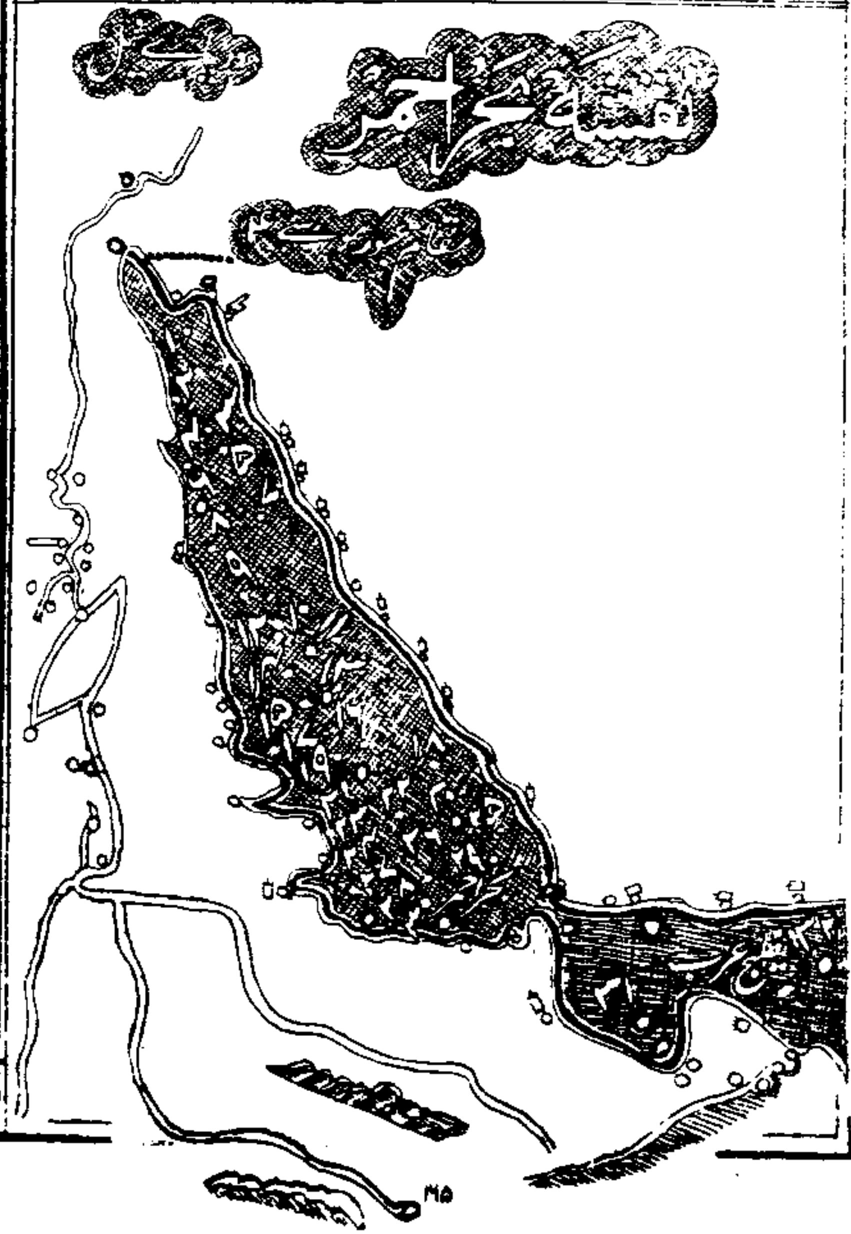

۳۵

www.poetrymania.com©

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى	اور اُتارا ہم نے تم پر منّ و سلوے

اسی طرح بطلیموس کے زمانہ کے بعد کسی وقت میں یہ جزیرے بھی جو بحر احمر میں تھے غائب ہو گئے ہیں اور اب ہمکو اتنا بڑا قہار سمندر دکھائی دیتا ہے مگر موسیٰ کے عہد میں ایسا نہ تھا اور اس بات پر یقین کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں کہ حضرت موسیٰ کو اس مقام پر سمندر کے پایاب ہو جانے کا حال معلوم تھا اور اسی سبب سے یہ رستہ انھوں نے اختیار کیا تھا کیونکہ سمندر کے پار ایسے جنگل و پہاڑ تھے کہ جس میں فرعون کو لشکر لیجانا اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرنا غیر ممکن تھا +

اسمائے جزیرہ ہائے بحر احمر

۱ ثمی جنیس	۱۱ اجریکم	۲۱ اگبن تھین
۲ ورزس	۱۲ سبیٹی رورم	۲۲ کیم لبتا
۳ رجینیا	۱۳ کیٹی تھری	۲۳ نگمبرنیا
۴ اگٹی تھولن	۱۴ میرولن	۲۴ ارنیان
۵ دیونم	۱۵ تھرب ڈی فیس	۲۵ ملیاکی
۶ اسارنڈ	۱۶ ساکرٹیس	۲۶ بیکائی
۷ پالی پیح	۱۷ مجودم	۲۷ ایڈینی
۸ ایپلیڈس	۱۸ گورڈی ہیتڈ	۲۸ ڈایودورلے
۹ جبسی نش	۱۹ ڈیف نین	۲۹ پینس
۱۰ گوباڈیرم	۲۰ ایری	۳۰ اسی ڈس

www.poetrymania.com©

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ	کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو تمہے تمکو دی ہیں

(۵۱) (عجل) بچھڑا بنانے کا واقعہ اُسوقت ہوا تھا، جبکہ حضرت موسٰی چالیس دن رات پہاڑ پر جا کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل نے بچپن سے مصریوں میں پرورش پائی تھی، اور دیکھا کرتے تھے کہ وہ ساری قوم بتوں کی اور جانوروں کی پرستش کرتی تھی، مصری بندر اور سانپ اور بیل اور اور بہت قسم کے جانوروں کی پوجا کیا کرتے تھے، جب بنی اسرائیل سمندر کے پار ہوئے تو وہاں بھی اُنھوں نے بتوں کی پرستش کرتے ہوئے لوگوں کو پایا، اور موسٰی سے کہا کہ ہمکو بھی ایسے ہی معبود بنادے (یہ قصہ سورہ اعراف میں ہے) گمان غالب ہوتا ہے کہ وہ لوگ بچھڑے ہی کی مورت کی پوجا کیا کرتے ہونگے، اور اسی کی نقل پر بنی اسرائیل نے بھی بچھڑے کی مورت بنائی تھی، جسکے سبب خدا کی خفگی ہوئی ✝

(فاقتلوا) اِس آیت سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ بنی اسرائیل میں سے کسی ایک نے بھی اپنے آپ کو مار ڈالا تھا کیونکہ یہ کہنا کہ "مار ڈالو اپنے آپ کو"، حضرت موسٰی کا قول ہے اور یہ کہنا ایسی طرح کا کہنا ہے، جیسے کوئی بزرگ کسی کو نفرین کرتے وقت کہے کہ، "ڈوب مر ایسا کرنے سے تو تیرا مرجانا بہتر ہے" پس بنی اسرائیل پر خود حضرت موسٰی کے غصہ کے یہ الفاظ ہیں خدا نے اُنکو اپنے تئیں آپ مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا تھا نہ اُن میں سے کسی نے اپنے تئیں آپ مار ڈالا تھا۔ یہ مطلب اِس آیت کے پچھلے حصہ سے جسمیں معاف کردینے کا ذکر ہے زیادہ تر صاف ہوجاتا ہے، کیونکہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اُنہی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ، "پھر خدا نے تمکو معاف کیا" ✝

(۵۲) (نری اللہ جھرۃ) انسان کے دل میں کسی چیز کے دیکھنے کی خواہش تین طرح پر پیدا ہوتی ہے اُسکا حال اور اوصاف سننے سے، یا دل میں کسی خاص قسم کا ذوق و شوق پیدا ہو جانے سے یا اُسکا حال کہنے والے کی بات پر یقین کرنے سے،

www.poetrymania.com©

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾	اور اُنھوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا آپ نقصان کرتے تھے (۵۷)

موسیٰ کو بھی خدا کے دیکھنے کا شوق ہوا مگر وہ شوق دوسری قسم کا تھا جسکے غلبہ میں انسان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، اور ہونی اور نہونی بات کہہ اُٹھتا ہے، بنی اسرائیل نے بھی خدا کا دیکھنا چاہا مگر یہ اُنکا سوال تیسری قسم کا تھا، وہ موسیٰ کی اس بات پر کہ خدا ئے پروردگار عالم موجود ہے اور اُسنے موسیٰ کو اپنا پیغمبر کیا ہے یقین نہیں لاتے تھے اور اِس بنا پر اُنھوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو دکھا دے، جبتک ہم علانیہ خدا کو نہ دیکھ لینگے تجھپر ایمان نہ لاوینگے، حضرت موسیٰ اپنے شوق کے سبب جیسے انسان کو ذہول ہوجاتا ہے بھول گئے کہ خدا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا، اور بنی اسرائیل نے اپنی حماقت سے یہ چاہا کہ علانیہ خدا کو ہم دیکھ لیں، اور یہ نہ سمجھے کہ خدا اپنے تئیں کسیکو دکھا سکتا ہے، اور نہ کوئی خدا کو دیکھ سکتا ہے، ہر کوئی اُسکی قدرت کا کرشمہ دیکھتا ہے، اور اُسی سے اُسکی ذات کے موجود ہونے پر یقین لاتا ہے +

(صاعقۃ) صاعقہ کے معنے لغت میں موت کے بھی ہیں اور عذاب مہلک کے بھی ہیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس عذاب سے کوئی ہلاک ہوئے بغیر رہے ہی نہیں، اور عذاب یا بلا آنے کی سنسناہٹ اور گڑگڑاہٹ اور کڑک کے معنی بھی آئے ہیں اور بجلی اور آسمان پر سے گرنے والی آگ کے معنی بھی ہیں، اور صعق بکسر العین کے معنی ہیں، ،غشی علیہ، ، یعنی بیہوش کیا گیا +

اب دیکھنا چاہیئے کہ اسجگہ، ، فاخذتکم الصاعقۃ، کے کیا معنی ہیں، موت، کے معنی تو یہاں ہو نہیں سکتے اس لیئے کہ، وانتم تنظرون: کا مطلب غلط ہوجاتا ہے کیونکہ موت کی نسبت وانتم تنظرون نہیں کہہ سکتے۔ امام فخر الدین رازی بھی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں، صاعقہ، کے معنی موت کے نہیں ہیں کیونکہ موت

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ	اور (یاد کرو) جب ہمنے کہا کہ اس شہر میں جاؤ پھر اسمیں سے سیر ہوکر کھاؤ جہاں چاہو

کی نسبت، تنظرون، نہیں آسکتا اور اس کے سوا خدا نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے کہ ،،وخر موسٰی صعقا،، اور پھر فرمایا ہے کہ ،،فلما افاق،، اور افاقہ موت سے نہیں ہوتا بلکہ غشی سے ہوتا ہے۔ سورۂ اعراف میں، صاعقہ، کی جگہ، رجفہ، فرمایا ہے جس کے معنے کپکپاہٹ کے ہیں غرضکہ اس جگہہ، صاعقہ، کے معنی موت کے نہیں ہیں بلکہ ٹھیک معنی، گرج، اور گڑگڑاہٹ کے ہیں خواہ وہ گرج بجلی کی ہو خواہ وہ گڑگڑاہٹ بادل کی ہو یا کسی آتشیں پہاڑ کی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جبکہ اسی آیت میں ہی کہ ،،ثم بعثناکم من بعد موتکم،، تو یہ ایک قوی ثبوت اس بات کا ہے کہ یہاں ،صاعقہ، کے معنی موت کے ہیں۔ مگر مفسرین اور خصوصًا امام فخرالدین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بھی ،بعث، کا اطلاق لا بعد الموت پر بھی ہوتا ہے جیسیکہ خدا نے فرمایا ہے کہ ،، فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ،، پس ،بعثنا، کے لفظ سے تو ،صاعقہ، کے معنی موت کے لینے پر استدلال نہیں ہوسکتا رہا لفظ ،موت، کا اسکی نسبت مفسرین نے نہایت سہل رستہ اختیار کیا ہے جو ہمکو نہایت ہی مشکل اور بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ محققین کا یہ قول ہے کہ ،صاعقہ، سے مراد تو سبب موت ہے، اور موت کے معنی موت ہی کے ہیں، خدا نے اُن لوگوں کو جو خدا کو دیکھنے گئے تھے صاعقہ سے جو سبب اُنکی موت کا ہوا مار ڈالا اور پھر حضرت موسٰی کی دعا سے اور گڑگڑا کر یہ کہنے سے کہ یہ تو ستر کے ستر مر گئے اب بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دونگا، اور میری نبوت کی گواہی کون دیگا، خدا نے انکو پھر زندہ کر دیا۔

مگر میری سمجھ میں خدا کے پاک کا کلام ایسا بودا نہیں ہے، بلکہ جیسا اُسکا

www.poetrymania.com©

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۵﴾	اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور کہو کہ ہم معافی چاہتے ہیں ہم تمہارے قصور معاف کردینگے اور اچھے لوگوں کو زیادہ دینگے (۵۵)

قانون قدرت مستحکم اور مضبوط ہے، ویسا ہی اسکا کلام بھی مضبوط ہے جبکہ ہمکو یہ ثابت ہوگیا کہ ،صاعقہ، کے معنی ،موت، کے نہیں ہیں، بلکہ اس مقام پر ہو بھی نہیں سکتے، اور ،بعث، کا اطلاق ،لابعد الموت، پر بھی آتا ہے تو ہم لفظ ،موت، کو اسکے حقیقی معنوں پر یعنی بدن سے جان نکلجانے پر اطلاق نہیں کرسکتے، بلکہ مردے کے مانند ہوجانے پر اطلاق کرتے ہیں، اور اسکی دلیل خود قرآن مجید میں موجود ہے، اسلیئے کہ جو واقعہ اس مقام پر بیان ہوا ہے، وہی واقعہ سورۂ اعراف میں بھی آیا ہے، اور وہاں یہ فرمایا ہے کہ ،، فلما اخذتھم الرجفۃ قال رب لو شئت اھلکتھم من قبل وایای،، یعنی بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی جو خدا کے دیکھنے کے لیئے گئے تھے ڈر کے مارے کانپنے لگے تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی انکو اور مجھکو بھی مار ڈالتا،

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ انکے مرنے تک نوبت نہ پہنچی تھی، یا بیہوش ہوگئے تھے یا انکی حالت مردے کیسی ہوگئی تھی، اور اسی سبب سے یہاں انپر مردہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ علاوہ اسکے حضرت موسیٰ پر بھی پروردگار کی تجلی ہوئی تھی، جبکے سبب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا، وہاں یہ لفظ ہیں کہ ،، وخر موسیٰ صعقا،، یعنی موسیٰ بیہوش ہوکر گر پڑا، سورہ احزاب[۱] میں خود خدا تعالیٰ نے خوف کی حالت کو موت کی بیہوشی کی حالت سے تشبیہ

[۱] فاذا جاء الخوف رأیتھم ینظرون الیک تدور اعینھم کالذی یغشیٰ علیہ من الموت (احزاب) آیت ۱۹

www.poetrymania.com©

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٦﴾

پھر ظالموں نے اُسکے سوا جو ہمنے اُنسے کہی تھی بات بدلدی، پھر ہمنے اُن پر جنھوں نے ناانصافی کی تھی آسمان سے بُرائی بھیجی اسلیئے کہ وہ بدکام کرتے تھے (۵۶)

دی ہے، پس اِن سب آیتوں کے ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر بھی یہی حالت گذری تھی +

،موت، کے لفظ کا نہایت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے امام فخرالدین رازی اور صاحب تفسیر ابن عباس نے سورہ زمر کی تینتالیسویں آیت میں بلفظ، موت کو بمعنی، نوم، قرار دیا ہے اور ،، حین موتھا، کی تفسیر، حین منامھا، کی ہے اور قرآن مجید میں رنج میں پڑے رہنے پر بھی موت کے لفظ کا استعمال ہوا ہے جہاں سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے کہ ،، قل موتوا بغیضکم، یعنے اپنے غصے سے مرجاؤ یعنی اُسمیں مبتلا رہو۔ ڈھے ہوئے شہر غیر آباد یا فصل گذری ہوئی زمین پر بھی موت کا استعمال ہوتا ہے، بے جان یا معدوم شے پر بھی موت کا لفظ بولا جاتا ہے، جہاں فرمایا ہے کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ، اور اور جگہ فرمایا ہے کہ ،، يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ،، غرضکہ جہانتک غور کیا جاتا ہے اس مقام پر لفظ ،، موتکم ،، سے جو قرآن مجید میں آیا ہی اُن لوگوں کے فی الحقیقت مرجانے پر استدلال نہیں ہوسکتا +

یہ تمام واقعات موسیٰ و بنی اسرائیل پر سینا کے مقام میں گذرے تھے، وہاں ایک سلسلہ پہاڑوں کا ہے جسکو، طور سینا، یا طور سینین کہتے ہیں، اور کبھی صرف، طور، ہی اُسکا نام لیتے ہیں، کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں وہ کوہ آتش فشاں تھا، جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم علانیہ خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں، تو وہ بجز اسکی قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان کرشمے کے اور

www.poetrymania.com©

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور (یاد کرو اُس وقت کو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم کے لیئے پانی چاہا تو ہم نے کہا کہ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس چٹان پر اُس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے، بیشک جان لیا ہر شخص نے اپنا گھاٹ، کھاؤ اور پیو خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے اور مت پھرو زمین میں (یعنی ملک میں) فساد مچاتے (۵۷)

کچھ اُنکو نہیں دکھا سکتے تھے، پس وہ اُنکو اُس پہاڑ کے قریب لیگئے جسکی آتش فشانی اور گڑگڑاہٹ اور زور شور کی آواز اور پتھروں کے اُڑنے کے خوف سے وہ بیہوش یا مردے کی مانند ہو گئے، خدا تعالیٰ اُن تمام کاموں کو جو اُسکے قانون قدرت سے ہوتے ہیں خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے، جنکے منسوب کرنے کا بلاشبہ وہ مستحق ہے، اسیطرح اِن واقعات عجیبہ کو بھی اُسنے اپنی طرف منسوب کیا ہے +

اِس بات کے آثار کہ وہ کوہ سینا درحقیقت آتش فشاں تھا، ابتک پائے جاتے ہیں، اور ہر شخص اب بھی جاکر دیکھ سکتا ہے، ایک بہت بڑا عالم شخص یعنے کپتن اسٹینلی حال میں بطور سیاحت اُس وادی میں گئے تھے جہاں سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل گذر کیا تھا، اُنھوں نے اس پہاڑ کا حال اسطرح پر لکھا ہے کہ، چٹانوں کی راہ سے جو بطور زینہ کے بنی ہوئی تھیں ہم ایک وادی میں پہنچے جو سرخ پتھر کے پہاڑوں کے درمیان تھا یہاں پر عجیب و غریب پہاڑ دیکھنے میں آئے جنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا سرخ و سیاہ مادہ کی گرم نہریں اُنپر بہتی ہیں۔ درحقیقت آتشی مادہ اوپر بہ آیا تھا جبکہ وہ زمین سے اُٹھے تھے، یہ راستہ ایسی جگہ ہو کر گذرتا تھا جہاں بجز جلے ہوئے مادوں اور خاکستر کے اور کچھ نہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ہتھیار ڈھالنے کے کارخانہ میں ڈھیر ہوتے ہیں، یہاں اکثر ایسی چیزیں دیکھنے میں آئیں جنکو

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا

اور (یاد کرو) جب کہ تمنے کہا کہ اے موسیٰ ہم ایک کھانا کھانے پر صبر نہ کرینگے پس اپنے پروردگار سے ہمارے لئے مانگ کہ پیدا کرے ہمارے لئے ان چیزوں میں سے جنکو زمین اُگاتی ہے اُسکے ساگ پات اور اسکی ککڑی اور اسکے گیہوں اور اسکے مسور اور اسکی پیاز میں سے

کوئی نیا آدمی آتش فشاں پہاڑ کے آثار تصور کرے، لیکن یہ غلط فہمی ہے ہم جلے پہاڑوں کی مانند جو بڑے بڑے ڈھیر معلوم ہوتے ہیں وہ صرف لوہے کے ریزے ہیں جو بھربھرے پتھروں کی بناوٹ میں ملے ہوئے ہیں، سرخی مائل پتھر کی چٹانوں میں جو آتشی عمل کے آثار پائے جاتے ہیں، وہ اُنکے ابتدائی اُٹھان سے متعلق ہیں، نہ کسی بعد کے انقلاب سے، ہر جگہ پانی کے عمل کے آثار ہیں آگ کے کہیں نہیں ہیں" ؂

کینن اسٹینلی بہت بڑے پادری اور عیسائی مذہب کے پیشوا ہیں، عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ درحقیقت خدا ہی آگ کی صورت میں پہاڑ پر اُترا تھا، اسلئے اُنہوں نے اپنی تحریر میں اس پہاڑ کو آتشیں پہاڑ کہنے سے بہت بچایا ہے، مگر جو شئے کہ موجود ہے اُسکو کوئی شخص ہیر پھیر کر بیان کرنے سے معدوم نہیں کر سکتا، خود توریت میں جو کچھ اس پہاڑ کی نسبت بیان ہوا ہے (اگر صحیح تسلیم کیا جاوے) تو کچھ شبہ نہیں رہتا کہ وہ آتش فشاں پہاڑ تھا، کتاب خروج باب نوزدہم میں لکھا ہے، "کہ بوقت طلوع صبح رعدہا و برقہا و غمامہ مظلمہ بالائے کوہ نمایاں شد و آواز کرنا بحدے شدید شد کہ تمامی قومی کہ در اردو بودند لرزیدند + + + وتمامی کوہ سینی را دود فرا گرفت + + دود وش مثل دود تنور متصاعد بود و تمامی کوہ بغایت متزلزل شد"، یہ تمام حالتیں وہ ہیں جو کوہ آتش فشاں میں واقع ہوتی ہیں، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں وہ آتش فشاں تھا، اور کینن اسٹینلی

www.poetrymania.com©

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ	موسیٰ نے کہا کہ کیا بدلتے ہو اسکو جو گھٹیا ہے اُس سے جو اچھا ہی، اُتر پڑو کسی شہر میں پھر بیشک تمھارے لیئے وہ چیز ہے جو تم مانگتے ہو، اور ڈالی گئی اُن پر ذلت اور مسکنت اور مستحق ہوئے اللہ کے غضب کے

یہ تاویل کہ وہ نشانیاں اُس پہاڑ کی بناوٹ ہی کی ہیں صحیح نہیں ہوسکتی۔ خدا کی تجلّی ہر چیز میں ہے جسکو اُسنے اپنی قدرت کاملہ سے بنایا اور پیدا کیا، ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ، فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّنَا عَلَی الْجَبَلِ، فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّنَا عَلَی الْبَحْرِ، فَلَمَّا تَجَلّٰی ربنا علی الانسان، فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّنَا علی الحمار، فَلَمَّا تجلی ربنا علی البعوضۃ، وما فوقها فقد وقع کذا، مگر کسی مادی یا فانی صورت میں نہ خدا آسکتا ہے نہ سما سکتا ہے پس ہم توریت کے الفاظ پر کہ "خداوند در آتش براں نزول نمود"، یقین نہیں لاسکتے گو کہ مین اسٹینلی کو یقین ہو ہاں اگر ان لفظوں کے معنی بھی تجلّی اور ظہور قدرت کے لیئے جاویں۔ تو پھر مقام انکار نہیں رہتا۔

(۵۴) (وَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ) توریت میں بنی اسرائیل پر بادلوں کی چھانوں ہونے کا واقعہ عجیب طرح سے لکھا ہے، کہ بادل تمام دن بنی اسرائیل† کو راہ بتانے کے لیئے اُنکے آگے آگے چلتا تھا، اور جہاں ٹھہر جاتا تھا، وہاں بنی اسرائیل مقام کرتے تھے، اور رات کو وہی بادل روشنی کا ستون ہوجاتا تھا۔ مگر اسپر کیونکر یقین ہو سکتا ہے جبکہ چالیس برس تک بنی اسرائیل کو منزل مقصود تک پہنچنے کا رستہ نہیں ملا۔ ہمارے علماء مفسرین نے بھی اپنی عادت کے موافق یہودیوں کی پیروی کی ہے اور اس آیت کی

† دیکھو کتاب خروج باب ۱۳ درس ۲۱ و ۲۲ و باب ۴۰ درس ۳۴ — ۳۸۔

www.poetrymania.com©

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۵۸﴾	اور یہ اسلیئے کہ وہ نہ مانتے تھے اللہ کی نشانیوں کو، اور مار ڈالتے تھے پیغمبروں کو ناحق، اور یہ اسلیئے ہوا کہ اُنھوں نے نافرمانی کی۔ اور وہ حد سے تجاوز کر جاتے تھے (۵۸)

تفسیر میں ایسی قسم کی باتیں جن کا اشارہ تک اس آیت میں نہیں ہے، بیان کی ہیں۔

قرآن مجید سے بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ بادل کا پھرنا نہیں معلوم ہوتا، اس آیت سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت دھوپ اور گرمی کی سختی میں بادل آجانے سے خدا نے انکی تکلیف کو دور کر دیا جسکا بطور ایک احسان کے ذکر کیا ہے۔ بڑی غلطی لوگوں کے خیال میں یہ ہے کہ جو امور موافق قانون قدرت کے ظہور میں آتے ہیں، انکو نہ معجزہ سمجھتے ہیں، نہ احسان جتلانے یا ماننے کے قابل جانتے ہیں، اور اسلیئے اسمیں بالطبع ایسی باتیں شامل کر لیتے ہیں، جو قانون قدرت سے خارج ہوں، حالانکہ خدا تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں جابجا بندوں پر اُنہی باتوں سے اپنا احسان جتلایا ہے، اور اُنہی کو بطور معجزہ کے تبلایا ہے، جسکو اُسنے اپنی قدرت کاملہ سے، موافق قانون قدرت کے پیدا کیا ہے۔

جب بنی اسرائیل بحر احمر کی شاخ کو پار کر گئے جسکا پانی بسبب جوار بھاٹے کے اُترتا چڑھتا تھا، تو اُس پار پتھر اور ریگستان کا ایک سطح بیابان ہے، وہاں اکثر ریگ کا طوفان رہتا ہے، جو اُس ملک کے ساتھ مخصوص ہے، اور حال کے سیاحوں نے بھی اُس کو دیکھا ہے اُس ریت کے میدان میں دھوپ کی شدت سے بنی اسرائیل کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی، خصوصاً اس وجہ سے کہ ریت بھی بھوبل کی مانند گرم ہوگی جسپر چلنا اور بیٹھنا نہایت مشکل ہوگا، ایسے وقت میں ابر کا آجانا بلاشبہ بنی اسرائیل کے حق میں بہت بڑی نعمت تھی اُنھوں نے کو

www.poetrymania.com©

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ
هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اسمیں کچھ شک نہیں کہ جو ایمان لائے
ہیں اور جو لوگ یہودی ہوتے ہیں اور
عیسائی اور صابئین جنہوں نے یقین کیا اللہ
اور آخیر دن پر اور اچھے عمل کیے تو انکے لیے
مزدوری انکے پروردگار کے پاس ہے اور نہ
انکو کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے (۵۹)

اس مقام پر بطور احسان کے خدا نے یاد دلایا ہے :۔

(منّ و سلویٰ) منّ ایک چیز ہے جو بطور ترنجبین کے ایک خاص قسم کی جھاڑیوں پر جم جاتی ہے ، اور سلوےٰ بٹیر کی قسم کا جانور ہے جو اُس جنگل میں جہاں بنی اسرائیل گئے تھے بکثرت پایا جاتا تھا ، اور وہاں وہی انکی غذا تھی پس اُسی کا ذکر قرآن مجید میں ہے ، باقی عجائبات منّ کے جو توریت میں بیان ہوئے ہیں اور جن پر یقین کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ قانون قدرت سے انکار کرنا ، اُنکا کچھ ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے ، گو مفسرین نے اور انبیا کے قصے لکھنے والوں نے یہودیوں کی پیروی سے اپنی تصنیفات میں اُنکا ذکر کیا ہے :۔

حال کے سیاحوں نے بھی اُس جنگل میں منّ کو پایا ہے ، کپتان اسٹینلی لکھتے ہیں ،، کہ چشمہ مرہ سے گذر کر دو وادیاں دیکھیں جنمیں سے ایک یقیناً ایلم ہوگی ۔ عام صورت اس وسیع میدان کی یہ تھی کہ ایک ریگستان تھا اور جابجا پانی کے سے راستے جیسے کوئی دریا خشک ہو جاتا ہے بنے ہوئے تھے ، اُن وادیوں کے راستہ راستہ جاکر عجیب سیاہ و سفید پہاڑ ملتے ہیں - یہ بیابان بغیر درخت اور گھاس کے تھا لیکن اُن دو وادیوں میں جنپر ایلم کا شبہ ہوتا ہے ، درخت اور جھاڑیاں موجود تھیں - یہاں کے کھجور کے درخت چھوٹے چھوٹے تھے ، اور پہاڑ

www.poetrymania.com©

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٠﴾	اور (یاد کرو) جبکہ ہمنے تمہارا قول لیا اور ہمنے تمھارے اوپر پہاڑ کو اونچا کیا کہ پکڑو جو چیز کہ تمکو دیجاتی ہے مضبوطی سے اور یاد رکھو جو کچھ اُسمیں ہے تاکہ تم پرہیز گار رہو (۶۰)

ترسک ، کے درخت بھی تھے جنکے پتوں پر وہ شے پائی جاتی ہے جسکو اہل عرب ، من کہتے ہیں ،، ؛

(۵۵) وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا ہے ، وہ حضرت موسیٰ کے وقت کا قصہ نہیں ہے ، بلکہ بنی اسرائیل کا حال ہے ، جبکہ وہ حضرت یوشع کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تھے اس شہر کا نام قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے مگر قدیم نام اُسکا ، ایریحو، ہے جسکو یونانی میں ، جیریکو ، کہتے ہیں اور مسلمان مفسروں نے اُسکو ، اریحا ، لکھا ہے ؛

(وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا) سجدہ سے مراد حقیقی سجدہ کرنا نہیں ہے جسمیں ماتھا زمین پر ٹیکنا ہوتا ہے ، بلکہ خشوع و خضوع سے خدا کا شکر کرتے ہوئے داخل ہونا مراد ہے ، تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ،، اراد بہا الخضوع وھو الاقرب ،، یعنے سجدہ سے مراد عاجزی ہے اور یہی معنی اسجگہ زیادہ اچھے ہیں ؛

(۵۶) فَبَدَّلَ اس تبدیل سے کسی لفظ کا بدلدینا مراد نہیں ہے ، کیونکہ اُنکو الفاظ نہیں بتائے گئے ، بلکہ استغفار یعنی گناہوں سے معافی چاہنے کا حکم تھا ، مگر اُنھوں نے اُس حکم کو بدلڈالا ، اور توبہ و استغفار کی کچھ پرواہ نہ کی ، بلکہ فتح کے سبب مغرور و متکبر ہوگئے ، امام فخرالدین رازی نے بھی یہ معنی اختیار کیئے ہیں ، چنانچہ اُنھوں نے لکھا ہے کہ ،، لما امروا بالتواضع وسوال المغفرۃ لم یمتثلوا امر اللہ ولم یلتفتوا الیہ ،، یعنی جبکہ اُنکو تواضع اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو اُنھوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کی ، اور اُسپر التفات نہ کیا ،

www.poetrymania.com©

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ	پھر تم پھر گئے اُسکے بعد۔ پھر اگر تم پر خدا کا فضل اور اُسکی رحمت نہ ہوتی تو تم ٹوٹے میں پڑنے والوں میں سے ہوتے۔ اور بے شک تم اُنکو جانتے ہو جنھوں نے تم میں سے سبت کے دن زیادتی کی

اور بیضاوی میں بھی یہی مطلب تسلیم کیا گیا ہے کہ "بدلوا بما امروا به من التوبة والاستغفار طلب ما یشتہون من اعراض الدنیا". یعنی انھوں نے بدل دیا حکم توبہ واستغفار کا جو اُنکو دیا گیا تھا دنیاوی چیزوں کے چاہنے سے جسکے وہ خواہشمند تھے ؞

(۵۷) (وانفجرت) اِس آیت میں بھی ایک امر بحث کے لائق تھا کہ پانی کے بارہ چشمے کیونکر پیدا ہوئے تھے اور اس بحث کو ہمنے سینتالیسویں آیت‡ کی تفسیر میں بالاستیعاب بیان کیا ہے۔ پہاڑی ملک کو اہل عرب حجر کہتے ہیں جیسے کہ عرب الحجر یعنے عرب کا پہاڑی حصہ۔ "فاضرب بعصاك الحجر" میں لفظ حجر کا استعمال ہوا ہے۔ بحر احمر کی شاخ کو عبور کرنے کے بعد ایک وادی ملتا ہے جسکا قدیم نام "ایثام" ہے وہاں پانی نہیں ملتا توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جسکا پانی نہایت تلخ تھا اور پی نہیں سکتے تھے اسلیئے اُسکا نام "مرہ" رکھا ہے حال کے زمانے کے سیاحوں نے بھی وہاں ایک چشمہ پایا ہے جسکو وہ "مرہ" خیال کرتے ہیں۔ یہی مقام ہے جہاں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے پانی مانگا تھا اس مقام کے پاس پہاڑیاں ہیں جنکی نسبت خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ "فاضرب بعصاك الحجر" یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چڑھ چل، اس پہاڑی کے پرے ایک مقام

‡ دیکھو صفحہ ۹۷ لغایت ۱۰۶ –

www.poetrymania.com©

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴿٦١﴾	پھر ہمنے اُنکو کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل وخوار (۱۱۴)

سے ہے جسکو توریت میں، ایلم، لکھا ہے وہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے جسطرح پہاڑی ملک میں پہاڑوں کی جڑ یا چٹانوں کی درازوں میں سے جاری ہوتے ہیں جنکی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ "فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا" یعنے اُس سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے، اگر ہم توریت کی عبارت پر یقین کریں تو اس سے بھی پایا جاتا ہے اور اسکی یہ عبارت ہے کہ "، بعد ازاں بہ ایلم آمدند و در آنجا دوازدہ چشمۂ آب یافتند و ہفتاد درخت خرما بود و در آنجا بہ پہلوے آب اردو زدند" ؎

یہ مقام اب بھی موجود ہے، اور سیاحوں نے دیکھا ہے، مگر اب وہاں پانی کے چشمے نہیں بہتے، کیونکہ پہاڑی چشمے انقلاب زمانہ سے سوکھ جاتے ہیں، جیسے کہ مکہ معظمہ میں زمزم کا چشمہ خشک ہوگیا ہے، مگر ایسے مقاموں کو ہمیشہ لوگ مقدس سمجھتے ہیں، اور اُسکے یادگار یا نشان قائم رکھنے کو وہاں کنوئیں کھود دیتے ہیں جسطرح کہ مکہ معظمہ میں چاہ زمزم کھودا گیا ہے، اُس مقام پر بھی جہاں حضرت موسیٰ کو بارہ چشمہ پانی کے ملے تھے، لوگوں نے کسی زمانہ میں کنوئیں کھودے ہیں، اور اب وہاں ستر کنوئیں موجود ہیں، اور وہ مقام عیون موسیٰ کے نام سے مشہور ہے، اس مقام پر بھی، نمرسک، کے درخت ہوتے ہیں جنکے پتوں پر، من، جم جاتا ہے ؛

(۵۸) (وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى) اس آیت کی تفسیر میں مفسروں نے دو زمانے کی جدا جدا باتوں کو خلط ملط کر دیا ہے، یہ بہت لمبی آیت ہے اور اسکے جدا گانہ دو حصے ہیں، ایک حصہ اُس سوال و جواب کا ہے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے

؎ کتاب خروج باب ۱۵ ورس ۲۷ ؛

www.poetrymania.com©

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

پھر ہم نے اس واقعہ کو اُس قوم کے لیئے جو اُس واقعہ کے زمانہ میں تھی اور اسکے لیئے جو اُس واقعہ کے بعد آویگی بطور عبرت کے بنا دیا اور بطور نصیحت کے پرہیزگاروں کیلئے ﴿٦٦﴾

کیا تھا، اور دوسرا حصہ اُن واقعات کا ہے جو بعد حضرت موسیٰ بلکہ اُس سے بھی بہت زمانہ کے بعد بنی اسرائیل پر واقع ہوئے تھے +

جن جنگلوں اور میدانوں میں بنی اسرائیل پڑے پھرتے تھے، وہاں بجز جنگل کے جانوروں کے شکار کے یا اُس مویشی کے گوشت کے جو بنی اسرائیل کے ساتھ تھے اور کوئی چیز کھانے کو میسر نہ ہوتی تھی، اور ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بنی اسرائیل دق ہو گئے تھے، جسکی شکایت اُنھوں نے حضرت موسیٰ سے کی، اور زمین کی پیداوار کھانے کو مانگی، جو شکار کے گوشت سے ادنیٰ درجہ کی تھی، حضرت موسیٰ کا اصلی مقصد فلسطین میں جانا اور وہاں کے شہروں پر قبضہ کرنے کا تھا، مگر بنی اسرائیل عمالیقیوں اور کنعانیوں سے ڈرتے تھے، اور لڑنے پر اور ملک کے فتح کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، پس جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے زمین کی پیداوار کا کھانا ملنے کی خواہش کی، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ کسی شہر میں چل پڑو اور جا اُترو وہاں سب کچھ ملیگا، پس اس سے یہ سمجھنا کہ اُنکے سفر میں کوئی شہر پڑا تھا، اور حضرت موسیٰ نے یا خدا نے اُسمیں اُترنے کا حکم دیا تھا ایک صریح غلط فہمی ہے +

دوسرا حصہ آیت کا اُن واقعات کے بیان میں ہے، جبکہ بنی اسرائیل فلسطین میں پہنچ گئے اور شہروں کو فتح کر لیا اور اُسمیں آباد ہو گئے، اور پھر اُنکی بدیوں اور بُرائیوں اور انبیا کے قتل کے سبب اُنپر آفت پڑی، اور ذلیل و خوار اور مسکین بے یار و دیار ہو گئے اور باوجودیکہ اُنہیں سے بادشاہان ذیشان پیدا ہوئے، مگر تمام قوم میں سے وہ شان و شوکت یکلخت جاتی رہی، اور اسوقت تک اُنکا

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ
يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ
عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا
مَا تُؤْمَرُوْنَ (۶۳)

اور یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ
خدا تمکو حکم دیتا ہی کہ ایک بیل کو ذبح کر ڈالو، بولے کہ
کیا تو ہمسے ٹھٹھا کرتا ہی (موسیٰ نے) کہا کہ خدا کی
پناہ کہ میں نادانوں میں سے ہو جاؤں، بولے کہ ہمارے
لیئے اپنے پروردگار سے پوچھ ہمکو بتا دے کہ
وہ کیسا ہی، (موسیٰ نے) کہا کہ وہ یہ کہتا ہی کہ
ایک بیل ہی نہ بڈھا اور نہ بچا انکے درمیان درمیان
ہی، پھر کرو جو حکم تمکو دیا گیا ہے (۶۳)

یہی حال ہے ❊

(۶۴) (ورفعنا) یہ مضمون دو مقام میں آیا ہے ایک تو اسی آیت میں ہے کہ ہمنے تمھارے اوپر پہاڑ کو اونچا کیا، اور سورہ اعراف میں یہ لفظ ہیں ،، واذ نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ وظنوا انہ واقع بھم ،، ان دونوں مقاموں میں چار لفظ ہیں جنکے معنی حل ہونے سے مطلب سمجھ میں آویگا۔ رفع۔ فوق۔ نتق۔ ظلۃ ❊

،، رفع ،، کے معنی اونچا کرنے کے ہیں، مگر اس لفظ سے یہ بات کہ جو چیز اونچی کی گئی ہے وہ زمین سے بھی معلق ہو گئی ہو لازم نہیں آتی دیوار اونچا کرنے کو بھی ،، رفعنا ،، کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ زمین سے معلق نہیں ہوتی ❊

،، فوق ،، کے لفظ کو بھی اس شے کا زمین سے معلق ہونا لازم نہیں ہے ❊

،، نتق ،، کا لفظ البتہ بحث طلب ہے جسکے معنی مفسرین نے مذہبی عجائبات بنانے کو ،، قلع ،، کے بھی لیئے ہیں، جسکو زمین سے یا جگہ سے علیحدہ کر لینا لازم ہے، اور رفع کے بھی لیئے ہیں جسکو علیحدہ کر لینا لازم نہیں ہی، بیضاوی میں لکھا ہے ،، واذ نتقنا الجبل فوقھم ،، ای قلعناہ ورفعناہ ،، مگر قاموس میں اسکے معنی ہلا دینے کے لکھے ہیں ،، نتقہ زعزعہ ،، اور ،، زعزع ،، کے معنی ہلا دینے کے ہیں

www.poetrymania.com©

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾

بولے کہ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے پوچھ، ہمکو بتاوے کہ کیا اُسکا رنگ ہے (موسیٰ نے) کہا وہ یہ کہتا ہی کہ وہ زرد و شوخ رنگ کا بیل ہے دیکھنے والونکو خوش آتا ہی (۶۹)

"الزعزعة تحريك الريح الشجرة ونحوها او كل تحريك شديد" یعنی زعزعہ کے معنی ہوا کا درخت کو ہلانے کے ہیں اور ہر جنبش شدید کو بھی "زعزعہ" کہتے ہیں، پس صاف طور سے "نتقنا" کے معنی ہلا دینے کے ہیں یعنی ہمنے پہاڑ کو ہلا دیا اور الفاظ "وظنوا انه واقع بهم" زیادہ تر پہاڑ کے ہلا دینے کے جس سے اُنکو اُسکے گر پڑنے کا گمان ہوا مناسب ہیں ٭

"ظلة" کے معنی سائبان کے بھی ہو سکتے ہیں، چھتری کے بھی ہو سکتے ہیں اور جو چیز کہ ہمپر سایہ ڈالے اُسکے بھی ہو سکتے ہیں، اور اُس چیز کا زمین سے معلق ہمارے سر پر ہونا ضرور نہیں ہے، تفسیر کبیر میں لکھا ہی "الظلة كل ما اظلك من سقف بيت او سحابة او جناح حايطة" یعنی ظلہ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو سایہ ڈالے گھر کی چھت ہو یا ابر کا ٹکڑا یا احاطہ کا بازو یعنی دیوار پس، ظلہ کے لفظ سے بھی، یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ معلق سر کے اوپر ہو ٭

اب غور کرنا چاہیئے کہ واقعہ کیا تھا، بنی اسرائیل جو خدا کے دیکھنے کو گئے تھے طور یا طور سینین کے نیچے کھڑے ہوئے تھے، پہاڑ اُنکے سر پر نہایت اونچا اُٹھا ہوا تھا، وہ اُسکے سایہ کے تلے تھے، اور طور بسبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا، جسکے سبب وہ گمان کرتے تھے کہ اُنکے اوپر گر پڑیگا، پس اُس حالت کو خدا تعالیٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے کہ، "ورفعنا فوقكم الطور" "نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة وظنوا انه واقع بهم"، پس ان الفاظ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عجیب ہو یا مطابق واقع اور موافق قانون قدرت

www.poetrymania.com©

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٦٥﴾

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٦٦﴾

بولے کہ ہمارے لیے پروردگار سے پوچھ ہمکو بتادے کہ وہ کیا ہے بات یہ ہے کہ ہمکو وہ بیل مشتبہ ہو گیا ہے اور بیشک اگر خدا نے چاہا تو ہم ٹھیک بات پالینگے (یعنی جس بیل کے ذبح کرنیکا حکم دیا ہے اسکو ٹھیک جان لینگے (۶۵)

(موسیٰ نے) کہا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بیل ہے نہ سدھا ہوا زمین جوتنے کو اور نہ کھیتی میں پانی دینے کو سالم ہے (یعنی کان وغیرہ کٹے ہوئے یا کوئی عضو نقص نہیں ہے) نہ اسمیں کوئی دھبا ہے (یعنی یکرنگ ہے) بولے اب تو نے ٹھیک پتا بتادیا پھر انھوں نے اسکو ذبح کر ڈالا اور کرتے ہوئے لگتے نہ تھے (۶۶)

نہو، ہاں مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو عجیب وغریب واقعہ بنادیا ہے اور ہمارے مسلمان مفسر (خدا اُن پر رحمت کرے) عجائبات دور از کار کا ہونا مذہب کا فخر اور اُسکی عمدگی سمجھتے تھے، اسلیئے انھوں نے تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات بھر دی ہیں، بعضوں نے لکھا ہے کہ کوہ سینا کو خدا انکے سر پر اٹھا لایا تھا کہ مجھ سے اقرار کرو نہیں تو اسی پہاڑ کے تلے کچل دیتا ہوں، اور بعضوں نے کہا کہ نہیں بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو اُکھاڑ کر ہوا میں اُڑا لایا تھا، اور پانچ میل کا چوڑا اور پانچ میل کا لمبا تھا، اتنی بڑائی اُسکی اسلیئے تھی کہ کل لشکر بنی اسرائیل کا اُسکے تلے ایک ہی دفعہ میں کچل جاوے یہ تمام خرافاتیں لغو وبیہودہ ہیں اور خدای پاک کا کلام پاک ایسی بیہودہ باتوں سے پاک ہے +

(۱۱) (کُونُوا قِرَدَةً) ہو جاؤ بندر، اسکی تفسیر میں بھی ہمارے علماء مفسرین نے عجیب وغریب باتیں بیان کی ہیں، اور لکھا کہ وہ لوگ سچ مچ صورت وشکل اور حیثیت میں بھی بندر ہو گئے تھے، بعضوں کا قول ہے کہ وہ سب تین روز دن

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ
فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا
كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۶۷﴾
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا
كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى
وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور (یاد کرو) جبکہ تمنے ایک شخص کو مارڈالا پھر
اُسکو ایک دوسرے پر دھرنے لگے اور اللہ اسکو
ظاہر کرنیوالا ہے جسکو تم چھپاتے تھے (۶۷)
پھر ہمنے کہا کہ اُسی مقتول کو اُسکے ٹکڑے یعنی
اعضا سے مارو اسطرح اللہ زندہ کردیتا ہے (یعنی ظاہر
کردیتا ہے) مرے ہوئے (یعنی نامعلوم قاتل) کو اور
اپنی نشانیاں تمکو دکھلاتا ہے تاکہ تم سمجھو (۶۸)

مرگئے، اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ بندر جواب درختوں پر چڑھتے اور ایک ٹہنی سی دوسری ٹہنی پر اُچھلتے پھرتے ہیں اُنہی بندروں کی نسل میں سے ہیں ❊

مگر یہ تمام باتیں لغو وخرافات ہیں، خدا کے پاک کے کلام پاک کا یہ مطلب نہیں ہے۔ یہودیوں کی شریعت میں سبت کا دن عبادت کا تھا، اور اُسمیں کوئی کام کرنا یا شکار کھیلنا منع تھا، مگر ایک گروہ یہودیوں کا جو دریا کے کنارہ پر رہتا تھا فریب سے سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا، اُنکی قوم کے مشائخوں نے منع کیا جب نمانا تو اُنکو قوم سے منقطع برادری سے خارج کھانے پینے سے الگ میل جول سے علٰحدہ کردیا، اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے، اور اسی لیئے اُنکی حالت بندروں کی سی حالت ہوگئی تھی جسکی نسبت خدا نے فرمایا کہ، کونوا قردۃ خاسئین،، یعنی جسطرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں جسطرح انسانوں میں بندر ذلیل وخوار ہیں، اُسی طرح تم بھی انسانوں سے علٰحدہ اور ذلیل وخوار و رسوا رہو، جسکے سبب اُس زمانے کے لوگوں کو عبرت ہو، اور آیندہ آنے والے اُنکی ذلت و رسوائی کا حال سُنکر عبرت پکڑیں ❊

یہ کہنا کہ وہ لوگ سچ مچ کے بندر ہوگئے تھے، بجز اہل الجنۃ کے اور کوئی تسلیم نہیں کرسکتا تھا اسی سبب بعض مفسرین نے بھی اُنکے سچ مچ کے بندر ہوجانے

www.poetrymania.com©

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۶۹)	پھر اُسکے بعد بھی تمھارے دل سخت ہو گئے پس وہ پتھر کی مانند ہیں بلکہ اُس سے بھی زیادہ سخت اور ہاں پتھروں میں سے تو ایسا بھی ہی کہ پھوٹ نکلتی ہیں اُس سے نہریں اُنہی میں سے ایسا بھی ہی کہ پھٹ جاتا ہی پھر اُس سے پانی نکلتا ہی، اور اُنہی میں سے ایسا بھی ہی کہ خدا کے خوف سے گر پڑتا ہی، اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے بیخبر نہیں ہے (۶۹)

سے انکار کیا ہے، جسکو ہم بطور تائید اپنی کلام کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں، بیضاوی میں لکھا ہی ،، وقال مجاهد ما مسخت صورهم ولكن قلوبهم فمثلوا بالقردة كما مثلوا بالحمار فى قوله كمثل الحمار يحمل اسفارا،، یعنی مجاہد کا قول ہی کہ اُنکی صورتیں بندر کی سی نہیں ہو گئی تھیں بلکہ اُنکے دل بندروں کے سے ہو گئے تھے اور اسی لیئے بندروں کے ساتھ اُنکو تشبیہ دی ہی، جیسیکہ خدا نے گدھے کے ساتھ اپنے اس قول میں کہ اُنکی مثال گدھے کی ہی جسپر کتابیں لدی ہوں تشبیہ دی ہی ✣

(۶۳) (تذبحوا البقرۃ) یہ قصہ توریت میں بھی ہی ✣ مگر اسمیں بنی اسرائیل کا موسیٰ سے اسکا اتا پتا پوچھنا مذکور نہیں ہی اور اُسکے ذبح کے بعد جو قصہ توریت میں ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ہی بہرحال اتنی بات کہ خدا نے ایک بیل کے ذبح کرنیکا حکم دیا قرآن اور توریت دونوں میں موجود ہی، البقرہ، بالتحریک و مع التاء گائے اور بیل دونوں پر بولا جاتا ہی، اور قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ ،، لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث،، صاف اسکے بیل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ قرآن کے تمام الفاظ سے اور اُن پتوں اور نشانیوں سے جو بتلائے گئے ہیں صاف پایا جا

✣ دیکھو کتاب اعداد باب ۱۹

www.poetrymania.com©

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾

(اے مسلمانو) کیا تم اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ (یہودی) تمکو مان لینگے حالانکہ بلاشبہ اُنہی میں کا ایک گروہ تھا جو خدا کا کلام سنتا تھا اور پھر اُسکو سمجھنے کے بعد بدل دیتا تھا اور خود بھی جانتے تھے (۷۰)

ہے، کہ وہ بیل بت پرستوں یا کافروں کے طریقہ پر بطور سانڈھ کے چھوڑا ہوا تھا تفسیر کبیر میں بھی مسلّمۃ کی تفسیر "ای وحشیۃ مرسلۃ من الحبس" لکھی ہے جو ٹھیک چھوڑے ہوئے سانڈ کی ہے، اور اُسی کے ذبح کر ڈالنے کا موسیٰ نے حکم دیا تھا، اور بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ وہ ذبح ہونے سے بچ جاوے، اسی لیئے اُسکے اتنے پتے پوچھتے تھے، پس اس قصہ میں کوئی اعجوبہ بات نہیں ہے، جس بچھڑہ کو بنی اسرائیل نے پوجا تھا اُسکا معدوم کرنا اور جس بیل کو بطور سانڈھ کے چھوڑا تھا کہ وہ بھی ایک قسم کی پرستش ہے، اُسکو ذبح کروا ڈالنا اُس شرک و کفر کے مٹانیکے لیئے تھا، ہمارے علماء مفسرین نے بلاشبہ غلطی کی ہے جو یہ سمجھا ہے کہ یہ قصہ اگلی آیت "واذ قتلتم نفسا" سے متعلق ہے اور پہلی آیت کو خدا نے پیچھے کر دیا ہے ✝

(۷۲) (واذ قتلتم) اس قصہ کو پہلے قصہ سے کچھ تعلق نہیں ہے، بیل کے ذبح کرنے کا قصہ ختم ہو چکا، یہ دوسرا قصہ ہے، کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ سب لوگ جو موجود ہیں اور اُنہی میں قاتل بھی ہے مقتول کے عضا سے مقتول کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں ہیں وہ بسبب یقین اپنی بیجرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کرینگے، مگر اصلی قاتل بسبب خوف اپنے جرم کے جواز روے فطرت

✝ اول ہذہ القصۃ (ای قصۃ واذ قال موسیٰ لقومہ) قولہ تعالیٰ واذ قتلتم نفسا فادٰرٰءتم فیہا وانما فکّ عنہ وقدمت لاستقلالہ (بیضاوی)

www.poetrymania.com©

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۷۱) اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۷۲)

اور جب وہ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم اُنسے کہدیتے ہو وہ چیز جو خدا نے تم پر ظاہر کی ہے تاکہ وہ اسی بات سے جو تمہارے خدا کے پاس سے آئی ہے تم سے حجت کریں کیا تم سمجھتے نہیں (۷۱) کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (۷۲)

انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے ایسا نہیں کرینگا، اور اُسیوقت معلوم ہوجاویگا، اور وہی نشان جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھے ہیں لوگوں کو دکھا دیگا، اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بھی بہت سے چور معلوم ہوجاتے ہیں، اور وہ بسبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلاخوف بہ تقویت اپنی بیجرمی کے کرتے ہیں نہیں کرسکتے، پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنے کی تھی اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا +

ہمارے مفسرین نے ان آیتوں کی یہ تفسیر کی ہے کہ پہلا اور پچھلا ایک ہی قصہ ہے اور پچھلی آیتوں میں جو بیان ہوا ہے وہ باعتبار وقوع کے مقدم ہے، اور قصہ یوں قرار دیا ہے، کہ بنی اسرائیل نے ایک شخص کو قتل کیا تھا اُسکا قاتل معلوم کرنے کو خدا نے ایک بیل کے ذبح کرنیکا حکم دیا اور یہ کہا کہ اُس مذبوح بیل کے کسی اعضا سے مقتول کو مارو کہ اُسکے مارنے سے مقتول زندہ ہوگیا اور اُسنے اپنے قاتل کو بتلا دیا +

مگر اس تفسیر میں متعدد نقصان ہیں، اول تو پچھلی آیتوں کو مقدم قرار دینا اور

www.poetrymania.com©

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ
اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
يَظُنُّوْنَ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ
يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ
ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ
اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا
فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ
وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اُنہی میں بعضے ان پڑھ ہیں لکھنا بھی نہیں جانتے بجز زبانی پڑھنے کے اور وہ کچھ نہیں ہیں بجز اسکے (کہ خدا کی طرف سے اُسکے ہونیکا) گمان کرتے ہیں، پھر افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں ایک نوشتہ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ لیلیویں اُسکے بدلے تھوڑی سی قیمت، پھر افسوس ہے اُنکے لیئے اُسپر جو اُنکے ہاتھوں نے لکھا اور افسوس ہے اُنکے لیئے اُسپر جو وہ کماتے ہیں (۷۳)

دونوں قصوں کو ایک کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دوسرے ،، کذلك يحي الله الموتی ،، کے معنی جب مربوط ہوتے ہیں جب اُسکے پہلے یہ جملہ ،، فاحیاہ الله ،، مقدر مانا جاوے ، اور ایسے جملہ کو جو خارج از عقل اور خلاف عادت باری تعالیٰ ہے اپنی طرف سے بغیر موجود ہونے کسی یقین یا اشارہ صریح کے مقدر ماننا عبارت قرآن میں اضافہ کرنا ہے۔ تیسرے یہ کہ با وجود اس اضافہ کے یا ننا پڑیگا کہ ،، کذلك يحي الله الموتی ،، سے مراد احیاء اموات بروز بعث و نشر ہے اور اسجگہہ بعث و نشر کے حال کے بیان کرنیکا کوئی محل و موقع نہیں ہے اور نہ کوئی مباحثہ بعث و نشر کی بابت ہے*

جو سیدھے سادے صاف صاف معنی آیتوں کے ہمنے بیان کیئے ہیں، اور جنمیں نہ آیتوں کی ترتیب اُلٹنی پڑتی ہے اور نہ کسی جملہ خلاف از عقل و بغیر سند کے نقل کے اپنی طرف سے بڑھانے کی حاجت ہوتی ہے، اور جو صاف طور پر قرآن مجید سے پایا جاتا ہے، شاید اُسکی نسبت بھی بعض لوگ کچھ شبہ کرینگے ـ اول تو یہ کہینگے ،، اضربوہ ،، میں ضمیر مذکر کی ہے اور ،، ببعضها ،، میں ضمیر مؤنث

www.poetrymania.com©

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا
مَعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ
عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ
أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا
تَعْلَمُونَ (٧٤) بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً
وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (٧٥)
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (٧٦)

اور کہتے ہیں کہ بجز چند گنتی کے دنوں کے ہمکو آگ نہیں چھوئیگی تو اُن سے کہہ کیا تمنے اللہ سے کوئی اقرار لیلیا ہی کہ اللہ اپنی اقرار سے ہرگز خلاف نہیں کریگا یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جو نہیں جانتے (٧٤) ہاں جسنے بُرائی کمائی اور گھیر لیا اُسکو اُسکی خطاؤں نے پھر وہی آگ میں پڑنیوالے ہیں وہ ہمیشہ اسمیں رہینگے (٧٥) اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے وہ جنت میں جانیوالے ہیں وہ ہمیشہ اسمیں رہینگے (٧٦)

کی، اور دونوں کا مرجع ہمنے مقتول ٹھہرایا ہی۔ مگر یہ اعتراض کسی طرح صحیح نہیں ہونیکا، اس آیت سے پہلے ،، واذ قتلتم نفسا ،، واقع ہی اور بعضہا کی ضمیر نفس کی جانب راجع ہی اور نفس مؤنث ہی اور اُسکے لیئے مؤنث ہی کی ضمیر ہونی چاہیئے ،، فاضربوہ کی ضمیر کو بھی تمام مفسرین نے نفس ہی کی جانب راجع کیا ہی مگر باعتبار شخص مقتول کے اُسکا مذکر لانا جائز قرار دیا ہی، چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہی ،، الہاء فی قولہ تعالی فاضربوہ ضمیر وھو اما ان یرجع الی النفس وحینئذ یکون التذکیر علی تاویل الشخص والانسان واما الی القتیل وھو الذی دل علیہ قولہ وما کنتم تکتمون ،،

دوسرا یہ شبہہ کرینگے کہ ،، یحیی ،، اور ،، موتی ،، کے لفظ کے ہمنے وہ معنی نہیں لیئے جو صریح اُن لفظوں سے پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ اعتراض بھی صحیح نہوگا اسلیئے کہ ہمنے ان لفظوں کے وہی معنی لیئے ہیں جن معنوں میں خود خدا نے ان لفظوں کو استعمال کیا ہی جہاں فرمایا ہی † ،، وکنتم امواتا فاحیاکم ،، یعنی تم مردہ یعنی معدوم یا غیر موجود یا نامعلوم تھے، پھر ہمنے تمکو زندہ یعنی مخلوق یا موجود یا ظاہر کیا ایسی

† دیکھو صفحہ ۹۰

www.poetrymania.com©

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۷۷﴾

اور (یاد کرو) جبکہ ہمنے بنی اسرائیل سے قول لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قرابت مندوں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اور کہو لوگوں کیلئے اچھی بات اور سیدھی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ کو پھر تم پھر گئے بجز چند کے تم میں سے اور تم پھر جانے والے ہو (۷۷)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۷۸﴾

اور (یاد کرو) جب کہ ہمنے تمھارا قول لیا کہ آپس میں خونریزی مت کرو اور اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے مت نکالو پھر تمنے اقرار کیا اور تم شاہد ہو (۷۸)

دلیل سے ہمنے یہاں سے "یحیی" اور "موتی" کے یہی معنی لیئے ہیں، کہ نا معلوم قاتل معلوم ہوگیا، اور ان معنوں کے صحیح ہونے پر خود اسی مقام میں خدا تعالے نے اشارہ کیا ہے، اوپر کی آیت میں لفظ واللہ مخرج آیا ہے، اُسی کے مقابل اس آیت میں یحیی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اوپر کی آیت میں تکتمون کا لفظ آیا ہے اُسی کے مقابل اس آیت میں موتی کا لفظ آیا ہے، پس علانیہ ثابت ہے کہ یحیی اللہ سے ظاہر ہونا قاتل کا اور موتی سے نا معلوم یا غیر ظاہر ہونا قاتل کا مراد ہے نہ مقتول کا زندہ ہونا خدا اپنی قدرت اور اپنی حکمت کو، اُنہی باتوں میں جو انسان روزمرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں ظاہر کرتا ہے، مگر انسان کا خیال اُسپر قناعت نہیں کرتا اور دور دراز کار باتوں کو پسند کرتا ہے +

تیسرا شبہ یہ کرینگے کہ "کذلک یحیی اللہ الموتی" کے قبل ہمکو یہ جملہ کہ "فاظہرہ اللہ" مقدر ماننا پڑیگا، مگر یہ جملہ نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف قرآن، اور نہ خلاف سیاق کلام خدا، کیونکہ خود خدا نے فرمایا ہے، "واللہ مخرج" برخلاف اُس پہلے

www.poetrymania.com©

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ
مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ
اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ
عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ
بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ
فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ
مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ
اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۷۹)
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۸۰)
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

پھر تم ہی وہ ہو کہ مار ڈالتے ہو اپنے لوگوں کو اور نکال دیتے ہو اپنے گروہ کو انکے گھروں سے آپس گناہ اور زیادتی سے ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہو اور اگر وہ غیر قوم کے قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو فدیہ دیکر چھوڑ لیتے ہو اور انکا نکال دینا بھی تو تمپر حرام ہے پھر کیا ایمان لاتے ہو کتاب کے ایک ٹکڑے پر اور انکار کرتے ہو اسکے دوسرے ٹکڑے سے پھر کیا سزا ہے اس شخص کی جو تم میں سے ایسا کرے بجز خواری کے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن سخت تر عذاب میں ڈالے جاویں اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خدا بےخبر نہیں ہے (۷۹) یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے لیلیا ہے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے پھر نہ انپر سے عذاب کی تخفیف ہوگی اور نہ انکی مدد کیجاویگی (۸۰) اور بےشبہ ہمنے دی موسیٰ کو کتاب اور اسکے بعد پے درپے بھیجے ہمنے پیغمبر اور ہمنے دیں عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں

جملے کے کہ نہ وہ زمین کا ہے نہ آسمان کا ÷

(۸۱) (واتینا عیسی ابن مریم البینٰت) بیّنات صفت ہے اور جہاں صرف لفظ بیّنات ہے وہاں اسکا موصوف جسکی وہ صفت ہے مقدر ہے پس خدا کے کلام پر غور کر کر موصوف مقدر کو قرار دینا چاہیئے، خدا کے کلام میں ہمیشہ بیّنات کا موصوف

www.poetrymania.com©

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ	اور ہمنے اُسکی تائید کی روح قدس سے

آیات کا لفظ آیا ہے، جیسیکہ اسی سورہ میں آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا ہے " ولقد انزلنا الیک اٰیات بینات " اسلیئے جو معنی آیات بینات کے ہیں وہی معنی صرف بینات کے بھی ہیں، کیونکہ آیات اُسکا موصوف وہاں مقدر ہے، اور جو مراد لفظ بینات سے ہی، مع اُس صفت کے جسپر لفظ بینات دلالت کرتا ہی۔

(آیہ) کے معنی لغت میں علامت یعنی نشانی کے ہیں، اور علامت ہمیشہ اُسپر جسکی وہ نشانی ہو دلالت کرتی ہے، پس آیت کے معنی دلالت کرنیوالے کے ہوئے جیسے کہ امام فخرالدین رازی نے بھی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہی " ان الآیہ ہی الدالۃ " اور جو کہ قرآن مجید کے فقرے بھی خدا کی وحدانیت اور انبیاء کی نبوت اور احکام شریعت پر دلالت کرتے ہیں، اسلیئے اُسکے ہر فقرہ کو بھی آیت کہتے ہیں جیسیکہ تفسیر معالم التنزیل میں " ولقد انزلنا الیک اٰیات بینات " کی تفسیر میں لکھا ہی " واضحات مفصلات بالحلال والحرام والحدود والاحکام " اور جبکہ فقرات قرآن پر اسلیئے کہ وہ احکام پر دلالت کرتے ہیں آیات کا اطلاق ہوا، تو آیات سے خود احکام بھی جو اُس شخص کے وجود اور عظمت وجلال اور قدرت وسطوت واختیار پر دلالت کرتے ہیں جسنے وہ احکام صادر کیئے ہیں مراد لیئے جا سکتے ہیں، درحقیقت آیات کے لفظ سے قرآن مجید کی آیتیں یا احکام جو خدا نے اُن آیتوں میں نازل فرمائے ہیں مراد لینا ایک ہی بات ہی۔

قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال کبھی تو خدا کی جانب سے ہوا ہی، جیسیکہ اس آیت میں " ولقد انزلنا الیک اٰیات بینات " اور کبھی بطور قول کفار یا اہل الکتاب کے ہوا ہے، جیسیکہ اس آیت میں ہی " وقالوا لولا یاتینا بآیۃ من ربہ " پس جہاں قرآن میں اس لفظ یعنی آیت، یا آیات، یا بینات، یا آیات بینات، کا استعمال خدا کی جانب سے ہوا ہے، اُس سے ہمیشہ وہ احکام یا نصایح اور مواعظ مراد ہیں، جو خدا تعالی نے

www.poetrymania.com©

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۱﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۲﴾

کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمھارے پاس وہ چیز لایا جسکو تمھارا جی نہ چاہتا تھا تو تمنے اُس سے سرکشی نہیں کی پھر ایک گروہ کو تمنے جھٹلایا اور ایک گروہ کو تمنے مار ڈالا (۸۱) اور بولے کہ ہمارے دل (ایمان سے) ڈھکے ہوئے ہیں (نہیں) بلکہ اُنپر اُنکے کفر کے سبب اللہ نے لعنت کی ہی پس ذرا ہی بھی ایمان نہ لائینگے (۸۲)

بذریعہ اپنے کلام یا وحی کے انبیا پر نازل فرمائے ہیں، اُن احکام و مواعظ میں سے بعضے خفی ہیں جنکی حکمت بہ تامل و تدقیق نظر سمجھ میں آتی ہی، اور بعضے ایسے ہیں جو نہایت صاف اور واضح بدیہی ہیں، اسی لیئے خدا نے کبھی صرف آیات سے اور کبھی آیات بینات سے اور کبھی زیادہ تر بدیہی ہونے کے سبب صرف بینات سے اُنکو تعبیر کیا ہے +

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ہم آیات بینات سے جہاںکہ وہ خدا کی طرف سے بولا گیا ہی، وہ چیز مراد نہیں لیتے جسکو لوگ معجزہ یا معجزات کہتے ہیں، گو مفسرین نے اکثر مقامات میں بلکہ قریباً کل مقامات میں ان الفاظ سے معجزات ہی مراد لیئے ہیں مگر یہ غلطی ہے، معجزہ پر آیت یا آیات کا اطلاق ہو نہیں سکتا، کیونکہ معجزہ امر مطلوب پر یعنی اثبات نبوت یا خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اور نہ وہ صفت بینات موصوف ہو سکتا ہی، اسلیئے کہ اُسمیں اگر وہ ہو بھی تو بھی کوئی ایسی وضاحت جس سے اُسکا حق اور واقعی ہونا اور خدا کی طرف سے ہونا پایا جاوے کبھی نہیں ہوتی صرف احکام ہی ہیں جو بینات کی صفت سے موصوف ہو سکتے ہیں +

معجزہ نبوت کے ثبوت کی کیونکر دلیل ہو سکتا ہی، اثبات نبوت کے لیئے اول خدا کا

+ فقلیلا ما یؤمنون، ما یؤمنون قلیلا ولا کثیرا ویقول ما یؤمنون بقلیل ولا بکثیر (تفسیر کبیر)

www.poetrymania.com©

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ
اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ
عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ
مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ
اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ بِئْسَمَا
اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۸۴﴾

اور جب اُنکے لیئے اللہ کے پاس سے کتاب
(یعنی قرآن) آئی سچ بتانیوالی اُس چیز کو جو اُنکے
پاس ہی حالانکہ اُس سے پہلے (اُسی سے) اُن لوگوں
پر جو کافر تھے فتح پانی چاہتے تھے، پھر جب اُنکے
پاس آئی وہ چیز جسکو وہ جانتے تھے اُس سے انکار
کیا پس لعنت ہی خدا کی انکار کرنے والوں پر (۸۳)
بُری چیز ہی جو کچھ کہ آپ اُنھوں نے اپنے لیئے لی کہ انکار
کریں اُس چیز سے (یعنی قرآن سے) جسکو خدا نے
بھیجا ہی اِس ضد سے کہ خدا اُسکو بھیجے اپنی فضل سے
اپنے بندوں میں سے جسپر چاہی، پھر مستحق ہوئے غصہ پر
غصہ کے اور کافروں کیلیئے سخت عذاب ہی (۸۴)

وجود اور اُسکا متکلم ہونا اور اُسمیں اپنے ارادہ سے کام کرنیکی قدرت کا ہونا اور اُسکا تمام بندوں کا مالک ہونا ثابت کرنا چاہیئے۔ پھر اسکا ثبوت چاہیئے کہ وہ اپنی طرف سے رسول و پیغمبر بھیجا کرتا ہی، پھر یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ جو شخص دعوی نبوت کرتا ہے وہ درحقیقت اُسکا بھیجا ہوا ہی۔ ہم پہلی دو باتوں سے قطع نظر کرتے ہیں کیونکہ کہا جاسکتا ہی کہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پر اکثر اہل کتاب مخاطب ہیں جو اُن دونو پہلی باتوں کو مانتے تھے، اور اس لیئے معجزات سی صرف تیسری بات کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے ٭

مگر وہ تیسری بات بھی معجزے سے ثابت نہیں ہوسکتی۔ قاضی ابی الولید محمد بن رشد نے اپنی کتاب میں جسکا نام ،، کتاب الکشف عن مناھج الادلہ فی عقائد الملہ ،، ہے بعثت انبیاء پر نہایت لطیف مباحثہ لکھا ہی، جسکا ماحصل ہم بھی اس مقام پر لکھتے ہیں، اُنھوں نے لکھا ہی کہ خدا کی طرف سے رسولوں کے آنے میں دو

www.poetrymania.com©

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾	اور جب اُنسے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز پر ایمان لاؤ جو خدا نے بھیجی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسپر ایمان لائے ہیں جو ہمپر اُتری ہے اور اُسکے سوا کسی کو نہیں مانتے حالانکہ وہ سچ ہے اور سچ بتاتی ہے اُس چیز کو جو اُنکے پاس ہے اے محمد تو اُنسے کہہ دے کہ اگر تم اُسی کو مانتے ہو جو تمھارے پاس ہے تو پھر تمنے کس لیئے اگلے زمانہ میں اللہ کے نبیوں کو مار ڈالا اگر ایمان والے تھے (۸۵)

چیزیں غور طلب ہیں۔ اول رسول کے ہونیکا ثبوت۔ دوسرے وہ چیز جس سے ظاہر ہو کہ یہ شخص جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہے رسولوں میں سے ایک رسول ہے، اور اپنے دعوے میں جھوٹا نہیں ہے۔ انسانوں میں سے ایسے انسان کے ہونے پر متکلمین نے دنیا کے حالات پر قیاس کرکر استدلال کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے، کہ اللہ تعالی متکلم ہے اور صاحب ارادہ، اور بندوں کا مالک، اور دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ایسا شخص مجاز ہے کہ اپنے مملوک بندوں کے پاس اپنا ایلچی یا رسول بھیجے، تو خدا کی نسبت بھی ممکن ہے کہ اپنے بندوں پاس اپنا رسول بھیجے۔ اور یہ بات بھی دنیا میں دیکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا ایلچی ہوں اور بادشاہی نشانیاں اُسکے پاس ہیں تو واجب ہوتا ہے کہ اُسکا ایلچی ہونا قبول کیا جاوے۔ متکلمین کہتے ہیں کہ یہ نشانیاں رسولوں کے ہاتھ سے معجزوں کا ہونا ہے +

ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ دلیل عام لوگوں کے لیئے کسیقدر مناسب ہو، مگر جب غور سے دیکھا جاوے تو ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ جو شخص بادشاہ کے ایلچی ہونیکا دعوی کرتا ہے اُسوقت تک اُسکو سچا نہیں مانا جا سکتا جبتک کہ یہ نہ معلوم ہو کہ جو

www.poetrymania.com©

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۸۶﴾	بیشک تمہارے پاس موسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لیکر آیا پھر اسکے بعد تمنے بچھڑا بنالیا اور تم ظالم ہو (۸۶)

نشانیاں وہ دکھاتا ہے وہی نشانیاں بادشاہ کے ایلچی ہونے کی ہیں، اور یہ بات دو طرح سے ہوسکتی ہے یا تو خود بادشاہ نے اپنی رعیت سے کہدیا ہوگا کہ جس شخص کے پاس تم میری ان خاص نشانیوں کو دیکھو تو اسکو میرا رسول یا ایلچی جانو، یا بادشاہ کی عادت سے یہ بات معلوم ہوگئی ہو کہ وہ ایسی نشانیاں بجز اپنے ایلچی یا رسول کے اور کسی کو نہیں دیتا۔ جبکہ یہ بات ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بات کہاں سے معلوم ہوگی کہ بعض انسان کے ہاتھ سے معجزوں کا ہونا رسول ہونے کی خاص نشانی ہے، کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں، یا یہ بات شرع سے جانی گئی ہوگی یا عقل سے، شرع سے جاننا تو غیر ممکن ہے، کیونکہ شرع تو رسول ثابت ہونے کے بعد ٹھہرےگی اور ابتک رسول ہونا ہی ثابت نہیں ہوا ہے اور عقلاً بھی اسبات کا قرار دینا کہ یہ نشانیاں مخصوص رسولوں کی ہیں غیر ممکن ہے ہاں اگر وہ نشانیاں بہت سی دفعہ انہی لوگوں سے ظاہر ہوتیں جو رسول ہونیکا دعوی کرتے ہیں اور انکے سوا اور کسی سے نہیں ہوتیں تو جو لوگ رسولوں کے ہونے کو مانتے ہیں انکے لئے دلیل ہوسکتی، اور اسوقت یہ کہا جاسکتا کہ اس شخص نے جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہے معجزے دکھلائے ہیں، اور جو شخص کہ معجزے دکھاتا ہے وہ رسول ہوتا ہے، اور اسلیئے یہ شخص بھی رسول ہے۔ مگر یہ ماننا کہ اس شخص نے جو رسول ہونیکا دعو کرتا ہے معجزے دکھلائے ہیں، اسیوقت ہوسکتا ہے جبکہ اول تسلیم کرلیا جاوے کہ ایسی باتیں انسان سے ہوسکتی ہیں، اور درحقیقت انکا ہونا بخوبی محسوس ہوا ہو، اور یقین ہوگیا ہو کہ وہ کسی لاگ اور کسی حکمت سے اور خواص اشیاء سے نہیں ہوئیں اور جو دکھائی دیا ہے وہ ڈھٹ بندی نہ تھی، بلکہ حقیقت میں واقع ہوا ہے۔ اور یہ کہنا

www.poetrymania.com©

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا
فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ
اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ
قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ
بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾

اور (یاد کرو) جب ہمنے تمسے قرار لیا اور ہمنے تمپر طور
کو اونچا کیا کہ مضبوط پکڑو اسچیز کو جو ہمنے تمکو دی ہے
اور (اسکو) مانو، (اپنی زبان سے تو انھوں نے) کہا
کہ ہمنے مانا (مگر انکی زبان حال اور کردار نے کہا کہ ہمنے
نہ مانا) اور انکے دلوں میں پلا دیگئی تھی بچھڑے کی
(محبت) انکے کفر کے سبب کہدے بری بات ہے
جسکے کرنے کو تمھارا ایمان تمکو حکم دیتا ہے اگر
تم ایمان والے ہو (۸۷)

کہ جو شخص معجزے دکھاتا ہے وہ رسول ہوتا ہے، جب صحیح ہوگا کہ پہلے رسولوں کا وجود اور یہ بات کہ وہ معجزے بجز رسولوں کے اور کسی نے نہیں دکھائے مان لیا جاوے، کیونکہ اس قسم کی منطقی دلیل کا جسمیں دو مقدمے ملا کر نتیجہ نکالا جاتا ہے یہ خاصہ ہے کہ دونوں مقدمے مان لیئے گئے ہوں، مثلاً جس شخص کے سامنے یہ دلیل کیجاوے کہ العالم محدث، تو ضرور ہے کہ اسکو یہ بات معلوم ہو کہ عالم موجود ہے اور محدث بھی ہے، پس اب ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ یہ بات کہ جو شخص معجزے دکھاتا ہے وہ رسول ہوتا ہے کہاں سے ثابت ہوئی ہے، کیونکہ ابتک رسالت ہی کا وجود ثابت نہیں ہوا ہے) اور دو مقدموں کو ملا کر نتیجہ نکالنے کیلئے ان دونو کا ثابت ہو جانا ضرور تھا۔ اور یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ جب رسولوں کا ہونا عقلاً ممکن ہے تو انکے ہونے پر عقل دلالت کرتی ہے، کیونکہ وہ امکان اس قسم کا امکان نہیں ہے جو موجودات کی طبیعت میں پایا جاتا ہے جسطرح کہ ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مینھ برسے اور نہ برسے اسلیئے کہ جو امکان موجودات کی طبیعت میں مانا جاتا ہے وہ اسلیئے مانا جاتا ہے کہ وہ شی کبھی موجود ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، جیسے کہ مینھ کا حال ہے کہ کبھی برستا ہے اور کبھی نہیں برستا، اور اسلیئے عقل بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات کہتی ہے کہ مینھ کا برسنا ممکن ہے۔ اور واجب کا حال اسکے برخلاف ہے اور وہ

www.poetrymania.com©

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۸﴾

کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر خدا کے نزدیک
اور لوگوں کے سوا بالتخصیص تمہارے ہی لیے
ہے تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو (۸۸)

وہ ہے جو ہمیشہ موجود اور محسوس ہو، اور اسلیئے اُسکی نسبت عقل بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات کہتی ہے کہ اُسکا متغیر ہونا اور بدلا جانا ممکن نہیں، پس جو شخص کسی ایک رسول کے ہونیکا بھی قائل ہوگیا ہو تو اُسکے مقابل میں کہا جا سکتا ہے کہ رسولوں کا ہونا ممکن ہے، مگر جو شخص رسول ہونیکا قائل ہی نہ ہو تو اُسکے مقابل میں اُسکا امکان کہنا جہالت ہے، اور لوگوں کی طرف سے ایلچی کا ہونا ممکن مانا گیا ہے تو اس سبب سے مانا گیا ہے کہ اُنکے ایلچیوں کا وجود ہمنے پایا ہے، اگر یہ کہا جاوے کہ لوگوں کی طرف سے ایلچیوں کے وجود کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی طرف سے بھی رسولوں کا ہونا ممکن ہو، جیسیکہ عمرو کے ایلچی کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ زید کی طرف سے بھی ایلچی کا ہونا ممکن ہے، تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہوگا اسلیئے کہ ایسی صورت میں عمرو اور زید دونوں کی طبیعتوں کا مساوی ہونا ضرور ہے، اور یہ مساوات خدا اور بندوں میں نہیں ہے، اور اگر آیندہ کے لیئے رسول ہونیکا امکان فی نفسہ مان لیا جاوے، تو یہ تسلیم ایک امکانی امر کی تسلیم ہوگی نہ اُسکے وقوع کی، اور یہ نہ معلوم ہوگا کہ اُسنے بھیجا بھی ہے یا نہیں جیسیکہ اس بات میں شک ہوتا ہے کہ عمرو نے کسی گذشتہ زمانہ میں ایلچی بھیجا یا نہیں اور آیندہ زمانے میں بھیجنے میں شک کرنا کہ آیندہ بھی وہ بھیجیگا یا نہیں گذشتہ زمانے کے شک کرنے سے بالکل مختلف ہے پھر جب ہمکو یہ بات معلوم نہیں کہ زید نے گذشتہ زمانہ میں کوئی ایلچی بھیجا ہے یا نہیں تو ہمکو یہ کہنا صحیح نہوگا کہ جسکے پاس زید کی نشانیاں ہیں وہ زید کا ایلچی ہے جبتک کہ ہم یہ نہ جان لیں کہ یہ نشانیاں اُسکے ایلچی ہونے کی نشانیاں ہیں، اور یہ بات جب ہوگی جب ہم جان چکے ہوں کہ اُسنے اپنا ایلچی بھیجا ہے۔ پس جبکہ ہمنے یہ تسلیم بھی کر لیا کہ رسالت ہوتی ہے اور معجزے بھی ہوتے ہیں، تو کسطرح ہمکو یہ بات معلوم

www.poetrymania.com©

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾	اور ہرگز کبھی اُسکی آرزو نکرینگے اُسکے سبب سے جو اُنکے ہاتھوں نے پیش کیا ہی (یعنی بسبب اپنے اعمال بد کے) اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو (۸۹)

ہوگی کہ جسنے وہ معجزے دکھائے ہیں وہ رسول ہے۔ کیونکہ اُسکے رسول ہونیکا ثبوت خدا کی طرف سے تو اُسوقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ اُسکا رسول ہونا ثابت نہولے ورنہ تصحیح الشئ بنفسہ لازم آتی ہے جو باطل ہے اور تجربہ اور عادت سے بھی اُسکے رسول ہونیکا ثبوت نہیں ہو سکنے کا بجز اسکے کہ معجزے رسول ہی دکھایا کریں اور کوئی نہ دکھا سکے حالانکہ خرق عادت جسکا ایک نام معجزہ بھی ہی رسول اور غیر رسول دونوں دکھا سکتے ہیں۔ ان تمام مشکلات کے سبب متکلمین نے اُن سب باتوں کو چھوڑ کر صرف یہ بات کہی کہ جس شخص کے پاس معجزہ یعنے عاجز کرنے والی چیز ہو وہ رسول ہی۔ مگر یہ بھی صحیح نہوگا بجز اسکے کہ وہ شئے معجز فی نفسہ رسالت اور رسول پر دلالت نہ کرے، اور عقل میں یہ قوت نہیں کہ وہ جب کوئی عجیب خرق عادت دیکھے تو یہ جان لے کہ وہ وہ بانی ہی اور رسالت پر دلیل قاطع، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس شخص سے یہ خرق عادت ہوئی ہے، وہ ایک بڑا شخص ہے، اور بڑا شخص جھوٹ نہیں بولیگا، بلکہ اُسکے رسول ماننے کو یہ بھی کافی نہوگا جبتک کہ یہ بھی نہ مان لیا جائے کہ رسالت درحقیقت ایک چیز ہے، اور ایسی خرق عادت بجز رسول کے اور کسی بڑے شخص سے نہیں ہوتی۔ شئے معجز بھی رسالت پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ عقل نہیں جان سکتی کہ رسالت اور شئے معجز میں کیا علاقہ ہی، جبتک یہ نہ مان لیا جائے کہ اعجاز، رسالت کے افعال میں سے ایک فعل ہے، جیسیکہ بیمار کا اچھا کرنا طب کے افعال میں سے ایک فعل ہی، اور جو شخص بیمار کو اچھا کر دیتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ طب کا وجود ہی، اور یہ شخص طبیب ہی، پس یہ تمام دلیلیں بودی ہیں۔ اور اگر ہم بطور تنزل کے رسالت کے امکان لمری کو

www.poetrymania.com©

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾	اور بیشک تو اُنکو پاویگا سب آدمیوں سے زیادہ حریص زندگی پر، اور اُن لوگوں سے بھی زیادہ تر (حریص) جو مشرک ہیں، ہر ایک اُنمیں کا چاہتا ہے کہ کاش اُسکو ہزار برس کی عمر دیجاوے اور لمبی عمر† ہونا بھی اُسکو عذاب سے بچانیوالا نہیں، اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (۹۰)

امکان و توعی فرض کرلیں اور معجزہ کو بھی اُس شخص کے سچا ہونے کی دلیل مان لیں جو رسالت کا دعوی کرتا ہے، تو بھی اُن لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ رسول کے سوا اور سے بھی شئے معجز ظاہر ہوتی ہے، رسالت پر معجزہ کی دلالت لازمی نہیں ہونے کی، اور متکلمین اِس بات کے قائل ہیں کہ شئے معجز کبھی جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اِس مقام پر جو اُنھوں نے یہ شرط لگائی ہے، کہ شئے معجز اُسی وقت رسالت پر دلالت کرتی ہے، جبکہ وہ رسالت کے دعوی کے مقارن ہو، اور جو شخص رسول نہیں ہے اور وہ یہ دعوی کرے کہ میں رسول ہوں شئے معجز کو دکھانا چاہے تو نہ دکھا سکے گا، یہ ایک ایسی بات ہے جسپر کوئی دلیل نہیں، نہ تو اُسکا نشان منقولات میں پایا جاتا ہے اور نہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہے، اور یہ کہنا کہ شئے معجز ایک بڑے شخص سے ظاہر ہوتی ہے، اور جو شخص جھوٹا دعوی کرے وہ بڑا شخص نہیں ہے، اور اسلیئے اُس سے ظاہر نہ ہوگی، اسلیئے غلط ہو جاتا ہے کہ متکلمین جادوگر سے شئے معجز کا ظاہر ہونا تسلیم کرتے ہیں، اور جادوگر بڑا شخص تسلیم نہیں کیا جا سکتا ؛

اِن سب خرابیوں پر خیال کر کے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے، کہ یہ اعتقاد ٹھیک ہے کہ خرق عادت بجز انبیا کے اور کسی سے نہیں ہوتا، اور سحر صرف ایک

† والضمیر (الی ضمیر هو) ✦✦ ✦ لما دل علیه یعمر وان یعمر بدل منه (بیضاوی)

www.poetrymania.com©

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾	کہہ دے جو کوئی دشمن ہو جبرئیل کا کیونکہ اُسنے اُتارا ہو تیرے دل پر اللہ کے حکم سے (وہ کلام جو) سچ بتایا ہو اُس چیز کو جو اُس سے پیشتر ہو اور ہدایت اور خوشخبری ہو ایمان والوں کیلیئے (۹۱)

شعبدہ بندی ہی، نہ قلب عین شی یعنی معجزہ سے لکڑی سچ مچ کا سانپ بنجاتی ہے، اور سحر سے وہ سانپ نہیں بنتی، بلکہ لوگوں کو سانپ دکھائی دیتی ہی اور اسی وجہ سے اُن لوگوں نے کرامات اولیا سے انکار کیا ہی (واضح ہو کہ اسی خیال پر شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں کرامات اولیا سے انکار کیا ہی) مگر قاضی ابن رشد اس اعتقاد کی بھی تردید کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم کو رسول خدا صلعم کے حال سے ظاہر ہوگا، کہ آنحضرت ؐ نے نہ کسی ایک شخص کے اور نہ کسی ایک گروہ کے ایمان پر دعوت کرتے وقت یہ نہیں کیا، کہ اُس سے پہلے اُسکے سامنے کوئی خرق عادت کی ہو، اور ایک چیز کو دوسری چیز میں بدل دیا ہو یعنی لکڑی کا سانپ اور سانپ کی لکڑی، اور سونے کو مٹی اور مٹی کو سونا بنا دیا ہو، اور اسلام لانے کی دعوت کے وقت کوئی کرامات اور کوئی خوارق عادات آنحضرت صلعم سے ظاہر نہیں ہوئی، اگر ظاہر ہوئی ہی تو معمولی حالات میں، بغیر اسکے کہ کرامات یا خرق عادت کا دعویٰ کیا ہو، اور اسکا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہی جہاں خدا نے آنحضرت صلعم سے فرمایا ہی کہ، کافر کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائینگے

قالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما	جبتک کہ تو زمین پھاڑ کر ہمارے لیئے چشمے نہ نکالے یا تیرے پاس کھجور و انگور کا باغ نہو جسکے بیچ میں تو بہتی ہوئی نہریں نہ نکالے زور سے بہتی، یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے نہ ڈالے، یا خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ نہ لاوے یا تیرے لیئے کوئی مزین گھر نہو، یا تو آسمان پر چڑھ

www.poetrymania.com©

جو شخص خدا کا دشمن ہے	مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ

زعمت علینا کسفا او تأتی باللہ والملائکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ۔
وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون ✦

نچاوے، اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہیں لاوینگے، جبتک کہ ہمپر ایسی کتاب نہ اُترے جو ہم پڑھلیں (اسپر خدا اپنے پیغمبر سے کہتا ہی کہ) تو اُنسے کہدے، کہ پاک ہی میرا پروردگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر رسول (اور خدا نے فرمایا کہ) نہیں روکا ہمکو آیات کے بھیجنے سے مگر یہ کہ جھٹلایا اُنکو اگلوں نے ✦

غرضکہ قاضی ابن رشد نے معجزات کو مثبت نبوت قرار نہیں دیا، اور اُسکے بعد صرف قرآن کو مثبت نبوت قرار دیا ہی، اور قریبًا قریبًا وہی لکھا ہے † جو اس بحث میں ہم لکھ چکے ہیں، مگر وہ بحث اس مقام سے متعلق نہیں ہی۔ قاضی ابن رشد نے جو اتنی بڑی بحث لکھی ہی اُسکا حاصل یہ ہی، کہ اگر خدا کو موجود و مرید و متکلم و قادر و مالک عباد تسلیم بھی کرلیا جاوے، اور یہ بھی مان لیا جاوے کہ وہ رسول بھی بھیجا کرتا ہے، اور معجزات کا بھی وقوع قبول کرلیا جاوے، تب بھی معجزات کے وقوع سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، کہ وہ شخص خدا کا رسول ہے۔ مختصر طور پر اسکی یہ دلیلیں ہیں ✦

(۱) جو امر کہ واقع ہوا اُسکی نسبت اُس امر کے لزوم کا ثبوت نہیں ہوتا کہ جس شخص سے وہ واقع ہو وہ رسول ہوتا ہے ✦

(۲) کوئی خرق عادت ایسی معلوم نہیں ہی جو بطور خاصہ رسولوں سے مخصوص ہو ✦

(۳) کچھ ثبوت نہیں ہے کہ خرق عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے ✦

(۴) اسکا ثبوت نہیں ہوتا کہ اُسکا وقوع قانون قدرت کے مطابق نہیں

† دیکھو صفحہ ۲۵ لغایت ۴۰

www.poetrymania.com©

اور اُسکے فرشتوں کا	وَمَلٰئِکَتِهٖ

ہوا کیونکہ بہت سے عجائبات اب بھی ایسی ظاہر ہوتے ہیں جو فی الحقیقت اُنکا وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے مگر وہ قانون ابھی لامعلوم ہی +

(۵) اسکا کچھ ثبوت نہیں ہوتا کہ جو امر واقع ہوا وہ خواص نفس انسانی سے جو ہر ایک انسان میں ہے کچھ تعلق نہیں رکھتا +

(۶) غیر انبیاء سے جو امور خرق عادت کے واقع ہوتے ہیں اور جو انبیا سے واقع ہوتے ہیں اُن دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے +

(۷) یہاں تک کہ اہل ہنر سے جو امور واقع ہوتے ہیں اُن میں خرق عادت میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہے +

کوئی معترض غلطی سے کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جسطرح آیات بیّنات کا اطلاق قرآن کی آیتوں یا احکام و نصایح و مواعظ قرآنی پر ہوا ہے اسی طرح معجزات پر ہوا ہے اور وہ آیتیں قرآن کی غلط فہمی سے اسکی دلیل میں پیش کر سکتا ہے پس مناسب ہے کہ ہم اس مقام پر بتا دیں کہ ان آیتوں میں سے آیات بیّنات سے معجزے مراد نہیں ہیں +

پہلی آیت سورۂ مائدہ کی ہے جہاں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت فرمایا ہے کہ ،، اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا - واذ علمتك الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل - واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی وتبرئ الاکمہ والابرص باذنی - واذ تخرج الموتی باذنی - واذ کففت بنی اسرائیل عنك اذ جئتھم بالبینات فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین ،، اس آیت میں مفسرین کے نزدیک حضرت عیسیٰ کے معجزات کا بیان ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بیّنات سے جو اس

www.poetrymania.com©

اور اُسکے رسولوں کا	وَرُسُلِهٖ

آیت میں سے معجزے مراد ہیں جنکو کافروں نے جادو کہا۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی ہٰذا کا اشارہ ،، الذی جئتہ بہ ،، کی طرف کیا ہی جس سے صاحب بیضاوی کے نزدیک بھی اسجگہہ بینات سے معجزے مراد ہیں ❊

مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اول تو اِن ہٰذا کا مشار الیہ الذی جئت بہ ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ ظرف واقع ہوا ہی کففت کا جیسا کہ خود صاحب بیضاوی نے بھی اسکو تسلیم کیا ہی، پس اِنْ ہٰذا کا مشار الیہ مابہ کففت ہی نہ الذی جئت بہ، کیونکہ اِذْ جِئْتَهُمْ ظرف اور جزو زائد ہے جو کلام میں مقصود بالذات نہیں ہوتا، اور کففت خود فعل مسند ہی جو مقصود بالذات ہی اور اسلیئے ہٰذا کا اشارہ اُسکی طرف اولیٰ ہی غرضکہ حضرت عیسیٰ کا بنی اسرائیل کے حملہ سے بچ جانے کو جو اُنھوں نے اُنکے قتل کا ارادہ سے اُسوقت کیا تھا جبکہ وہ احکام خدا اُنکو سُنا رہے تھے کافروں نے کھلا ہوا جادو بتایا، بینات کے لفظ سے اُسکو کچھ تعلق نہیں ہی ❊

دوسرے یہ کہ جب سادے طور سے تمام اِس آیت پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ پر جو اکرام کیئے تھے اُنکو اذ ذکر کر بیان کیا ہی، اور اخیر کو جو قول کافروں کا تھا اُسکا ذکر کیا ہی، پس وہ قول اُنہی چیزوں سے متعلق ہے جنسے کہ وہ متعلق ہو سکتا ہی، نہ یہ کہ اُس سے کوئی خاص معنی لفظ بینات کے ثابت ہو سکتے ہیں ❊

دوسری آیت سورہ بنی اسرائیل کی ہی، جہاں خدا نے فرمایا ہی ،، وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بہا الاولون، وآتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ فظلموا بہا وما نرسل بالآیات الا تخویفا ،، اِس آیت سے قاضی ابن رُشد نے استدلال کیا ہی کہ آنحضرت صلعم نے ادعائے نبوت کے ساتھ کوئی معجزہ کسی کو نہیں دکھلایا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اور اِس سے پایا جاتا ہی، کہ قاضی ابن رشد نے اِس

www.poetrymania.com©

اور جبریل	وَجِبْرِيْلَ

آیت میں جو لفظ "آیات" ہے اُس سے معجزات مراد لیئے ہیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی یہ سمجھا ہے کہ جو معجزات قریش نے طلب کیئے تھے اس آیت میں لفظ بینات سے وہ ہی معجزے مراد ہیں ❊

مگر اس تفسیر میں چند نقصان ہیں، اول تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خدا نے لوگوں کی نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں معجزوں کا بھیجنا بند کر دیا۔ دوسرے یہ کہ آدم سے عیسیٰ تک برابر کیوں بھیجتا رہا۔ اور کیوں اگلوں کو ایسی بیرحمی سے غارت کرتا رہا، اسلیئے میری سمجھ میں اس مقام پر بھی آیات کے معنی معجزات کے لینا صحیح نہیں، یہاں بھی احکام کے ہی معنی ہیں، جو حکم خاص کسی کو یا کسی قوم کو دیا گیا ہے وہ بھی آیت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسیکہ سورۂ آل عمران سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زکریا سے جبکہ خدا نے کہا کہ تیرے بیٹا ہوگا، تو اُنھوں نے عرض کیا "رب اجعل لی اٰیة" یعنی اے پروردگار میرے لیئے خاص آیت یعنی حکم مقرر کر، خدا نے کہا "اٰیتک الا تکلم الناس ثلثة ایام الا رمزا" یعنی تیری آیت یعنی تیرے لیئے یہ حکم ہے کہ تین دن تک بجز اشارے کے کسی آدمی سے بات نہ کر۔ قوم ثمود کو جو احکام حضرت صالح نے نسبت ناقہ کے بتلائے اُنکے سبب اُسپر بھی آیت کا اطلاق ہوا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے "ھٰذہ ناقة الله لکم اٰیة"، کیونکہ وہ اونٹنی فی نفسہ کوئی معجزہ نہ تھی ❊

پس اب اس آیت پر غور کرنا چاہیئے جسپر بحث ہے خدا تعالیٰ نے تمام قرآن میں کوئی حکم خاص نسبت کسی شخص کے یا خاص کسی قوم کے مخصوص نہیں کیا ہے، بلکہ تمام انسانوں کے لیئے یکساں حکم ہیں، اور نہ کسی حکم میں کوئی خاص بات یا کسی امر کی نشانی کا ہونا بتایا ہے، برخلاف اسکے بعضی اگلی امتوں پر بعض احکام خاص خاص بطور نشانی کے تھے، پس خدا فرماتا ہے کہ ہمنے وہ احکام اسلیئے نہیں بھیجے کہ اگلی قومیں جن پر وہ احکام تھے وہ اُسکو بجا نہیں لا سکیں۔ اور اُسی کے ساتھ بطور تمثیل کے قوم ثمود کا ذکر آیا ہے

www.poetrymania.com©

وَمِيْكٰلَ	اور میکائیل کا

جنکو حکم تھا کہ اونٹنی کو کھاتا پیتا پڑا پھرنے دیں، اور کسی طرح ستاویں نہیں، اور پھر اخیر کو بتادیا کہ وہ خاص احکام صرف ڈر قائم رکھنے کیلئے تھے نہ مقصود بالذات ✣

(۹۲) وجبریل ومیکال یہودیوں نے فرشتوں کیلئے نام مقرر کیئے تھے اور انکے ہاں سات فرشتے نہایت مشہور فرشتوں میں ہیں، مگر اس کا ثبوت نہیں ہے کہ کسی نبی نے اُنکو بتایا تھا، کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحف انبیا میں کوئی صفت صفات باری میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کیگئی تھی، اور پھر رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا، قرآن مجید میں اُنکا استعمال اُسی طرح پر ہوا ہے جسطرح کہ یہودی خیال کرتے تھے، مگر ہمارے ہاں کے علماء نے بھی یہودیوں کی تقلید سے ان کو فرشتوں کے نام قرار دیئے ہیں، قرآن مجید میں صرف دو فرشتوں یعنی جبرئیل ومیکائیل کا نام آیا ہے، وہ دونوں فرشتے یہودیوں کے ہاں .... بھی اسی نام سے مشہور ہیں، صرف تلفظ کا فرق ہے کیونکہ یہ دونوں نام دراصل عربی نہیں بلکہ عبرانی ہیں ✣

(جبریل) عبری زبان میں اس لفظ کے معنی قوۃ اللہ یا قدرت اللہ کے ہیں یہ لفظ دانیال ✣ پیغمبر کی کتاب میں آیا ہے۔ حضرت دانیال نے سینگدار مینڈھے اور سینگدار بکرے کی لڑائی کا ایک خواب دیکھا تھا، اُسی خواب میں ایک شخص نے دریا کے کنارے سے پکار کر کہا کہ اے جبرئیل اس شخص یعنے دانیال کو اُسکے خواب کی تعبیر سمجھا دے، اور ایک اور دفعہ وہی شخص جسکا نام خواب میں حضرت دانیال نے جبرئیل سُنا تھا اُنکا خواب سمجھانے کو

✣ دانیال باب ۸ ورس ۱۶ و باب ۹ ورس ۲۱

www.poetrymania.com©

وَمَلٰئِكَتِهٖ	اور اُسکے فرشتوں کا

ہوا کیونکہ بہت سے عجائبات اب بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں جو فی الحقیقت اُنکا وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے مگر وہ قانون ابھی لامعلوم ہے +

(۵) اسکا کچھ ثبوت نہیں ہوتا کہ جو امر واقع ہوا وہ خواص نفس انسانی سے جو ہر ایک انسان میں ہے کچھ تعلق نہیں رکھتا +

(۶) غیر انبیاء سے جو امور خرق عادت کے واقع ہوتے ہیں اور جو انبیا سے واقع ہوتے ہیں اُن دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے +

(۷) یہاں تک کہ اہل ہنر سے جو امور واقع ہوتے ہیں اُن میں و خرق عادت میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہے +

کوئی معترض غلطی سے کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جسطرح آیات بینات کا اطلاق قرآن کی آیتوں یا احکام و نصایح و مواعظ قرآنی پر ہوا ہے اسی طرح معجزات پر ہوا ہے اور وہ آیتیں قرآن کی غلط فہمی سے اسکی دلیل میں پیش کر سکتا ہے پس مناسب ہے کہ ہم اس مقام پر بتا دیں کہ اُن آیتوں میں سے آیات بینات سے معجزے مراد نہیں ہیں +

پہلی آیت سورۂ مائدہ کی ہے جہاں خداتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت فرمایا ہے کہ ،، اذ ایدتك بروح القدس تكلم الناس فی المهد وكهلا ـ واذ علمتك الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل ـ واذ تخلق من الطين كهيئة الطير باذنی فتنفخ فيها فتكون طيرًا باذنی وتبرئ الاكمه والابرص باذنی ـ واذ تخرج الموتىٰ باذنی ـ واذ كففت بنی اسرائيل عنك اذ جئتهم بالبينات فقال الذين كفروا منهم ان هٰذا الا سحر مبين ،، اس آیت میں مفسرین کے نزدیک حضرت عیسیٰ کے معجزات کا بیان ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بینات سے جا بس

www.poetrymania.com©

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ (۹۳) اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۹۴)	اور بیشک ہمنے بھیجی ہیں تیری پاس کھلی ہوئی نشانیاں (یعنی احکام صریح) اور اُنسے انکار نہیں کرتے مگر فاسق (۹۳) اور کیا نہیں ہے، کہ جب کبھی اُنھوں نے (یعنی یہودیوں نے) کبھی عہد کا معاہدہ کیا، تو اُنہی میں سے ایک فریق نے اُسکو پھینک دیا، بلکہ اُنمیں کے اکثر اُسپر یقین ہی نہیں کرتے (۹۴)

میں تکرار کرکے گفتگو کی، تب اُسنے بدنامی کی بالش کرنیمیں دیری نہ کی، لیکن کہا اللہ تجھے ملامت کرے" †

برحال ہمکو اسمیں کچھ شبہ نہیں ہو کہ جو الفاظ صفات باری پر مستعمل ہوتے تھے آخر کو اُنہی الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے۔ یہودی خیال کرتے تھے کہ میکائیل قوم بنی اسرائیل کا محافظ اور نگہبان ہو، اور جبرئیل کو سمجھتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کا مخالف ہو۔ اس سبب سے جبرئیل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اُس سے عداوت رکھتے تھے اُسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہو کہ جو کوئی جبرئیل کا یا میکائیل کا دشمن ہو بیشک خدا اُسکا دشمن ہو۔ مگر جبرئیل و میکائیل کا اس آیت میں حکایتاً نام ہونے سے اُنکے ایسے وجود واقعی پر جیسا کہ یہودیوں نے اور اُنکی پیروی سے مسلمانوں نے تصور کیا ہو استدلال نہیں ہو سکتا جیسیکہ فرشتوں کی بحث کے بعد اُسکو بیان کرینگے +

(ملائکہ) فرشتوں کی نسبت بھی جو بحث ہو وہ نہایت ہی غور طلب ہو، قرآن مجید میں فرشتوں کا ذکر آیا ہو، اور اسلیئے ہر ایک مسلمان کو جو قرآن پر یقین رکھتا ہو فرشتوں کے موجود اور اُنکے مخلوق ہونے پر یقین کرنا ضرور ہو، مگر جہانتک بحث ہو اسپر بحث ہو کہ وہ کیسی مخلوق ہو † عام خیال مسلمانوں کا اور علماء

† دیکھو صفحہ ۲۰۵۔

www.poetrymania.com©

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور جب کبھی اُنکے پاس خدا کے پاس سے کوئی پیغمبر آیا، اُسچیز کو سچ بتاتا ہوا جو اُنکے پاس ہے، تو اُن لوگوں میں سے ایک فریق نے جنکو کتاب (کا علم) دیا گیا تھا، خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا کہ وہ اُسکو جانتے ہی نہیں (۹۵)

اسلام کا یہ ہے کہ جسطرح انسان و حیوان جسم و صورت و شکل رکھتے ہیں اسیطرح وہ بھی جسم اور صورت و شکل رکھتے ہیں، اور اُنکے پر بھی ہیں جنسے وہ اُڑ کر آسمان پر جاتے ہیں اور زمین پر اُتر آتے ہیں، اور خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے اور دنیا کے کام جو اُنسے متعلق ہیں کرتے پھرتے ہیں — اور حیوانات کے جسم اور اُنکے جسم میں اتنا فرق ہے کہ اُنکا جسم محسوس نہیں ہوتا نہ چھونے سے ہاتھ کو لگتا ہے نہ دیکھنے سے آنکھ کو دکھائی دیتا ہے، اور باوجود اِسقدر نازک ہونے کے وہ بہت بڑے بڑے اور نہایت مشکل کام کرتے ہیں، پہاڑ اُٹھا لیتے ہیں زمین کو اُلٹ دیتے ہیں، اور اُنمیں یہ بھی طاقت ہے کہ کبھی اپنے جسم کو ایسا کر لیتے ہیں کہ اُنکی اصلی صورت جو بہت بڑی خیال کیگئی ہے دکھائی دیجاتی ہے، اور اُنمیں یہ بھی قدرت ہے کہ جس شخص کی صورت چاہیں بنجاویں، اور انسانوں کی طرح انسانوں کے پاس آکر باتیں کریں ✦

ہمارے پاس کسی ایسی مخلوق کے ہونے سے جو کسی قسم کا جسم و صورت بھی رکھتی ہو جو ہمکو نہ دکھائی دیتی ہو انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے پس ہم کہتے ہیں کہ شاید ایسی مخلوق ہو، مگر ہم ایسی مخلوق کے ہونیکا دعوی بھی نہیں کرتے اور جو افعال ایسی مخلوق کی نسبت منسوب کیئے جاتے ہیں اُنکا بھی اقرار نہیں

www.poetrymania.com©

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ
عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا
كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ
وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

سلطنت

اور پیروی کی اُس چیز کی جو شیاطین سلیمان کی
میں † پڑھتے تھے (یہ سمجھکر کہ سلیمان نے اُسکو کیا ہی)
اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا جو
آدمیونکو جادو سکھاتے تھے اور اُس چیز کی (پیروی
کی جسکی نسبت وہ کہتے تھے) کہ بابل میں ہاروت
اور ماروت دو فرشتوں پر اُتارے گئے ہیں

کرتے کیونکہ اِن باتوں کے اثبات کے لیئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہی۔
قرآن مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود کا اور اُنکے اس قسم کے جسم کا اور
اُنکے ان افعال کا جنکا اوپر ذکر ہوا کچھ ثبوت نہیں ہے ÷

فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور افعال کا ثبوت ضرور ہی کہ دلیل نقلی سے ہوگا
اور اسلیئے قبل شروع کرنے اِس بحث کے ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہی کہ علماء علم کلام
نے جو بحث نسبت دلیل نقلی کے کی ہی اس مقام پر اُسکو نقل کریں ÷

شرح مواقف میں اِس بات پر ایک بحث لکھی ہی، کہ دلائل نقلیہ جنسے مطالب
پر استدلال کیا جاتا ہے مفید یقین ہیں یا نہیں، معتزلہ اور جمہور اشاعرہ کا یہ مذہب
بیان کیا ہی کہ مفید نہیں، اور اُسکی وجہ یہ لکھی ہی کہ جن الفاظ سے استدلال کیا جاتا
ہی اُنکی نسبت جاننا چاہیئے کہ وہ اُنہی معنوں کے لیئے وضع کیئے گئے ہیں جو معنی
اُنسے لیئے جاتے ہیں، اور اِس بات کا بھی جاننا چاہیئے کہ یہی معنی اُنسے مراد ہی ہیں
پہلی بات کے جاننے کے اصول تین ہیں، لغت اور صرف و نحو، اور یہ تینوں
اصول روایت آحاد سے ہم تک پہنچے ہیں، مثلاً اصمعی اور خلیل و سیبویہ سے، اور اگر

† علی ملک سلیمان۔ ای علی عہدہ۔ ای زمانہ ملکہ۔ فالمضاف محذوف۔
او زمان سلیمان فالملک مجاز عن العہد وعلی التقدیرین علی بمعنی فی۔ (بیضاوی و عصام)

www.poetrymania.com©

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى
يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ
فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ
بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا
هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ
مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ
فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا
شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور وہ کسی کو سکھاتے یہانتک کہ کہتے کہ ہم
تو بجز فتنہ کے اور کچھ نہیں ہیں پس تم کافر مت ہو
پھر اُن دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے جدائی ڈالتے
مرد میں اور اسکی جورو میں، اور وہ اُس سے کسیکو ضرر نہ
پہنچاتے تھے بجز خدا کے حکم کے، اور اُنہوں نے سیکھی
تھی وہ چیز جو انکو نقصان دیتی تھی، اور انکو نفع نہ
پہنچاتی تھی، اور بیشک وہ جانتے ہیں کہ جس کسی نے
جادو کو مول لیا اُسکے لیئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں
ہی، اور جس چیز کے بدلے اپنے آپ کو انھوں نے بیچ دیا
بیشک وہ بُری ہی، کاش کہ وہ جانتے ہوتے (۹۶)

وہ صحیح بھی ہوں تو ممکن ہی کہ خود اہل عرب نے اُسمیں غلطی کی ہو اسلیئے کہ امرءالقیس جو سب سے بڑا شاعر زمانہ جاہلیت کا تھا اُسنے کئی جگہہ ان باتوں میں غلطی کی ہی۔ اور اُن اصول کی فروعات قیاس پر مبنی ہیں اور روایت احاد اور قیاس دونوں ظنی دلیلیں ہیں ✻

دوسری بات اسپر موقوف ہی کہ جن معنوں کیلیئے وہ لفظ وضع ہوئے تھے اُن معنوں سے کسی دوسرے معنی میں مستعمل نہیں ہوئے۔ اور نیز وہ لفظ مشترک المعنی بھی نہیں ہیں، کیونکہ اگر مشترک المعنی ہوں تو ہو سکتا ہی کہ جو معنی ہمنے سمجھے ہیں اُسنے وہ معنی مراد نہوں، بلکہ دوسرے معنی مراد ہوں، اور نیز یہ بھی معلوم ہو کہ وہ مجازی معنوں میں بھی نہیں بولے گئے ہیں، کیونکہ اگر مجازی معنوں میں بولے گئے ہوں تو اُسنے وہی معنی مراد ہونگے نہ حقیقی معنے جو اُسنے متبادر ہوتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو کہ کلام میں کوئی مضمر بھی نہیں ہی، کیونکہ اگر کوئی شے مضمر ہو تو اُسکے معنی بدل جاوینگے، اور نیز وہاں کوئی تخصیص بھی نہو، کیونکہ اگر کوئی تخصیص

www.poetrymania.com©

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾	اور اگر وہ یقین لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو بلا شبہ اللہ کے پاس کا ثواب بہتر تھا، کاش کہ وہ جانتے ہوتے (۹۷)

ہوگی تو جن چیزوں پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے اُن میں سے بعض مراد ہونگے نکل، اور یہ کہ کلام میں تقدم و تاخر بھی نہو، کیونکہ اگر کلام میں تقدم و تاخر ہوگا تو اُسکے معنی بھی پلٹ جاوینگے اور ان باتوں میں سے ہر ایک بات ایسی ہی جو فی الواقع کلام میں ہوتی ہی اسلیئے ضرورتاً نقل مفید یقین نہیں ہوتی ؛

ان سب باتوں کے ہونے کے بعد اس بات کا جاننا بھی ضروری ہی کہ جس بات پر نقلی دلیل دلالت کرتی ہی اُسپر کوئی عقلی معارضہ بھی نہیں ہی، کیونکہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا جاویگا تو ضرور نقلی دلیل پر اُسکو ترجیح ہوگی، اور اُس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑیگا، مثلاً یہ جو خدا کا قول ہی کہ "الرحمن علی العرش استوی"، یہ صاف دلالت کرتا ہی کہ خدا تخت پر بیٹھا ہوا ہی، مگر دلیل عقلی اسکی معارض ہی اور خدا کا تخت پر بیٹھا ہوا ہونا عقلی دلیل سے محال ہی، اسلیئے اُس نقلی دلیل کی غلبہ یا یا دشاہت سے تاویل کی گئی، اور اگر یوں نہ کیا جاوے تو اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین لازم آتا ہی، اور اگر دلیل نقلی کو عقل پر ترجیح دیں تو فرع سے اصل کا ابطال لازم آتا ہی کیونکہ جو چیزیں نقلی ہیں اُنکا اثبات بھی بجز عقل کے اور کسیطرح ممکن نہیں، پس نقل کے لیئے بھی عقل ہی اصل ہی، اسلیئے نقل کو ترجیح دینے سے اصل سے فرع کا ابطال لازم آتا ہی، اور فرع بھی اُس سے باطل ہو جاتی ہی، کیونکہ صحت نقل تو متفرع تھی عقل پر جسمیں فساد ہونا مانا گیا تو نقل بھی مقطوع الصحت نرہی ۔ عقلی معارضہ کا نہونا بھی یقینی نہیں ہی، کیونکہ غایت الغایت یہ ہی کہ باوجود تلاش کے کوئی معارض عقلی نہیں ملا، لیکن معارض عقلی کے نملنے سے اُسکے نہونے پر یقین نہیں ہو سکتا، اور اس سے ثابت ہوا

www.poetrymania.com©

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم راعنا کا لفظ مت کہو بلکہ انظرنا کا لفظ کہو اور اچھی طرح سنو اور کافروں کے لیئے دکھ دینے والا عذاب ہے (۹۸)

کہ دلالت نقلی بلکہ عقلی بھی امور ظنی پر موقوف ہے، اور اسلیئے دلالت نقلی اپنے مدلولات پر مفید یقین نہیں ہے ؛

صاحب شرح مواقف نے ان دلیلوں کے لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ دلیلیں ٹھیک نہیں ہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ دلائل نقلی شرعیات میں اُن قرائن سے جو منقول ہیں مشاہدہ ہوتی ہیں، اور بطور تواتر کے ہم تک پہنچی ہیں، اور جنسے تمام احتمالات مذکورہ بالا جاتے رہتے ہیں مفید یقین ہوتی ہیں، کیونکہ تمام اہل لغت کے بیان سے ہم جانتے ہیں کہ جن معنوں میں لفظ ارض وسما کا اور اسی کی مانند جو اور مستعمل لفظ ہیں رسول خدا علیہ السلام کے وقت میں اُنہی معنوں میں مستعمل تھے جو معنی کہ اب اُنسے لیئے جاتے ہیں، اور اسمیں شک کرنا سفسطہ ہے جسکے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں، اور معارض عقلی کا نہونا قائل کو یعنی پیغمبر کو صادق ماننے سے جانا جاتا ہے، کیونکہ اگر معارض عقلی کا ہونا خیال کیا جاوے تو قائل کا کذب لازم آتا ہے (ھٰذا محصل ما فی شرح المواقف) ؛

مگر جو کچھ نسبت دلیل نقلی کے مفید یقین ہونے کے شارح مواقف اور صاحب مواقف نے لکھا ہے وہ کسی قدر زیادہ غور کے قابل ہے، اسلیئے کہ الفاظ مستعملہ کے جو معنی بطور تواتر اور بنقل اہل لغت ہم تک پہنچے ہیں وہ مسمیات اُن الفاظ کے ہیں بلالحاظ اُنکی ماہیات کے، مثلاً ارض وسماء جو سب سے زیادہ مشہور و مستعمل الفاظ ہیں اُنکے معنی جو ہم تک بطور تواتر کے پہنچے ہیں وہ اسیقدر ہیں کہ جس چیز پر ہم رہتے ہیں وہ ارض ہے، اور جو چیز ہمکو اپنے سر پر دکھائی دیتی ہے وہ آسمان ہے، اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ عرب قدیم اسقدر سے زیادہ اور کوئی معنی اُن لفظوں کے نہیں

www.poetrymania.com©

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۹۹)	نہیں دوست رکھتے اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا ہے اور نہ مشرکین اس بات کو کہ اُتاری جاوے تم پر کچھ بھلائی تمھارے پروردگار سے اور اللہ مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسکو چاہتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے (۹۹)

سمجھتے تھے، اگر اہل کلام نے اور علماء اسلام نے صرف اسی قدر پر قناعت نہیں کی بلکہ انکے معنوں میں وہ باتیں بھی شامل قرار دی ہیں جنکا مطلقاً خیال بھی عرب قدیم کو نہیں تھا، اور اس صورت میں اُن الفاظ کی دلالت اُن معنوں پر یقینی قطعی نہیں ہے +

الفاظ مشترک المعنی کی نسبت کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے انکا کسی ایک معنی پر مستعمل ہونے کو قطعی دلیل موجود ہو +

الفاظ کا مجازی معنوں میں مستعمل ہونا ایک ایسا وسیع امر ہے جسکی نسبت نقل سے اور نہ اہل لغت کے تواتر نقل سے تصفیہ ہو سکتا ہے۔ اور یہی حال اضمار اور تخصیص اور تقدیم و تاخیر کا ہے +

ان سب سے زیادہ ایک اور امر ہے جسپر شارح مواقف اور صاحب مواقف بلکہ اور کسی نے بھی غور نہیں کیا، اور وہ کلام غیر مقصود ہے، مثلاً ایک شخص یہ بات کہے کہ جب آفتاب مغرب سے نکلے یا اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکلجاوے تب یہ امر واقع ہوگا، اور مخاطب اُسکو یہ جواب دے کہ آفتاب کے مغرب سے نکلنے اور اونٹ کے سوئی کے ناکے میں سے نکلجانے پر بھی یہ امر واقع نہوگا۔ اس کلام میں آفتاب کا مغرب سے نکلنا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکلجانا کلام مقصود نہیں ہے بلکہ عدم وقوع اُس امر کا جسکے وقوع کا قائل مدعی تھا مقصود ہے۔ اور اس کلام سے تسلیم اس بات کی کہ درحقیقت کبھی آفتاب مغرب سے نکلیگا، یا اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکلجاویگا، لازم نہیں آتی، پس دلیل نقلی میں اس بات کا علم بھی کہ وہ کلام غیر مقصو

www.poetrymania.com©

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا	ہم آیت میں سے منسوخ کرتے ہیں یا ہم اسکو بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی کی مانند لاتے ہیں

نہیں ہے اشد ضروریات میں سے ہے اور بغیر اسکے کوئی نقلی دلیل مفید یقین نہیں ہوسکتی ❊

قرآن مجید میں اس قسم کا کلام غیر مقصود نہایت کثرت سے ہے مشرکین و اہل کتاب کے عندیہ میں بہت سی ایسی باتیں سمائی ہوئی تھیں جنکا دراصل کچھ وجود نہ تھا، یا وجود تھا، مگر اُسکی جو حقیقت کہ وہ سمجھے ہوئے تھے دراصل وہ نہ تھی، یا وہ بات ظاہر میں دکھائی دیتی تھی اور بطور غلط العام یا باعتبار مشاہدہ اُسی کو وہی سمجھتے تھے، حالانکہ حقیقت اور اصلیت برخلاف اُسکے تھی - اور قرآن مجید کو اُس سے بحث مقصود نہ تھی، اسلیئے اُسکو اُسیطرح بیان کیا جسطرح مشرکین یا اہل کتاب خیال کرتے تھے، اور کبھی اُسی پر بطور حجت الزامی کے کلام مقصود کی بناء قائم کی، اور کبھی اُسکو بطور نظیر مسلمہ مخالف کے اور کبھی بطور ایک مسئلہ غلط العام کے، اور کبھی بلحاظ مشاہدہ ظاہری کے، اُسکو بیان کیا، اور کلام مقصود سمجھایا گیا، پس کلام مقصود کے سوا جسقدر کلام ہے وہ سب کلام غیر مقصود ہے، اور اُس سے کوئی ثبوت کسی امر کی واقعیت کا حاصل نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی امر کے لیئے مفید یقین ہوتا ہے، اور اسلیئے دلیل نقلی کے مفید بالیقین ہونے کو قطع نظر اُن تمام باتوں کے جو شارح مواقف اور صاحب مواقف نے بیان کی ہیں، اس بات کا علم کہ وہ کلام غیر مقصود نہیں ہے واجب و ضرور ہے۔ یہ امر جو ہمنے بیان کیا اُسکو کچھ کلام اللہ ہی سے خصوصیت نہیں ہے، بلکہ عام کلام کا اور خود ہماری روزمرہ گفتگو کا، بلکہ تمام دنیا اور تمام قوموں کی باہمی گفتگو و کلام کا یہی طریقہ ہے کہ جو امر بحث سے اور مقصود سے خارج ہے اُسکے صحیح یا غیر صحیح ہونے سے قطع نظر کر کبھی بطور حکایت اور کبھی بطور تسلیم فرضی اور کبھی بغیر کسی خیال کے اُسکا ذکر اور بیان آجاتا ہے، اور اُس سے بجز اسکے کہ اُسکے بعد کلام مقصود بنایا جاوے گا اور کچھ مقصد نہیں ہوتا۔ یہی

www.poetrymania.com©

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۰﴾	کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (۱۰۰)

سبب ہے کہ بعض اشخاص غلطی سے سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بعض ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں کہ جو حقائق موجودہ کے برخلاف ہیں، اور بعضے اُس سے بھی زیادہ غلطی یہ کرتے ہیں کہ اُسکو کلام مقصود سمجھکر اِس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ وہی درحقیقت حقائق موجودہ ہیں۔ اور در اصل دونوں غلطی پر ہیں، قرآن مجید بلاشبہ کلام اللہ ہے مگر انسانوں کی زبان اور انسانوں کے کلام کے طرز پر، پس اُسی کلام کو مثل ایک انسان کے کلام کے تصور کرنا چاہیئے، اور اُس سے معانی و مطالب اور احکام و مقاصد اخذ کرنے اور اُس سے دلیلیں قائم کرنے میں اُسکو انسان کے کلام سے زیادہ کچھ تبہ دینا نہیں چاہیئے +

اب ہمکو ملک اور ملائکہ کے لفظ سے اور جسطرح پر کہ فرشتوں کا خیال انسانوں کے دل میں پیدا ہوا اور جس طرح کا خیال یہودیوں اور عیسائیوں میں فرشتوں کی نسبت تھا اور جسطرح سے کہ اُنکا بیان قرآن مجید میں ہوا ہے اُسپر بحث کرنی چاہیئے۔ قدیم زمانہ کی تمام دنیا کی قوموں کا یہ حال تھا کہ جو امور عجیب و غریب اُنکے سامنے ایسے پیش آتے تھے جسکی علت اُنکی سمجھ سے باہر تھی اُسکو کسی ایسی قوت یا ایسے شخص سے منسوب کرتے تھے جو انسان سے برتر اور خدا سے کمتر تھی، اسی خیال سے تمام بُت پرست قوموں نے اپنے ہاں خیالی دیوتا اور دیبیاں اور خداپرست قوموں نے اپنے ہاں فرشتے نام کر لیئے +

ملک کے لفظ کی † اہل لغت ملاک بتلاتے ہیں اور اُسکے معنی رسول یا پیغمبر یعنے پیغام پہنچانے والے کے کہتے ہیں، مگر اِس لفظ کا اطلاق اُس شے پر ہوتا ہے جسکو خدا تعالےٰ نے اپنے مقاصد کے انجام کے واسطے یا اپنے وجود یا قدرت کے اظہار کے واسطے معین کیا ہو +

توریت اور صحف انبیا اور انجیل میں فرشتہ کے لفظ کا استعمال نہایت وسیع معنوں میں

† دیکھو صفحہ ۵۲ لغایت ۵۸

www.poetrymania.com©

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠١﴾

کیا تو نہیں جانتا کہ خدا ہی کے لیئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہی اور نہ تمھارے لیئے خدا کے سوا کوئی دوست ہی اور نہ مددگار (۱۰۱)

آیا ہی، کتاب دوم شموئیل باب ۲۴ ورس ۱۶ و ۱۷ میں اور کتاب دوم ملوک باب ۱۹ ورس ۳۵ میں اور زبور داؤد باب ۷۸ ورس ۴۹ میں وبا پر فرشتہ کا اطلاق ہوا ہے اور زبور داؤد باب ۱۰۴ ورس ۴ میں ہواؤں پر فرشتہ کا اطلاق کیا گیا ہی +

کتاب ایوب باب ۱ ورس ۱۴ و کتاب اول شموئیل باب ۱۱ ورس ۳ اور انجیل لوقا باب ۷ ورس ۲۴ و باب ۹ ورس ۵۱ و ۵۲ میں فرشتہ کا لفظ عام ایلچیوں پر بولا گیا ہے، کتاب اشعیا باب ۴۲ ورس ۱۹ و کتاب حجی باب ۱ ورس ۱۳ و کتاب ملاکی باب ۳ میں فرشتہ کا لفظ پیغمبر یعنی انبیا کے معنوں میں آیا ہی، اور کتاب واعظ باب ۵ ورس ۶ و کتاب ملاکی باب ۲ ورس ۷ میں فرشتہ کا لفظ بمعنی کاہن یا امام کے مستعمل ہوا ہی، مشاہدات یوحنا باب ۱ ورس ۲۰ میں اور انجیل کے اور چند مقاموں میں فرشتہ کا لفظ حضرت عیسیٰ کے رسولوں پر بولا گیا ہے +

توریت میں بہت جگہہ فرشتوں کو اسطرح بیان کیا ہی جیسے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے پاس آئے اور ملاقات کریں اور باتیں کریں، توریت کی پہلی کتاب مسمی بہ کتاب پیدایش باب ۳۲ میں فرشتہ کا بطور ایک شخص کے تمام رات حضرت یعقوب سے کشتی لڑنے کا اور اخیر کو انکی ٹانگ مروڑ ڈالنے کا ذکر لکھا ہی، اور ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اُس سے حضرت یعقوب کو بیماری نقرس یا وجع الورک کا ہونا مراد ہی، پس اگر یہ خیال صحیح ہو تو کہا جا سکتا ہی کہ مرض پر بھی فرشتہ کا اطلاق ہوا ہی، اور اُسی کتاب کے باب ۱۹ میں حضرت لوط کے پاس دو فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی جو مسافر آدمیوں کی صورت میں آئے تھے، اور حضرت لوط نے اپنے گھر میں اُنکو مہمان رکھا اور اُنکی ضیافت کی اور نان فطیری اُنکے لیے پکائی اور اُنھوں نے کھائی — باانیہمہ بہت جگہہ فرشتہ کا لفظ ایسے وجودوں سے روحانی

www.poetrymania.com©

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۲﴾	کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیا گیا تھا اور جو کوئی ایمان کو کفر سے بدل لے تو بیشک وہ گمراہ ہوا سیدھی راہ سے (۱۰۲)

یا عقول بمنزلہ کی نسبت مستعمل ہوا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسکے احکامات بجا لانے کے واسطے مامور ہیں *

ارواح کی نسبت قدیم یہودیوں کا خیال اس زمانہ کے خیال سے کسیقدر مختلف تھا۔ اس زمانہ میں روح سے غیر مادی چیز خیال کیجاتی ہے، اور مادہ کو ضد روح اور روح کو ضد مادہ سمجھا جاتا ہے، مگر یہودی عبری لفظ ،،روح،، سے غیر مادی شے مراد نہیں لیتے تھے، بلکہ غیر مرئی جسم سمجھتے تھے، اور اُنکے جوہر کو خالص ہوا یا رقیق آگ تصور کرتے تھے، اور اسلیئے جب قدیم یہودی فرشتوں کو ارواح کہتے تھے تو اُنکے ذی جسم ہونے سے اُنکو انکار نہ تھا۔ بلکہ صرف مادہ غلیظ کی نجاستوں سے مبرا ہونا سمجھتے تھے۔ سنٹ پال نے جو اپنے نامہ اول موسومہ کرنتھیاں باب ۱۵ ورس ۴۴ میں لکھا ہے، اُس سے پایا جاتا ہے کہ وہ بھی روحانی اجسام کو تسلیم کرتے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں روحانی عقول کا اکثر ذکر پایا جاتا ہے جنکی حالت وجود جداگانہ ہے، اور ایک آسمانی جماعت قرار دی گئی ہے جسکا سردار خود خدا ہے کتاب دانیال باب ۷ ورس ۱۰ و انجیل متی باب ۲۶ ورس ۵۳ و انجیل لوقا باب ۲ ورس ۱۳ و نامہ عبرانیاں باب ۱۲ ورس ۲۲ و ۲۳ سے کروڑہا بلکہ کروڑہا در کروڑہا فرشتوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے اتنے بڑے جم غفیر کے اندر مختلف درجے اور مختلف صفتیں موجود ہونی ضرور ہیں، تاکہ انسان سے لیکر خدا تک ایسا سلسلہ وجود کا قائم ہو جاوے جو خالق اور کمترین ذی عقل مخلوق کی تفاوت کو مربوط کر دے، یہودیوں کی مقدس کتابوں میں فرشتوں کا ایسی جماعتوں میں منقسم ہونا مذکور ہے جنکی عزت اور قوت اور صفت غیر مساوی ہے، اور آنہیں

www.poetrymania.com©

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۳﴾	اہل کتاب میں سے اکثر چاہتے ہیں کہ تمکو تمہارے ایمان لے آنے کے بعد پھیر کر کافر بنا دیں اپنے جی سے آپ تم پر حسد کر کے بعد اسکے کہ اُنپر حق بات ظاہر ہو گئی پھر معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم بھیجے بیشک اللہ سب چیز پر قادر ہے (۱۰۳)

سردار اور حکام بھی ہیں +

اسمیں کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہودیوں کی قدیم کتب مقدسہ میں یعنی اُن کتابوں میں جو قید بابل سے پیشتر لکھی گئی ہیں یہ خیال صاف صاف بیان نہیں ہوا، بلکہ جو کتابیں جلا وطنی کے زمانہ میں، اور اسکے بعد کو لکھی گئی ہیں اُن کتابوں میں اس خیال نے صورت پکڑی ہے، اور خصوصاً حضرت دانیال اور حضرت زکریا کی تحریرات میں اس خیال کا پتہ ملتا ہے، کتاب زکریا باب ۱ ورس ۱۱ میں ایک فرشتہ سب سے اعلےٰ درجہ کا ہے جو خدا کے روبرو کھڑا رہتا ہے، اور اور فرشتوں سے بطور اپنے کارندوں کے کام لیتا ہے، حضرت دانیال نے حضرت میکائیل فرشتہ کو بہت بڑے بڑے لقب عطا فرمائے ہیں، نامہ یہودہ ورس ۹ اور اول نامہ تھسلینی کے باب ۲۱ ورس ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رائے کہ فرشتے مختلف درجہ رکھتے ہیں صرف یہودیوں کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی، بلکہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا بھی یہی خیال تھا، ہاں اسقدر ٹھیک ہے کہ متاخرین یہودیوں نے جو رتبے کی تقسیم فرشتوں میں قائم کی ہے وہ حواریوں کے وقت میں نہ تھی +

یہودیوں کی کتب مقدسہ میں فرشتے ہمیشہ مجسم ہو کر انسانی صورت میں دکھائی دیتے تھے، اور کسی جگہ اس بات کا اشارہ نہیں ملتا کہ یہ اجسام حقیقی نہ تھے۔ متقدمین یہودی بیشک یہ جانتے تھے کہ ان اجسام کا مادہ ہمارے اجسام کے مادہ کی مانند نہیں ہے کیونکہ

www.poetrymania.com©

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۰۴﴾	پڑھتے رہو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ تم اپنے لیئے نیکیوں میں سے آگے بھیجوگے تو اسکو اللہ کے پاس پاؤگے بیشک جو تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھتا ہی (۱۰۴)

فرشتوں میں یہ قدرت ہو کہ جب چاہیں اپنے تئیں لوگوں کو دکھلاویں اور جب چاہیں نگاہوں سے غائب ہوجاویں، عیسائی بھی اس سے انکار نہیں کرسکتے کیونکہ وہ یقین کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ مصلوب ہونے کے بعد اٹھے تو کبھی اُنکا جسم حواریوں کو دکھائی دیتا تھا اور کبھی نگاہ سے غائب ہوجاتا تھا، اگرچہ وہ ہمیشہ انسان ہی کی صورت پر دکھائی دیتے تھے، مگر یہودیوں نے اس سے یہ بات لازم نہیں تصور کی تھی، کہ فرشتے انسان ہی کی صورت رکھتے ہیں بلکہ متقدمین یہودی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو چیز خالص روح نہیں ہو کوئی نہ کوئی شکل ضرور رکھیگی، ممکن ہو کہ انکی صورت انسان ہی کی سی ہو یا اور کسی شکل کی ❖

یہودیوں کی کتب مقدسہ میں اناث ملائکہ کا ذکر نہیں پایا جاتا، اور عیسائی بھی بدلیل انجیل متی باب ۲۲ درس ۳۰ بطور استنباط کے یہی سمجھتے ہیں کہ فرشتوں میں ذکور اور اناث کی کچھ تمیز نہیں ہو۔ کتب مقدسہ میں غالباً اسوجہ سے کہ مذکر کا صیغہ زیادہ معزز ہی، فرشتوں کی نسبت مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہی، مگر کثرت پرست قومیں فرشتوں کو ذکور اور اناث قرار دیتی ہیں، اور دیوتا اور دیبی کا ماننا اُن خیالات کو ظاہر کرتا ہے ❖

عیسائی اور یہودی دونوں، فرشتوں میں ان صفات کو تسلیم کرتے ہیں انسان سے اُن میں عقل کا زیادہ ہونا۔ اُنکا قوت اور قدرت میں زیادہ ہونا۔ اُنکا پاک اور برگزیدہ ہونا۔ اور یہ بات کہ فرشتے خدا تعالیٰ کے منشا اور مرضی کے اظہار کے ذریعے ہیں، کتب مقدسہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بخوبی معلوم ہوتی ہی، اور اسی سبب سے

www.poetrymania.com©

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٠٥﴾

اور اُنھوں نے کہا کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہیں جانے کا بجز یہودیوں اور عیسائیوں کے، یہ اُنکی تنا ہے (اے پیغمبر تو اُنسے) کہدے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو (۱۰۵)

بعض کاموں کو اُن کتابوں میں بالکل فرشتوں ہی کی طرف منسوب کیا ہے، انسانوں کے مقسوم کے متعلق امورات میں بھی اُنکی وساطت ہوتی ہے۔ یہودی اور عیسائی یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ گو فرشتوں کی وساطت ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو تب بھی اُنکی وساطت تسلیم ہو سکتی ہے، کیونکہ عبرانیوں کے خط کے باب اول ورس ۱۴، و زبور داؤد باب ۳۴ ورس ۷ و باب ۹۱ ورس ۱۱ و انجیل متی باب ۱۸ ورس ۱۰ میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں کو نجات کے وارثوں کی خدمت کے لیئے بھیجتا ہے ◆

قدیم عیسائی سمجھتے تھے کہ ہر فرد بشر کے ساتھ ایک فرشتہ ہے جو اُسکی حفاظت پر متعین ہے، مشرکین کا بھی اسی کے قریب قریب عقیدہ تھا، یونانی اپنے محافظ دیوتا کو "دیمن" اور رومی جینیس کہتے تھے، اور یہودی اور قدیم عیسائی یہ بھی سمجھتے تھے، ہر انسان پر دو فرشتے متعین ہوتے ہیں ایک نیکی کا، اور ایک بدی کا۔ عام یہودی بھی فرشتوں کی نسبت یہی اعتقاد رکھتے ہیں، مگر ایک فرقہ یہودیوں کا جو صدوقی کے نام سے مشہور تھا وہ فرشتوں کا منکر تھا ◆

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ یہودیوں کا یہ دستور ہے، کہ خدا کی عظمت اور قدرت کے ہر ظہور کو فرشتوں کی وساطت کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اسلیئے وہ فرشتوں کے وجود اصلی کو نہیں مانتے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کا نام فرشتہ رکھدیا ہے، جیسیکہ مشرک ہر چیز کو جو عجیب و غریب ہوتی ہے، اور جسکی علت اُنکی فہم سے باہر ہوتی ہے، دیوتاؤں کے کاموں کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر عیسائی مذہب کے عالم اس کی تردید میں یہودیوں کی کتب مقدسہ اور انجیل کی

www.poetrymania.com©

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۰۶﴾	یہ نہیں ہے جو اُنھوں نے کہا، ہاں جس کسی نے تابعداری سے اپنا مُنھ خدا کے سامنے کیا اور وہ نیکی کرنیوالا ہی تو اُسکا ثواب اُسکے پروردگار کے پاس ہی اور نہ اُنپر کچھ خوف ہی اور نہ وہ غمگین ہونگے (۱۰۶)

وہ آیتیں پیش کرتے ہیں جنمیں فرشتوں کے لیے کام بیان کیئے گئے ہیں جو کسیطرح اس رائے کے مطابق نہیں ہوسکتے، وہ بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کی نسبت کہا گیا ہی کہ وہ فرشتوں سے برتر ہیں، پس اگر فرشتوں کا کوئی وجود اصلی نہو تو یہ کہنا مہمل ہوجاتا ہے✝

اب ہمکو اس بات کی تلاش کرنی ہے، کہ قدیم مشرکین عرب کا یعنی اُس زمانہ کے عربوں کا جبکہ یہودیوں کا میل جول عرب میں نہیں ہوا تھا فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا، اور آیا وہ لفظ ملک اور ملائکہ کو اُنھیں معنوں میں خیال کرتے تھے جن معنوں میں کہ یہودی خیال کرتے تھے یا نہیں، جہاں تک کہ ہمنے تفتیش کی ہی قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال جیسا کہ یہودیوں کا ہی ثابت نہیں ہوا، مشرکین عرب بلاشبہ ارواح فلکی کو یا ارواح فرضی کو یا ارواح اشخاص متوفی کو بطور خدا کے پوجتے تھے اور اُنکو مجسم و متحیز سمجھتے تھے، اور اُنکے بت اور اُن کے نام کے تھان اور اُنکے نام سے ہیکل اور مندر بناتے تھے، مگر اُنپر کبھی لفظ ملک یا ملائکہ کا اطلاق نہیں کرتے تھے، جہاں تک کہ ہمسے ہوسکا ہمنے اشعار جاہلیت پر بھی جسقدر کہ ہمکو دستیاب ہوئے غور کی، ہمکو کوئی شعر بھی ایسا نہیں ملا جسمیں لفظ ملک یا ملائکہ کا ان ارواحوں پر جنکو وہ پوجتے تھے اطلاق کیا گیا ہو، ہمکو قرآن مجید میں بھی کوئی ایسی سند نہیں ملی جسمیں منقولاً بزبان مشرکین لفظ ملک یا ملائکہ کا اُن ارواحوں پر اطلاق کیا گیا ہو، ہاں یہ بات تو تسلیم

✝ کتاب پیدایش باب ۱۶ ورس ۷، و کتاب قضاۃ باب ۱۳ ورس ۱ تا ۲ انجیل متی باب ۲۸ ورس ۲ و ۴ و باب ۲۲ ورس ۳۰ و اعمال باب ۱۸ ورس ۸ ۔

www.poetrymania.com©

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور یہودیوں نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں ہیں، اور عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں، حالانکہ وہ (دونوں) کتاب (یعنی توریت) پڑھتے ہیں، اسیطرح اُنکے قول کی مانند اُن لوگوں نے کہا جو نہیں جانتے (یعنے مشرکین نے جو توریت کو نہیں جانتے یہ کہا کہ یہودی اور عیسائی دونوں کسی چیز پر نہیں ہیں) پس اللہ اُنہیں قیامت کے دن اُسچیز کا فیصلہ کریگا جسمیں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں (۱۰۷)

کی جاسکتی ہے کہ لغت کی کتابوں میں لفظ ملک کے معنی ایلچی یا رسول یا پیغامچی کے لکھے ہیں، مگر یہ تسلیم نہیں ہوسکتا کہ قدیم مشرکین عرب اُسکا اطلاق اس قسم کے رسولوں پر کرتے ہیں جنکو یہودی ملک یا ملائک کہتے تھے، ہاں اسقدر بات تسلیم ہوسکتی ہے کہ قدیم عرب اور نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے عرب بھی ملائکہ کا اطلاق اُن قوا پر جنسے ازروے قدرت دنیا کے اُمورات انجام پاتے ہیں کرتے تھے جیسے کہ ابو عبیدہ جاہلی کے اس شعر میں ہے ٭

لست لانسی ولکن لملاك تنزل فی جو السماء یصوب

صوب کہتے ہیں مینھ کو اسلیئے اس شعر سے پایا جاتا ہے کہ مینھ برسانے کی جو قوت ہے اسکو فرشتہ سمجھتے تھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرب فرشتوں کو متحیز بھی سمجھتے تھے جیسے کہ امیۃ ابن صلت جاہلی کے اس شعر میں ہے۔

فکان برقع والملائك حوله سدر تواکله القوائم اجرب

مگر اسبات کا کہ وہ اُنہی معنی اور مراد میں استعمال کرتے تھے جنمیں کہ یہودی استعمال کرتے تھے ہنوز ثبوت طلب ہے، اس خیال کے ثبوت پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں کا

www.poetrymania.com©

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۱۰۸	کون اُس سے زیادہ ظالم ہی جسنے روک دیا اللہ کی مسجدوں کو اسبات سے کہ اُنمیں اللہ کے نام کی یاد کیجاوے، اور اُنکے خراب کرنے میں کوشش کی، یہی لوگ ہیں جنکے لیئے نہیں ہی کہ اُنمیں جاویں مگر ڈرتے ہوئے، اُنکے لیئے دنیا میں خرابی ہے اور اُنکے لیئے آخرت میں بڑا عذاب (۱۰۹)

کوئی نام بھی عربی زبان کا نہیں ہے، اور جبریل ومیکائیل یہہ دو نام جو قرآن میں آئے ہیں وہ عبری ہیں اور عزرائیل واسرافیل اور اور نام جو مسلمانوں میں مشہور ہیں سب عبرانی زبان کے ہیں، پس انہی اصول پر جو شارح مواقف اور صاحب مواقف نے قرار دیئے ہیں، اہل لغت کا یہ کہنا کہ،، الملائکۃ الملک لانہ یبلغ عن اللہ تعالیٰ، مفید یقین نہیں ہے،

فقہ اللغۃ میں ملائکہ کی نسبت اہل عرب کا جو خیال لکھا ہی وہ بالکل ہمارے اس بیان کے مطابق ہی، اُسمیں ابی عثمان الجاحظ کا قول لکھا ہی،، کہ عرب جن کے درجے درجے قرار دیتے تھے جبکہ وہ عام طور پر جن کا ذکر کرتے تھے تو صرف لفظ جن بولتے تھے، اور جب ایسی جن کا ذکر کرتے تھے جو انسانوں کے ساتھ رہتا ہو تو اُسکے لیئے عامر کا لفظ بولتے تھے جسکی جمع عمار ہی، اور جب ایسی جن کا ذکر کرتے تھے جو بچوں کو ستاتا ہی تو اُسکے لیئے ارواح کا لفظ بولتے تھے، اور جبکہ وہ خبیث ہوتا اور تکلیف دیتا تھا تو اُسپر شیطان کا اطلاق کرتے تھے، اور جب اس سے بھی سخت تکلیف دیتا تھا تو اُسکو مارد کہتے تھی، اور جو اس سے بھی زیادہ قوی ہوتا تھا اُسکو عفریت کہتی تھی، اور اگر وہ پاک ستھرا ہوتا تھا اور بالکل بھلائی اُس سے پہنچتی تھی تو اُسکو ملک کہتی تھی، اور ایک اور

عن ابی عثمان الجاحظ قال ان العرب تنزل الجن مراتب فاذا ذکروا الجنس قالوا جن واذا ارادوا انہ یسکن مع الناس قالوا عامر والجمع عمار فاذا کان ممن یتعرض للصبیان قالوا ارواح فان خبث وتعرم قالوا شیطان فان زاد علی ذلک قالوا مارد فان زاد علی القوۃ قالوا عفریت فان طہر ونظف وصار خیرا کلہ قالوا ملاک (وفی مقام آخر) روی الحکم بن ابان عن عکرمۃ عن ابن عباس ان قریشا کانت تقول سروات الجن بنات الرحمن۔

www.poetrymania.com©

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا
تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۰۹) وَقَالُوا
اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ
بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۱۱۰)

اور خدا کے لیئے ہی مشرق اور مغرب پس جدھر
منھ کرو پھر اُدھر ہی خدا کا مُنھ (یعنی اُسکی ذات) ہی
بیشک اللہ (سب طرف) پھیلنے والا ہی جاننے والا (۱۰۹)
اور اُنھیں نے کہا کہ اللہ نے بنالیا ہی بیٹا، پاک ہے
وہ بلکہ اُسی کے لیئے ہی جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں
ہی، سب اُسکے لیئے فرمانبردار ہیں (۱۱۰)

مقام میں لکھا ہی کہ حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور اُنھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہی کہ قریش جن کے سرداروں کو بنات الرحمن یعنی خدا کی بیٹیاں کہتے تھے،، اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ عرب اُن غیر مرئی چیزوں کو جنکو نیک و پاکیزہ سمجھتے تھے، اور جنسے خلقت کو بھلائی اور نیکی پہنچنے کا خیال کرتے تھے اُنکو ملک کہتے تھے، مگر وہ معنی اور مراد جو ملک کے لفظ سے یہودیوں نے مقرر کیئے تھے یا جو زمانہ اسلام کی کئی صدی بعد کی مصنفہ کتب لغت میں لکھے گئے ہیں اُس معنی و مراد میں عرب لفظ ملک کو استعمال نہیں کرتے تھے ✤

قرآن مجید میں کلام مقصود میں کسی جگہہ لفظ ملک یا ملائکہ کا اُس مراد سے استعمال نہیں ہوا ہی جو مراد کہ یہودیوں نے قرار دی تھی جسکی تفسیر ہم ہر ایک مقام پر لکھینگے برخلاف اسکے ملائکہ کا اطلاق اُن قدرتی قوا پر جنسے انتظام عالم مربوط ہی، اور ان شیون قدرت کاملہ پروردگار پر جو اُسکی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہیں ملائکہ کا اطلاق ہوا ہی، سورہ والنازعات سے اسکا بخوبی ثبوت ہوتا ہی اُسکے پہلے چار جملوں کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہی، مگر پانچویں جملہ،، فالمدبرات امرا،، کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں، اور جملہ مفسرین متفق ہیں کہ مدبرات سے ملائکہ مراد ہیں پس اب غور کرنا چاہیئے کہ مدبرات امور کون ہیں، یہی قوا ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے تمام امور عالم کا مدبر مخلوق کیا ہے ✤

www.poetrymania.com©

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۱﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا
اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

پیدا کرنیوالا ہی آسمانوں اور زمین کا اور جب کرنا
چاہتا ہی کوئی کام، تو صرف اُسکو کہتا ہی کہ ہو، پھر
وہ ہوجاتا ہی (۱۱۱) اور اُن لوگوں نے کہا جو نہیں
جانتے، کیوں نہیں خدا ہمسے کلام کرتا، یا کیوں نہیں
ہمارے پاس کوئی نشانی آتی، اسیطرح اُنکے قول کی
مانند اُن لوگوں نے کہا جو اُنسے پہلے تھے، ایک سے ہوگئے
اُنکے دل، بیشک ہمنے بیان کیں نشانیاں اُن لوگوں کے
لیئے جو یقین کرتے ہیں (۱۱۲)

ان آیتوں میں جنکی ہم تفسیر لکھتے ہیں کلام مقصود صرف اسقدر ہی، کہ جو شخص اُس وحی کا عدو ہو جو خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی ہی، اور جو کوئی خدا اور اُسکے فرشتوں اور اُسکے رسولوں کا دشمن ہو تو بیشک اللہ ان کافرونکا دشمن ہی، یہودیوں نے اپنے عندیہ میں دو جداگانہ فرشتے ٹھہرا رکھے تھے، ایک جبرئیل اور ایک میکائیل، پچھلے کو اپنا دوست جانتے تھے اور پہلے کو اپنا دشمن، اور جو کہ دین محمدی کو وہ اپنے برخلاف خیال کرتے تھے، تو یہ سمجھتے تھے کہ جبرئیل جو ہمارا دشمن ہے، وہ آنحضرت صلعم کو یہ باتیں سکھاتا ہی۔ خدا نے پیغمبر سے کہا کہ،، تو کہدے کہ جبرئیل ہی اللہ کے حکم سے میرے دل میں یہ باتیں ڈالتا ہی، مگر جو کوئی کہ اُن باتوں کا اور فرشتوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا اور رسولوں کا دشمن ہی، خدا اُسکا دشمن ہی،، — فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل اور میکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہی، اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں، کیونکہ اگر یہودیوں کا یہ خیال نہوتا تو غالبا وہ نام نہ لیئے جاتے۔ پس اُن دونوں کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے زید و عمر بلکہ انہی آیتوں سے پایا جاتا ہی کہ جس شی کو یہودی جبرئیل

† دیکھو صفحہ ۳۰۴ ۔

www.poetrymania.com©

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (۱۱۳)	بیشک ہمنے تجھکو بھیجا ہی، سچ بات سے خوشخبری دینے والا، اور ڈرانے والا، اور تجھ سے بازپرس نہوگی دوزخ میں پڑنے والوں کی (۱۱۳)

تعبیر کرتے تھے وہ کوئی جداگانہ مخلوق مع تشخصہ نہ تھی کیونکہ خدا نے فرمایا ہی کہ بے شبہ اُسنے (یعنی جبرئیل نے) ڈالا ہی تیرے دل پر اللہ کے حکم سے (وہ کلام جو) سچ بتاتا ہی اُس چیز کو جو اُس سے پیشتر ہے،، دل میں ڈالنے والی کوئی ایسی مخلوق جو اُس شخص سے جسکے دل میں ڈالا گیا ہی، جداگانہ ہو، نہیں ہوتی۔ پس درحقیقت یہودی جسکو جبرئیل کہتے تھے اور جسکا نام حکایتاً خدا نے بیان کیا ہی، وہ ملکہ نبوت خود آنحضرتؐ میں تھا جو وحی کا باعث تھا، اس سے اگلی آیت میں خدا تعالیٰ نے بلا ذکر جبرئیل کے فرمایا ہی، کہ بیشک ہمنے بھیجی ہیں تیرے پاس کھلی ہوئی نشانیاں،،۔ ان وجوہات سے یہ بات کہ جبرئیل درحقیقت کسی فرشتہ کا نام ہی ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اسقدر تسلیم ہو سکتا ہی کہ اُسی ملکہ نبوت پر جبرئیل کا اطلاق ہوا ہی۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہی، کہ باوجودیکہ خدا کے پاس اِن دو فرشتوں کے سوا اور بھی بہت سے فرشتے ہیں، مگر بجز دو فرشتوں کے اور سب بے نام ہیں، کیونکہ کسی اور کا نام قرآن میں نہیں آیا۔ حضرت عزرائیل بھی بڑے۔۔۔۔ مشہور فرشتے ہیں، جو سب کے پاس آوینگے اور کسی کو نہیں چھوڑینگے، اگرچہ اُنکا ذکر بلفظ ملک الموت قرآن میں آیا ہی، مگر اُنکا کچھ نام نہیں بیان ہوا ہی۔ ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہی کہ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو مختلف قوی کے تعبیر کرنے کو اُنھوں نے رکھ لیئے تھے ۔

۹۶ (واتبعوا) اس آیت سے ستانویں آیت تک دو زمانے کے لوگوں کا ذکر ہی ایک اُس زمانہ کے یہودیوں کا جو حضرت سلیمان کے وقت میں اور اُنکے بعد تھے اور ایک اُن لوگوں کا جو ہاروت و ماروت کے زمانہ میں تھے، مگر سب سے اول پہلی آیت کے معنی سمجھنے چاہئیں، خدا نے فرمایا، کہ پیروی کی اُس چیز کی جو شیاطین سلیمان کی

www.poetrymania.com©

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۱۴﴾

اور ہرگز تجھ سے یہود راضی نہونگے اور نہ عیسائی، یہانتک کہ تو اُنکے مذہب کی پیروی کرے تو کہدے کہ بیشک اللہ کی ہدایت وہی ہدایت ہے، اور اگر تو اُنکی خواہشوں کی پیروی کرے، اُسکے بعد جو آگئی ہے تیرے پاس علم کی، نہیں تیرے لئے اللہ سے (بچانیکو) کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار (۱۱۴)

سلطنت کی نسبت پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا، اس آیت میں تین لفظ ہیں ما۔ تتلو۔ کفر۔ تتلو کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ اور اسی لفظ سے بعض مفسرین نے۔ ما۔ کے لفظ سے جھوٹی کتابیں یا جھوٹی تحریریں مراد لی ہیں، اور کفر۔ کے لفظ سے لکھنا مراد لیا ہے، اور اس تفسیر کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوتا ہے کہ" پیروی کی اُن جھوٹی کتابوں یا تحریروں کی جو شیاطین سلیمان کی سلطنت کی نسبت پڑھتے تھے۔ اور سلیمان نے کوئی کفر کی بات نہیں لکھی، بلکہ شیاطین نے کفر کی باتیں لکھی تھیں،، اسطرح پر آیت کے معنی قرار دینے بالکل صحیح و درست ہیں مگر چونکہ آیت میں کوئی قید نہیں ہے اور۔ تتلو۔ کے لفظ سے لکھے ہوئے ہی کا پڑھنا لازم نہیں آتا، بلکہ زبانی پڑھنے پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے، اسلئے ہمنے ترجمہ بھی اُسطرح عام لفظ سے کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے +

لیکن خدا نے جو یہ فرمایا ہے کہ،، وما کفر سلیمان،، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ لوگ پڑھتے تھے اُسکی نسبت سمجھتے تھے کہ سلیمان نے اُسکو کیا یا کہا یا لکھا ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ سمجھتے، بلکہ شیطانوں ہی کا فعل سمجھتے، تو سلیمان کو اُس سے بری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی پس تقدیر آیت کی یوں ہوئی کہ ،، واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملك سلیمان ــــ بظنھم انہ من سلیمان۔ ،، وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا، یعنی اور پیروی کی اُس چیز کی جو شیاطین ملک سلیمان کی نسبت پڑھتے تھے یہ

www.poetrymania.com©

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۱۵﴾	وہ لوگ جنکو ہمنے کتاب (یعنی توریت) دی ہے اُسکو پڑھتے ہیں جیسا پڑھنے کا حق ہی وہی لوگ اُسپر یقین رکھتے ہیں، اور جو اُسکے منکر ہیں، وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں (۱۱۵)

سمجھکر کہ سلیمان نے اُسکو کیا ہی، حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا ✦ اسکے آگے لفظ ہی، "وما انزل علی الملکین"، مگر سیاق اس کلام کے جو اُسکے اوپر ہی، اُسکا صاف یہ مطلب پایا جاتا ہی کہ ــ واتبعوا ما انزل بظنہم علی الملکین یعنی پیروی کی اُسچیز کی جسکی نسبت وہ گمان کرتے تھے کہ دو فرشتوں پر اُتاری گئی ہی، پس اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ درحقیقت خدا کی جانب سے کوئی چیز اُن فرشتوں پر اُتاری گئی تھی، بلکہ صرف یہ پایا جاتا ہی، کہ جسطرح وہ لوگ اُن چیزوں کو سمجھتے تھے کہ وہ سلیمان سے ہیں، حالانکہ سلیمان سے نہیں تھیں، اسیطرح دونوں فرشتوں کی نسبت بھی سمجھتے تھے، کہ خدا کی طرف سے وہ علم اُنکو دیا گیا ہی، حالانکہ خدا کی طرف سے کچھ نہیں دیا گیا تھا ✦

یہ معنی جو ہمنے بیان کیئے ہیں ایسے صاف اور صریح ہیں، کہ کوئی شخص بھی انکے صاف اور صریح اور سیدھے ہونے میں کلام نہیں کر سکتا، اور کسی قسم کی تاویل بھی اسمیں نہیں ہی، لفظوں سے اور عبارت سے و سیاق کلام سے جو صریح معنی نکلتے ہیں، وہ بیان کیئے ہیں، پس مخالفین قرآن نے جو یہ اعتراض کیا ہی، کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہی، کہ خدا لوگوں کو جادو بھی سکھاتا ہی، اور ایسا ناپاک کام خدا نازل کرتا ہی وہ ایک لغو و بیہودہ ناسمجھی کا اعتراض ہی، ہاں اسمیں کچھ شک نہیں، کہ ہمارے مفسرین نے بہت سی لغو باتیں اور جھوٹی روایتیں اور یہودیوں اور مجوسیوں کی حکایتیں اپنی تفسیروں میں بھر دی ہیں جنکا الزام خود اُن مفسرین پر ہی نہ قرآن پر ✦

حضرت سلیمان کا زمانہ ایک ابتر حالت میں ہو گیا تھا۔ کافروں کو موافق اپنے مذہب

www.poetrymania.com©

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾	اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمتوں کو جو میں نے تمکو دی ہیں، اور میں نے تمکو تمام عالموں پر بزرگی دی ہے (۱۱۶)

اور عقائد کے پوجا پاٹ اور بت پرستی کرنے سے کچھ ممانعت نہ تھی، خود حضرت سلیمان نے نہایت کثرت سے بیویاں کرلی تھیں، اور بت پرست عورتوں کو بھی اپنی بیوی بنایا تھا۔ عمونی قوم کی اور موابی قوم کی اور صدوقی قوم کی بیویاں اُنکے گھر میں تھیں، اور وہ اپنے محلوں میں بت پرستی کرتی تھیں، اور اس سبب سے گویا شاہی محل میں بت پرستی ہونے لگی تھی، مگر خود حضرت سلیمان خدا کا نہایت ادب کرتے تھے، اور اُسکے نام کی کسی چیز کو بت پرستی کی آلایش میں شریک نہیں ہونے دیتے تھے، یہانتک کہ اس محل میں جسمیں حضرت داؤد رہتے تھے، ایک دفعہ تابوت سکینہ آیا تھا تو اُسکے ادب سے اُنھوں نے اپنی ایک بت پرست بیوی کو وہاں رکھنا پسند نہیں کیا، اور اُسکے لئے جدا محل بنایا۔ سلیمان کی سلطنت اگرچہ بہت بڑی اور قوی تھی، لیکن اُسمیں بھی خرابیاں ہوگئی تھیں۔ حضرت داؤد جب نہایت ضعیف ہوگئے تو ادونیاہ اُنکے بڑے بیٹے نے یواب اور ابیاتار کی سازش سے تخت پر بیٹھنا چاہا، مگر حضرت سلیمان کی ماں نے جاکر حضرت داؤد کو خبر کی، اور سلیمان کو تخت پر بٹھانے کی درخواست کی، اور حضرت داؤد نے سلیمان کو تخت پر بیٹھنے کی اجازت دیدی، اور بنایاہ اور صادوق اور ناثان نبی نے حضرت سلیمان کو تخت پر بٹھا دیا، مگر ادونیاہ اور یواب اور ابیاتار دلوں میں مخالف تھے، اور گویا دو گروہ خدا پرستوں کے ایک دوسرے کے مقابلہ میں قائم ہوگئے تھے، اور تیسرا گروہ بت پرستوں کا موجود تھا، اور گویا حضرت سلیمان کے شریکوں میں یا ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا +

یہ سب واقعات تاریخی ہیں، اور ایسے واقعات کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک گروہ کے مجمعے جداجدا قائم ہوگئے ہونگے، اور ایک گروہ دوسرے گروہ سے اپنے رازوں کو مخفی رکھتا ہوگا۔ یہی بنا معلوم ہوتی ہے جسکے سبب حضرت سلیمان کے وقت میں وہ

www.poetrymania.com©

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور ڈرو اُس دن سے جبکہ کوئی کچھ بھی کسی کے کام نہ آویگا، اور نہ کچھ اُسکے بدلے میں قبول کیا جاویگا، اور نہ اُسکے لیئے کوئی سفارش فائدہ دیگی اور نہ اُنکی مدد کیجاویگی (۱۱۷)

مجمع قائم ہوگیا تھا جسکو اِس زمانہ میں فریمیسن کہتے ہیں، اور ہمارے ملک کے لوگوں نے جادو گھر اُسکا نام رکھا ہی، اس قسم کا مجمع راز حیرام بادشاہ صور کے ہاں بھی تھا۔ یہ بادشاہ حضرت داؤد کا بہت دوست تھا، اور کچھ عجب نہیں کہ وہیں سے اِس مجمع راز کے قائم کرنے کو اخذ کیا ہو، اور فیثاغورث حکیم نے بھی اسی قسم کا ایک مجمع راز اپنے شاگردوں کے لیئے قائم کیا تھا۔ ان تمام حالات کا مقتضا یہ تھا، کہ کچھ پوشیدہ راز اسمیں ہوں، اور کچھ پوشیدہ تحریریں بھی ہوں، اور اُنمیں کچھ اصلی ہوں۔ اور کسی وقت میں لوگوں نے جعلی اور مصنوعی باتیں اور تحریریں اُسمیں ملادی ہوں، اور اُنکو بھی اصلی تحریریں ظاہر کیا ہو۔ جھوٹی تحریروں کے اس اختلاط کا حضرت سلیمان کے گروہ میں پیدا ہونا زیادہ تر احتمال رکھتا ہی، کیونکہ اُنکے محل میں بت پرست عورتیں موجود تھیں، اور تمام بت پرست قومیں اُنکی حامی اور مددگار تھیں، اور وہ اپنی مذہبی رسم و رواج اور پوجا پاٹ کے قائم رکھنے کو زیادہ راغب ہونگی، اور سلیمان کے بعد اُن جھوٹی تحریروں کو جنمیں کفر کی باتیں بھی ہونگی لوگوں نے سلیمان کی تحریریں گمان کرکے اختیار کیا ہوگا اور اُنکی پیروی کرتے ہونگے۔ اسی امر کی نسبت خدا نے فرمایا ہی، کہ وہ سلیمان کی تحریریں نہیں تھیں، بلکہ شیطانوں یعنی کافروں کی تحریریں تھیں۔ اور انھوں نے ہی اُنمیں کفر کی باتیں لکھی تھیں سلیمان نے نہیں لکھی تھیں۔ یہ ایک تاریخی ‡ واقعہ ہی جسکا اشارہ قرآن میں ہی ✦

شیاطین کے معنی ہمنے کافروں کے لیئے ہیں، بیضاوی میں لکھا ہی کہ الشیاطین

‡ اس زمانہ میں بھی ایسی تحریریں موجود ہیں جو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب ہیں مگر خود یہودی اور عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مصنوعی تحریریں ہیں، سلیمان کی نہیں ہیں۔

www.poetrymania.com©

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور جب مبتلا کیا ابراہیم کو اُسکے پروردگار نے چند باتوں میں، پھر اُسنے اُنکو پورا کیا (خدا نے) کہا کہ بیشک میں تجھکو لوگوں کے لیئے پیشوا کرنے والا ہوں (ابراہیم نے) کہا اور میری اولاد میں سے (خدا نے) کہا کہ میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچتا (۱۱۸)

من الجن والانس او منهما، یعنی شیاطین کے لفظ سے یا تو شیاطین جن مراد ہیں یا شیاطین انس یعنی شریر آدمی یا دونوں۔ تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ اکثر مفسر شیاطین سے شیاطین جن مراد لیتے ہیں، اور معتزلے شیاطین انس، اور بعضے دونوں قرار دیتے ہیں، لیکن ہر ایک سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ شیاطین سے شیاطین الجن مراد لینا مذہب کو ایک عجوبہ بنانا ہے، اور شیاطین سے شیاطین الجن مراد لینے پر نہ کوئی تاریخی دلیل ہے نہ کوئی عقلی دلیل ہے، اور نہ اس آیت میں کوئی اس قسم کا اشارہ ہے، بلکہ جو تاریخی واقعہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے اُس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہی کافر مراد ہیں جنھوں نے کفر کی جھوٹی تحریریں یا جھوٹی باتیں بنائی تھیں +

ہاروت اور ماروت دونوں تاریخی شخص ہیں، یعنی اُنکا وجود تاریخ کی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ یہ دونوں شخص شام کے رہنے والے تھے، قرآن مجید میں اُنکا کوئی قصہ بجز اُسکے جو یہاں ہے بیان نہیں ہوا ہے، تمام قصے جو مفسرین نے اُنکی نسبت اپنی تفسیروں میں بھر لیئے ہیں، اُنکی کچھ اصل مذہب اسلام میں نہیں ہے جتنی روایتیں اُنکی نسبت مذکور ہیں وہ سب مصنوعی اور جھوٹی ہیں۔ مسٹر ہائڈ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مجوسیوں کے ہاں اُنکی نسبت بہت سے قصے لغو مشہور تھے، ہمارے مفسرین کی یہ عادت ہے کہ کسی کے ہاں کا قصہ ہو جب وہ اپنی تفسیروں میں اُسکو داخل کرتے ہیں تو اُسکے ساتھ ایک ایسی مصنوعی روایت داخل کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ مسلمانی

www.poetrymania.com©

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۱۹﴾	اور جب ہمنے کعبہ کو آدمیوں کے لئے مرجع اور امن کی جگہہ بنایا، تو اختیار کرو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہہ اور ہمنے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ پاک رکھیں میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیئے (۱۱۹)

روایت ہی، مگر اس جھوٹ کا جو الزام ہی وہ مفسرین یا راویوں پر ہی قرآن اُس سے بری ہے ✦ یہ دونوں فرشتے نہیں تھے بلکہ آدمی تھے۔ ہمارے ہاں کے بعض مفسروں نے بھی اُنکو آدمی قرار دیا ہی، چنانچہ حسن نے ملکین کے لفظ کو لام کی زیر سے پڑھا ہی، جسکے معنے دو بادشاہوں کے ہیں۔ اور ضحاک سے اور ابن عباس سے بھی لام کے زیر سے پڑھنا روایت کیا گیا ہی۔ پھر انمیں اسبات پر اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے۔ حسن کا قول ہی، کہ وہ دونوں بابل میں عجم کے کافروں میں سے تھے۔ بغیر ختنہ کیئے ہوئے، کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں بادشاہوں میں سے صالح آدمی تھے ✦

> قرء الحسن ملكين بكسر اللام وهو مروى ايضا عن الضحاك وابن عباس ثم اختلفوا فقال الحسن كانا علجين اقلفين ببابل يعلمان الناس السحر وقيل كانا رجلين صالحين من الملوك — تفسیر کبیر

ہم ملکین کے لفظ کو مطابق قرأت مشہورہ لام کے زبر سے پڑھتے ہیں، مگر فرشتے مراد نہیں لیتے، بلکہ آدمی ہی مراد لیتے ہیں۔ جسکو لوگ نہایت نیک سمجھتے ہیں، اُسپر فرشتہ کا اطلاق کرتے ہیں، قرآن مجید سے بھی کافروں میں اُس محاورہ کا ہونا پایا جاتا ہے جسطرح کہ زلیخا کی سہیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھکر کہا تھا کہ ”ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم“، اور مجوسیوں میں بھی ایسا استعمال تھا۔ اور ہائڈ صاحب کی کتاب سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ مجوسی ہاروت ماروت کو فرشتہ کہتے تھے۔ پس اِس آیت میں جسطرح کہ لوگوں کے اس گمان کو کہ جو علم انکے پاس تھا وہ خدا کی طرف سے اُتارا گیا تھا، بیان کیا گیا ہی، اسیطرح پر جس خیال سے کہ وہ انکو فرشتہ کہتے تھے ملکین کا

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٢٠﴾

اور جب ابراہیم نے کہا، اے پروردگار اسجگہہ کو ایک شہر پرامن کردے اور رزق دے اسکے رہنے والوں کو پھلوں کا ان میں سے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور اخیرن پر (خدا نے) کہا اور (یہ بھی کہو کہ اسکو بھی) جو کافر ہو، پھر میں اسکو تھوڑا سا فائدہ مند کرونگا، پھر اسکو مجبور کرونگا آگ کے عذاب میں اور بری جگہہ میں جانے کو (١٢٠)

لفظ لام کے زیر سے لایا گیا ہے، یعنی اُن لوگوں نے اُس چیز کی پیروی کی جسکی نسبت وہ کہتے تھے کہ بابل میں ہاروت اور ماروت پر جنکو وہ فرشتہ کہتے تھے خدا کی طرف سے اُتاری گئی ہے، پس خدا نے نہ یہ فرمایا ہے کہ جو علم اُنکے پاس تھا وہ خدا کی طرف سے اُتارا ہوا تھا، اور نہ یہ فرمایا ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے، بلکہ جو زعم ان دونوں یا لوگوں کی نسبت کافروں یا یہودیوں کا تھا وہ بیان کیا گیا ہے +

اب ایک شبہ باقی رہجاتا ہے کہ وہ جادو سیکھنے والوں کو منع کیوں کرتے تھے کہ تم مت سیکھو، اور کافر مت ہو یعنی بُرا کام کرنیوالے مت ہو۔ یہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے۔ جادو سے اپنے خیال میں نقصان پہنچانا، خواہ فی الحقیقت اُس سے نقصان پہنچتا ہو یا نہیں، ہر کوئی یہانتک کہ جادوگر بھی بُرا جانتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ سیکھنے والے کو منع کرتے تھے، اس زمانہ میں بھی بہت لوگ ایسے ہیں جو کوئی بُرا کام جانتے ہیں، مگر جب کوئی اُنسے سیکھنا چاہتا ہے تو کہتے ہیں، کہ یہ خراب کام ہے کیوں سیکھتے ہو، لیکن جب سیکھنے والا اصرار کرتا ہے تو سکھا دیتے ہیں، پس ہاروت اور ماروت کا سیکھنے والوں کو ایسا کہنا ایک عام مجرا لطبیعی کے موافق تھا +

اسی آیت میں اسبات پر بھی دلیل ہے کہ سحر باطل ہے، یعنی سحر کچھ موثر نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کو بسبب اپنے سحر کے کچھ نقصان پہنچانے والے نہ تھے، اور یہ کہنا نص صریح اسبات پر ہے کہ سحر کچھ اثر نہیں رکھتا اور یہی معنی سحر کے باطل ہونے کے ہیں،

www.poetrymania.com©

وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ	اور جب ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اُٹھاتا تھا اور اسمٰعیل (اسکے ساتھ تھا تو ان دونوں نے کہا)

آگے جو خدا نے فرمایا کہ ،، اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ،، اسکے یہ معنی سمجھنا کہ انکا سحر خدا کے حکم سے اثر کرتا تھا، محض غلطی اور ناسمجھی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عامل یا جادوگر کسی کام کے لیئے عمل یا جادو پڑھتا ہے اور وہ کام اتفاقیہ اُسکی خواہش کے مطابق ہوجاتا ہے اور شبہہ پڑتا ہے کہ عمل یا جادو کے اثر سے ہوا ہے۔ اس شبہہ کے مٹانے کو خدا نے فرمایا ،، الا باذن اللہ ،، یعنی ایسی حالت میں جو کام ہوجاتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہوجاتا ہے۔ کچھ جادو یا عمل کے سبب سے نہیں ہوتا +

ہمنے اوپر بیان کیا تھا کہ ان آیتوں میں دو زمانہ کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ایک اُس زمانہ کے یہودیوں کا جو حضرت سلیمان کے وقت میں اور اُنکے بعد تھے، اور ایک اُن لوگوں کا جو ہاروت اور ماروت کے زمانہ میں تھے۔ پس جان لینا چاہیئے کہ پچھلی آیت کے شروع سے ان لفظوں تک کہ ،، بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اوتاری گئی ہے ،، اُن لوگوں کا ذکر ہے جو حضرت سلیمان کے وقت میں اور اُنکے بعد تھے۔ اور ان الفاظ سے کہ ،، اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے ،، ان الفاظ تک کہ ،، اور اُنسے سیکھتے تھے وہ چیز جو اُنکو نقصان دیتی تھی اور نفع نہ پہنچاتی تھی ،، اُن لوگوں کا ذکر ہے جو ہاروت و ماروت کے زمانہ میں تھے، اور اُسکے بعد عام یہودی مخاطب ہیں جو توریت سے جانتے تھے کہ جادو گناہ اور کفر ہے +

۱۰۰ (ما ننسخ) — اس آیت کی تفسیر میں ہمارے ہاں کے مفسروں نے بے انتہا کج بحثیاں کی ہیں، اور مذہب اسلام کو بلکہ خدا کو بدنام کیا ہے، اور قرآن مجید کو ایک شاعر کی بیاض بنا دیا ہے۔ اُنہی کج بحثیوں میں بعض مفسروں نے جنکو خدا نے ہدایت کی ہے سیدھی راہ بھی اختیار کی ہے۔ ہر ایک شخص جسکی مزاج میں کج بحثی نہیں ہے وہ اس آیت کو اور اس سے پہلی آیت کو پڑھکر سیدھا اور صاف مطلب سمجھ سکتا ہے۔ اس

www.poetrymania.com©

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۱﴾	اے ہمارے پروردگار اسکو ہمسے قبول کر، بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے (۱۲۱)

آیت سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہی، کہ اہل کتاب اِس بات کو دوست نہیں رکھتے کہ خدا کی طرف سے تمپر کچھ بھلائی اُترے، اور بھلائی سے علانیہ مراد قرآن اور احکام شریعت ہیں۔ اہل کتاب جو اِسبات کو دوست نہیں رکھتے تھے اُسکی صاف صاف دو وجہیں تھیں۔ اول یہ کہ تمام انبیا بنی اسرائیل میں گذرے تھے، اور اُنکو پسند نہیں تھا کہ بنی اسمٰعیل میں جنکو وہ بالطبع حقیر بھی سمجھتے تھے کوئی نبی پیدا ہو۔ اُسکی نسبت خدا نے فرمایا کہ اللہ مخصوص کرتا ہی اپنی رحمت سے جسکو چاہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ احکام شریعت محمدی کے موسوئی شریعت کے احکام سے کسیقدر مختلف تھے، اور یہودی اپنی شریعت کی نسبت سمجھتے تھے کہ وہ دائی ہے، اور کبھی کوئی حکم اُسکا تبدیل نہیں ہونے کا۔ اسکی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو آیت کہ ہم منسوخ کرتے ہیں یا بُھلا دیتے ہیں تو اُسکی جگہ اُسی کی مانند یا اُس سے بہتر آیت دیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہی بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدی میں تبدیل ہو گئے، یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیوں نے بُھلا دیا تھا وہ مراد ہیں۔ ہمارے اکثر مفسرین نے نہایت کج بحثی سے اس آیت میں جو لفظ آیت ہی اسکو قرآن مجید کی آیتوں پر محمول کیا ہی، اور یہ سمجھا ہی کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو جاتی ہی، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ، ننسہا، کے لفظ سے یہ قرار دیا، کہ پیغمبر خدا صلعم بعض آیتوں کو بھول بھی گئے تھے، اور اُن دو لفظوں یعنی نسخ اور ننسہا کی بنا پر جھوٹی اور مصنوعی روایتوں کے بیان کرنے سے اپنی تفسیروں کے ورق کے ورق سیاہ کر دیئے ہیں، مگر اُنمیں کی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہی، اُنہی جھوٹی روایتوں کی بنا پر اُنھوں نے قرآن کی آیتوں کو چار

www.poetrymania.com©

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾

ای ہمارے پروردگار اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد کو اپنی فرمانبردار اُمت ہا اور دکھا ہمکو ہماری (عبادت کے) طریقے ، اور ہمکو معاف کر بیشک توہی بڑا معاف کرنیوالا مہربان (۱۲۲)

قسم کی آیتوں پر تقسیم کیا +

اول — وہ آیتیں جنکی تلاوت اور احکام دونوں بجال ہیں اور وہ سب آیتیں قرآن میں موجود ہیں —

دوم — وہ آیتیں جنکی تلاوت بجال ہی اور احکام منسوخ ہو گئے ہیں — ان آیتوں کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود ہیں —

سوم — وہ آیتیں جنکی تلاوت منسوخ ہوگئی ہی مگر احکام بجال ہیں +

چہارم — وہ آیتیں جنکی تلاوت اور احکام دونوں منسوخ ہو گئے ہیں ۔ اور تیسری اور چوتھی قسم کی آیتوں کی نسبت کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود نہیں ہیں ، مگر ان جھوٹی روایتوں میں ہم انکا موجود ہونا بیان کرتے ہیں +

ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے ، اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اُترا وہ بے کم و کاست موجودہ قرآن میں جو درحقیقت آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہی ، اور کوئی حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہی ، اور نہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہی ، بلکہ احکام ادیان سابقہ کی نسبت بھی لفظ نسخ کا مجازی معنی میں استعمال ہوا ہی نہ حقیقی معنی میں — اسکی تشریح کے لئے ہمکو نسخ کے معنوں سے بحث کرنی پڑیگی ، اور جو احکام کہ تبدیل ہو گئے ہیں اُنکی بھی حقیقت بیان کرنی ہوگی ، لیکن قبل اُسکے ہمکو اُن مفسروں کی رائے کا بیان کرنا مناسب ہی جنھوں نے آیت کے لفظ سے جو اس آیت میں ہی ، قرآن کی آیتیں مراد نہیں لی ہیں + ابو مسلم صرف ایک شخص ہی جو خلاف جمہور مفسرین کے ہماری

قال ابو مسلم — ان المراد من الآیات المنسوخۃ ھی

www.poetrymania.com©

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۳﴾

اے ہمارے پروردگار انمیں انہی میں سے ایک رسول مبعوث کر کہ انکو تیری نشانیاں سناوے، اور انکو کتاب اور حکمت سکھاوے، اور انکو پاک رکھے، بیشک تو ہی بڑا ہے حکمت والا (۱۲۳)

رائے سے متفق ہے - اُسکا بھی یہی عقیدہ ہے، کہ قرآن میں نسخ واقعہ نہیں ہوا، اور اُسکا قول ہے کہ آیات منسوخہ سے مراد وہ شریعتیں ہیں، جو کتب مقدسہ یعنی توریت اور انجیل میں تھیں، جیسیکہ سبت کا ماننا اور مشرق اور مغرب کی طرف نماز کا پڑھنا۔ اور اسی قسم کے حکموں کی مانند جو اللہ نے ہمسے دور کر دیئے ہیں، اور ہم بغیر اُسکے عبادت کرتے ہیں، یہود اور نصاری کہتے تھے کہ بجز اُسکے جو ہمارے دین کا تابع ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ، پس اللہ نے اس آیت سے اُسکو باطل کر دیا +

بعض آدمیوں نے اسکا یہ جواب دیا ہے، کہ آیت کا لفظ جبکہ اطلاق کیا جاتا ہے تو اُس سے قرآن ہی کی آیتیں مراد ہوتی ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہی آیتیں مقرر ہیں +

لیکن کوئی شخص اسکا جواب دیسکتا ہے کہ ہم یہ بات نہیں مانتے، کہ آیت کا لفظ قرآن کی آیتوں سے مخصوص ہے بلکہ وہ عام ہے اور ہر دلیل پر بولا جاتا ہے +

امام فخر الدین رازی نے یہ بات تسلیم کرلی ہے، کہ قرآن مجید میں منسوخ آیتیں ہیں پر اس آیت سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہے، اور اسلیئے اُنھوں نے اور آیتوں سے استدلال کیا ہے، چنانچہ تفسیر کبیر میں وہ لکھتے ہیں، کہ ہمنے کتاب محصول میں جو اصول فقہ میں ہے، تمام بحثیں جو عدم نسخ پر دلالت کرتی

الشرایع التی فی الکتب القدیمۃ من التوریۃ والانجیل کالسبت و الصلوٰۃ الی المشرق و المغرب مما وضعہ اللہ تعالی عنا و تعبدنا بغیرہ فان الیہود والنصاری کانوا یقولون لا تومنوا الا لمن تبع دینکم فابطل اللہ علیہم ذلک بقولہ الآیۃ +

ومن الناس من اجاب بان الآیۃ اذا اطلقت فالمراد بہا آیات القرآن لانہ ھو المعہود عندنا +

ولقائل ان یقول لا نسلم ان لفظ الآیۃ مختص بالقرآن بل ھو عام فی جمیع الدلائل (تفسیر کبیر صفحہ ۴۰۰ جلد ۱) +

واعلم انا بعد ان قررنا ھذہ الجملۃ فی کتاب

www.poetrymania.com©

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۴﴾	اور کون ابراہیم کی ملت سے منہ پھیرتا ہی بجز اسکے جو خود بیوقوف بنا ہوا اور بیشک ہمنے اسکو برگزیدہ کیا ہی دنیا میں، اور وہ بیشک آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہے (۱۲۴)

المحصول فی اصول الفقه تمسکنا فی وقوع النسخ بقوله تعالیٰ ما ننسخ من اٰیة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها الاستدلال به ایضا ضعیف لان ما ههنا تفید الشرط والجزاء وکما ان قولك من جاءك فاکرمه لا یدل علی حصول المجیٔ بل علی انه متی جاء وجب الاکرام فکذا هذه الاٰیة لا تدل علی حصول النسخ بل علی انه متی حصل النسخ وجب ان یأتی بما هو خیر منه فالاقوی ان نعول فی الاثبات علی قوله تعالیٰ واذا بدلنا اٰیة مکان اٰیة وقوله یمحوا الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب والله اعلم۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ ۔ صفحہ ۴۶۰) +

ہیں، بیان کرکے، ہمنے وقوع نسخ پر اسی آیت ما ننسخ پر استدلال کیا ہی۔ مگر اس آیت پر استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہی۔ اسلیئے کہ ما کا لفظ اس جگہہ بطور شرط اور جزا کے ہے جیسے تم کسیکو کہو، کہ جو شخص تیرے پاس آئے تو اُسکی تعظیم کر، تو یہ کہنا کسی شخص کے آنے پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ صرف اتنا نکلتا ہی، کہ جب کوئی آوے تو اُسکی تعظیم کرنی واجب ہی۔ اسیطرح یہ آیت بھی حصول نسخ پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس سے یہ نکلتا ہی کہ جب کوئی آیت منسوخ ہو، تو اُسکے بدلے دوسری آیت جو اُس سے اچھی ہو لانی واجب ہی۔ پس ٹھیک بات یہ ہی کہ نسخ کے ثبوت میں ہم اور آیتوں کو اختیار کریں، یعنی اس آیت کو "واذا بدلنا اٰیة مکان اٰیة" اور اس آیت کو "یمحوا الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب"۔

ہم امام فخر الدین رازی کا شکر کرتے ہیں، کہ اُنھوں نے اسقدر تو ہمسے اتفاق کیا کہ اس آیت سے قرآن مجید میں آیت منسوخہ کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا، مگر خدا نے چاہا تو ہم بتا دینگے کہ اُن آیتوں سے بھی جنپر امام رازی نے منسوخ ہونیکا استدلال کیا ہی حقیقتاً منسوخ ہونا آیتوں کا ثابت نہیں ہوتا +

ناسخ و منسوخ کی بحث درحقیقت ایک لغو بحث ہی اسپر بحث کرنے کی ضرورت

www.poetrymania.com©

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَوَصّٰى
بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ
يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ
الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

جب اُسکے پروردگار نے اُسکو کہا کہ فرمانبردار ہو تو اُسنے
کہا فرمانبردار ہوا میں پروردگار عالموں کا (۱۲۵) اور
ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے یہ وصیت کی
کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمھارے لئے اس
دین کو برگزیدہ کیا ہے پس تم مت مرنا بجز اسکے کہ
تم مسلمان مرو (۱۲۶)

صرف اسوجہ سے ہوگئی ہے، کہ فقہاے اسلام نے نہایت غلط قیاس اور بیجا استدلال سے اور صرف اپنے دل کے پیدا کیے ہوئے خیالات سے، قرآن کی آیتوں کا اسطرح پر منسوخ ہونا قرار دیا ہے، جو خدا کی شان اور قرآن کے ادب کے بالکل برخلاف ہے، اور ہرگز مذہب اسلام کا وہ مسئلہ نہیں ہے، اور نہ اُن فقہا کے استنباط کیلئے کوئی دلیل ہے۔ اُنھوں نے جو آیات منسوخہ کو تین قسم، یعنی منسوخ الحکم ثابت التلاوۃ اور منسوخ التلاوت ثابت الحکم اور منسوخ التلاوت والحکم قرار دیا ہے، یہ محض جھوٹی تقسیم ہے اور خود اُنکی دل کی بنائی ہوئی ہے، اور مفسرین نے جھوٹی اور بے سند روایتیں اپنی تفسیروں میں بھردی ہیں، اور اگر ناسخ اور منسوخ کی بحث صرف اتنی بات پر منحصر رہتی، کہ آیا شرایع سابقہ میں کوئی ایسے احکام تھے جو اب شریعت اسلام میں نہیں رہے، یا اُنکی عوض دوسرے احکام آئے اور شرایع سابقہ کے احکام منسوخ ہوگئے یا نہیں۔ یا یہ کہ خود اسلام میں کوئی ایسے احکام تھے جو بعد کو قائم نہ رہے، یا اُسکے بدلے اور احکام آئے، اور پہلے احکام منسوخ ہوگئے یا نہیں، تو یہ بحث البتہ دلچسپ اور ذی عقلوں کی سی بحث ہوتی، اور اسپر مباحثہ کرنے کی کچھ ضرورت نہ پڑتی۔ کیونکہ جو لوگ احکام کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، اور جو اُنکے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں، جب اُن دونوں کی بحثوں پر غور کیا جاوے، تو بجز نزاع لفظی کے یا ناسخ و منسوخ کو بطور ایک علمی اصطلاح کے قرار دینے کے، اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا،

www.poetrymania.com©

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

(اے بنی اسرائیل) کیا تم موجود تھے جبکہ یعقوب کو موت آئی جبکہ اُسنے اپنے بیٹوں کو کہا کہ میرے بعد کسکو پوجوگے، اُنھوں نے کہا کہ ہم عبادت کرینگے تیرے خدا کی، اور تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کی خدا کی، جو خدائے واحد ہی، اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں (۱۲۷)

پس ہم اِس بات سے کہ قرآن کی آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ التلاوت وثابت الحکم، یا منسوخ التلاوت والحکم ہی، انکار کرکے اس بات کی بحث پر متوجہ ہوتے ہیں، کہ آیا قرآن میں ایسی آیتیں جنپر ثابت التلاوت ومنسوخ الحکم ہونیکا اطلاق ہوسکے موجود ہیں یا نہیں۔ نتیجہ اس بحث کا صرف یہ ہوگا کہ آیا قرآن میں احکام منسوخہ ہیں یا نہیں، یا ایک آیت کا حکم دوسری آیت کے حکم کو منسوخ کرتا ہے یا نہیں، اور نتیجہ اس بحث کا بجز نزاع لفظی کے اور کچھ نہو گا +

نسخ کے معنی لغت میں کسی شے کے دور کردینے کے اور متغیر کردینے اور باطل کردینے کے ہیں خواہ اُسکی جگہہ کوئی دوسری چیز قائم ہوئی ہو یا نہوئی ہو، اور نقل وتحویل کے معنی بھی ہیں، اور اس بحث سے کہ ان معنوں میں سے اصلی کونسے ہیں اور مجازی کون سے ہمکو چنداں فائدہ نہیں ہی۔ مگر جب اس لفظ کو کسی خاص علم میں استعمال کیا جائیگا، مثلاً شرع میں، تو اُسکی تعریف میں کچھ ایسے الفاظ بڑھانے ہونگے جس سے وہ معنی اُس علم کے مناسب ہو جاویں۔ پس شرع میں نسخ کے معنی یہ ہونگے کہ ایک شرعی حکم کسی دوسرے شرعی حکم سے زائل یا متغیر یا باطل ہونا۔ پہلا حکم منسوخ کہلائیگا اور دوسرا حکم ناسخ +

ناسخ کے معنے علماء نے یہ قرار دیئے ہیں، کہ ناسخ سے مراد ایک ایسی شرعی

www.poetrymania.com©

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۱۲۸	یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، انکے لیئے وہ چیز ہے جو اُنھوں نے کمائی، اور تمھارے لیئے وہ چیز ہی جو تمنے کمائی، اور تمسے اُسچیز کی پرسش نہوگی جو وہ کرتے تھے (۱۲۸)

ان الناسخ فی اصطلاح العلماء عن طریق شرعی یدل علی ان الحکم الذی کان ثابتا بطریق شرعی لا یوجد بعد ذلک مع تراخیه عنه علی وجه لولاه لکان ثابتا (تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)	قاعدہ سے ہی جو اسبات پر دلالت کرے، کہ اس سے پہلے جو حکم بقاعدہ شرعی ثابت ہو چکا تھا، اسکے بعد نہیں رہا، ایسی حالت میں کہ اگر یہ پچھلا حکم نہوتا تو وہ پہلا حکم ثابت اور قائم رہتا ـ

اس تعریف میں جو قیدیں کہ علما نے لگائی ہیں اُسکے یہ فائدے بتائے ہیں، کہ قاعدہ شرعی کی جو قید لگائی ہی وہ اسلیئے لگائی ہے کہ اُسمیں خدا و رسول کے قول و فعل شامل ہوجائیں، اور اجماع امت علی احد القولین خارج ہوجاوے کیونکہ جو طریق شرعی کی تفسیر یہاں بیان ہوئی ہی، اُسمیں اجماع داخل نہیں ہوتا، اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ شرع عقلی حکم کی ناسخ ہو، کیونکہ حکم عقلی کا ثبوت شرعی قاعدہ پر نہیں ہوتا، اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ معجزہ شرعی حکم کا ناسخ ہو کیونکہ وہ معجزہ شرعی طریق سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حکم کسی مدت یا شرط یا استثنا پر مقید ہو، کیونکہ ایسی حالت کی جو شرط لگائی ہے اُس سے یہ سب خارج ہوجاتی ہیں، اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اگر خدا نے ہمکو کسی ایک کام کرنیکا ایک دفعہ حکم دیا، اور پھر اُس کام کی مانند دوسرا کام کرنے کو منع کیا تو یہ حکم اُسکا ناسخ ہوگا، کیونکہ اگر یہ منع نہوتا تب بھی وہ حکم ثابت نہ تھا ❊

یہ تعریف ناسخ کی جو گویا ناسخ و منسوخ دونوں کی تعریف ہی، ظاہر ہے کہ منصوص

www.poetrymania.com©

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۹﴾	اور (یہودیوں نے کہا) کہ یہودی ہو جاؤ (اور عیسائیوں نے کہا کہ) عیسائی (ہو جاؤ) تو تم راہ پاؤ گے (اے پیغمبر) کہہ دے کہ نہیں، بلکہ (میں پیروی کرتا ہوں) ملت ابراہیم کی جو خالص تھے، اور وہ مشرکوں میں نہیں تھا (۱۲۹)

نہیں ہے یعنی ظاہر ہے کہ یہ تعریف ناسخ و منسوخ کی نہ خدا نے بنائی ہے نہ رسول نے بتائی ہے، بلکہ علما نے خود اپنے قیاس اور خیال اور استنباط سے قائم کی ہے، اور کسی مسلمان پر واجب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اس تعریف کو تسلیم کرے ہمارے نزدیک جو وقت نسخ کو شرع سے متعلق کیا جائیگا تو اُسوقت حیثیت کو اُس کا جزو قرار دینا واجب اور لازم ہوگا، کیونکہ جسقدر احکام شرعی ہیں وہ سب کسی نہ کسی حیثیت پر مبنی ہیں۔ پس اگر باوجود بقا اُس حیثیت کے جسپر وہ حکم صادر ہوا تھا، دوسرا حکم برخلاف پہلے حکم کے صادر کیا جاوے، تو کہا جاویگا کہ دوسرا حکم ناسخ ہے اور پہلا منسوخ، اور اگر وہ حیثیت جسکی بنا پر پہلا حکم صادر ہوا تھا موجود نہ ہے، تو دوسرا حکم پہلے حکم کا حقیقتاً ناسخ نہیں ہے، گو مجازاً ایک کا دوسرے کو ناسخ کہیں ؛

ذات باری کے تنزہ اور اُسکے تقدس اور اُسکے علم و دانش میں نقصان اُسی وقت لازم آتا ہے جبکہ ایک حیثیت کے لحاظ سے کوئی حکم دیا ہوا اور پھر باوجود موجود ہونے اُسی حالت حیثیت کے دوسرا حکم اُسکے مخالف دیا ہو، لیکن اگر حالت اور حیثیت مختلف ہو گئی ہو، تو دوسرا حکم دینا اُسکے تقدس کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ نہ دینا اُسکے تقدس اور علم و دانش کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس ہم قبول کرتے ہیں کہ ایسے احکام بھی موجود ہیں جو شرایع سابقہ میں ماموربہ تھے اور شرایع مابعد میں ماموربہ نہیں رہے، یا بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ خود مذہب اسلام ہی میں اول کوئی حکم ماموربہ تھا، اور پھر بعد کو ماموربہ نہیں رہا، اور یہی ثابت ہو

www.poetrymania.com©

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا
وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ
اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی
وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ
مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ
مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ (۱۳۰)

کہو ایمان لائے اللہ پر، اور (اُسپر) جو اُتارا گیا ہے ہمپر، اور جو اُتارا گیا ہے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُسکے پوتوں پر، اور (اُسپر) جو دیا گیا ہے موسیٰ و عیسیٰ کو اور (اُسپر) جو دیا گیا ہے نبیوں کو اُنکے پروردگار سے ہم فرق نہیں کرتے کسی ایک میں اُنمیں سے، اور ہم اُسکے (یعنی خدا کے) فرمانبردار ہیں (۱۳۰)

کہ حیثیت اور حالت متحد نہیں رہی تھی، تو ہم ایک دوسرے کا ناسخ نہیں قرار دینگے، اور ہم کیا کوئی ذی عقل بھی ہندو مسلمان یہودی عیسائی دہریہ اُن میں سے کسی کو ناسخ و منسوخ نہیں کہنے کا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم مجازاً، یا بطور ایک اصطلاح کے ناسخ و منسوخ کہنے لگیں۔ ہمنے تمام قرآن میں کوئی ایسا حکم نہیں پایا، اور اسلیئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔ علما و فقہا نے جن آیتوں کو ایک دوسرے کے مخالف خیال کیا ہے، اور ایک کو ناسخ اور ایک کو منسوخ ٹھہرایا ہے تو ہم ہر موقعہ پر ثابت کرینگے کہ وہ باہم مخالف نہیں ہیں، اور تفاوت حیثیت بھی ظاہر کر دینگے، جسکے بغیر لحاظ کے ناسخ و منسوخ کا قرار دینا محالات سے ہے :۔

ناسخ اور منسوخ کے باب میں لوگوں نے بہت سی بحثیں کی ہیں، اور ابو مسلم نے جو ناسخ و منسوخ ہونے کا قائل نہیں ہے، متعدد دلیلیں اُسکی امتناع پر پیش کی ہیں اور اُسکے مخالفین نے جو جمہور مفسرین ہیں اُسکی تردید کی ہے، اور اثبات نسخ پر دلیلیں پیش کی ہیں، ہماری سمجھ میں وہ سب قشری بحثیں ہیں، مغز سخن تک کوئی نہیں پہونچتیں، اور جو اصل بات اتحاد حیثیت کی ناسخ و منسوخ میں تھی، اُسپر کسیکا خیال نہیں گیا ہے، اور اسلیئے ہم اُن بحثوں کا اپنی تفسیر میں ذکر کرنا محض بیفایدہ سمجھتے ہیں۔ امام رازی صاحب نے جن دو آیتوں سے اپنی دانست میں قرآن مجید

www.poetrymania.com©

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۱۳۱)

پھر اگر ایمان لاتے اُس چیز کی مانند پر جس پر تم ایمان لائے ہو، پھر بیشک اُنھوں نے راہ پائی، اور اگر پھرے تو اُسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہی مخالفت میں ہیں، پھر کافی ہوگا تیری طرف سے اُنکو اللہ اور وہ سننے والا ہی جاننے والا (۱۳۱)

میں نسخ کا ہونا قرار دیا ہے، اگرچہ اُنسے بھی نسخ کا ہونا ثابت نہیں ہوتا، جیساکہ ہم اُن دونوں آیتوں کی تفسیر میں لکھینگے، لیکن ہم اُنسے نہایت ادب سے پوچھتے ہیں، کہ آپنے اتحاد حیثیت کی شرط کو بھی ملحوظ فرمایا ہی یا نہیں۔ غالبا وہ فرماوینگے کہ نہیں، تو ہم اُنسے عرض کرینگے کہ حضرت ناسخ و منسوخ ہونیکا ثبوت بھی نہیں ✦ ایک اور بات قابل لکھنے کے ہی کہ حدیث یعنی قول و فعل آنحضرت صلعم کا حکم قرآنی کا ناسخ ہی یا نہیں۔ اسمیں علما کے مختلف قول ہیں، مگر جبکہ ہم قرآن سے قرآن کا حقیقتاً منسوخ ہونا نہیں تسلیم کرتے، تو حدیث سے اُسکا حقیقتاً منسوخ ہونا کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں، خواہ وہ حدیث خبر احاد کا درجہ رکھتی ہو، یا حدیث مشہور کا، یا لوگوں نے معناً یا لفظاً اُسکو متواتر کے درجہ تک سمجھا ہو، باقی رہا یہ کہ جسطرح لوگوں نے مجازاً ناسخ و منسوخ ہونے کا اطلاق کیا ہی اسطرح بھی ہم حدیث کو ناسخ قرآن سمجھتے ہیں یا نہیں تو ہم اسطرح بھی نہیں سمجھتے، بلکہ اُسکو حدیث کی نامعتبری کی وجہ قرار دیتے ہیں، ہاں احادیث صحیحہ کو جنکا درایتاً صحیح ہونا ثابت ہوگیا ہو بعنر قرآن سمجھتے ہیں ✦

۲۸ (وَاِذِ ابْتَلٰی)۔ اب خداتعالیٰ اُن بزرگیوں کا ذکر کرتا ہی جو حضرت ابراہیم کو دی تھیں، اور اُن تمام بزرگیوں میں سے جو حضرت ابراہیم کو دی گئی تھیں سب سے بڑی بزرگی وہ ہی جبکہ اُنھوں نے کہا، اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ، اسی نعمت کا خدا نے ذکر کیا ہی۔ کلمات کے لفظ سے عجائب صنع باری تعالیٰ مراد ہیں۔ حضرت ابراہیم ستاروں اور چاند اور

www.poetrymania.com©

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۲﴾	اللہ کا رنگ (رنگلو)، کون بہتر ہو اللہ کے رنگ سے، اور ہم اُسی کی عبادت کرنیوالے ہیں (۱۳۲)

سورج کو دیکھکر عجائب صنع باری تعالیٰ میں متحیر ہو گئے تھے، اور اُنہی پر خدا ہونے کا گمان کیا تھا، لیکن اُنھوں نے اُسکو غلط سمجھا اور پورے طور پر خدا پر یقین کیا۔ اُسی کی نسبت خدا نے فرمایا ،، فاتمھن ،،

کلمات کے لفظ سے ہم نے عجائب صنع الٰہی مراد لی ہے۔ یہ لفظ سورہ لقمان میں بھی آیا ہی جہاں خدا نے فرمایا ہی ،، مانفدت کلمات اللّٰہ ،، حاشیہ

تفسیر کبیر نے اُس مقام پر بھی عجائب صنع الٰہی مراد لی ہی اور یہ بہت درست ہے لفظ کلمہ اور کلمات کا استعمال اُن تمام چیزوں پر ہوتا ہے جنکو خدا نے پیدا کیا ہے

۱۱۹ (وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ) بعد اسکے کہ کعبہ بن گیا تمام لوگوں میں اُسکی تعظیم اور اُسکی زیارت کو آنا شایع ہو گیا تھا، اور ایک بہت بڑی تجارت گاہ بنگیا تھا اور تمام قوموں نے آپسمیں عہد کرلیا تھا کہ حج کے ایام میں قتل اور غارت اور خونریزی بند رہیگی، اور تمام لوگ جو مکہ میں آتے ہیں امن میں رہینگے۔ انہی دونوں باتوں کا خدا نے اُس مقام پر ذکر کیا ہے ✤

(وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى) ۔یعنی اختیار کرو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہہ۔ یہ ایک جملہ معترضہ واقع ہوا ہی، اور اُسکے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلعم پر ایمان لے آئے تھے .یعنی مسلمان کعبہ کو نماز کی جگہہ یعنی مسجد اختیار کریں۔ مقام ابراہیم کی نسبت مفسروں نے بہت بحث کی ہی، اور ایسے اقوال نقل کیئے ہیں جنکا کافی ثبوت نہیں ہی، مگر سیاق کلام سے جیسا کہ مجاہد کا بھی قول ہی پایا جاتا ہی ،، ان مقام ابراہیم ہو ضم کلیا ،، کہ مقام ابراہیم سے کوئی خاص مقام مراد نہیں ہی، بلکہ قول مجاہد ۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ سے کعبہ مراد ہی صفحہ ۷۱۹) ✤

www.poetrymania.com©

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۲﴾	کہہ (اے پیغمبر) کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو اللہ میں حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی، اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیئے تمھارے اعمال، اور ہم اسی کے مخلص ہیں (۱۳۲)

اس جملہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم کے زمانہ کا ذکر ہے، اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو اس گھر کے آنے والوں اور ٹھہرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لیئے ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے +

طائفین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کعبہ کی زیارت اور حج کو آویں، اور عاکفین سے وہ لوگ مراد ہیں جو وہاں رہتے ہوں، یا آکر سکونت اختیار کریں، اور رکّع السجود سے وہ لوگ مراد ہیں جو وہاں نماز پڑھیں +

(۲) (وَاِذْ یَرْفَعُ) کعبہ درحقیقت نماز پڑھنے کی جگہ یعنی مسجد ہے، جسکو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔ خود خدا نے اسکو مسجد کہا ہے جہاں فرمایا ہے، "انما المشرکین نجس فلا یقربوا المسجد الحرام"، اور جہاں فرمایا ہے، "لقد صدق اللہ الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ"، ابراہیم اور اسکی تمام اولاد اس مقام کو بیت اللہ کہا کرتے تھے اور اسیلئے کعبہ کو بھی بیت اللہ کہتے ہیں +

انسان کی ایک جبلی عادت ہے کہ ایک ایسے وجود کے لیئے جو نہ دکھائی دیتا ہے، نہ چھوا جاتا ہے، اور نہ سمجھ میں آتا ہے، اور بجز اسکے کہ ہے، اور کوئی خیال اسکی نسبت قائم نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی محسوس نشان قائم کرلیتا ہے، اور اس محسوس نشان کے ذریعہ سے اپنا عجز اور نیاز اس غیر محسوس و بیچون و بیچگون ذات کے سامنے ادا کرتا ہے۔ قدیم زمانہ کے لوگوں کو بالطبع ایسے نشان کے قائم کرنے کی زیادہ رغبت ہوتی تھی، اور یہی بات ہے جسکے سبب سے ہم قدیم سے قدیم قوموں کا اور وحشی سے وحشی لوگوں کا جب حال تحقیق کرتے ہیں، تو ان میں بت پرستی کے یعنی ایک شی

www.poetrymania.com©

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُسکے پوتے یہودی تھے یا عیسائی. کہدے (اے پیغمبر) کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ،

محسوس کے پوجنے کے آثار پائے جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال حضرت ابراہیم کے زمانہ تک معدوم نہیں ہوا تھا، اور اسی سبب سے حضرت ابراہیم بھی خدا کی عبادت کے لیئے ایک بن گڑھا پتھر کھڑا کر لیتے تھے، اور یہ رسم حضرت موسیٰ کے وقت تک قائم تھی۔ اس فعل میں جو انبیاء نے کیا، اور اُس فعل میں جو بت پرست کرتے تھے، فرق یہ ہے کہ بت پرست غیر خدا کے نام محسوس شے قائم کرکے پرستش کرتے تھے، اور اسلیئے وہ خدا کی پرستش نہ تھی، بلکہ اُس غیر خدا کی پرستش تھی جسکے نام سے وہ محسوس شے قائم کی تھی انبیاء نے جو محسوس شے قائم کی وہ خدا ہی کے نام پر قائم کی، اور خدا ہی کی پرستش کی نہ کسی غیر خدا کی، مگر مبارکی ہو اُسکو (یعنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) جسنے اُن تمام نشانوں کو مٹا دیا، اور اُس بے نشان کی عبادت کو بغیر کسی نشان کے قائم کیا، اور بحر و بر اور پہاڑ اور گھر اور مسجد سب میں یکساں خدا کی عبادت ہونا سکھا دیا، کوئی سمت خدا کی عبادت کے لیئے مخصوص نہیں کی، یہ سمجھنا کہ کعبہ کی سمت خدا کی عبادت کے لیئے مخصوص ہے محض غلطی ہے، اور بانی اسلام کی ہدایت کے خلاف، وہ سمت عبادت کے لیئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ ایک تمیز اور تفرقہ کے لیئے مخصوص ہے جسکو ہم آگے بیان کریں گے +

کتاب پیدایش باب ۱۲ ورس ۷ میں لکھا ہے کہ "تب خداوند نے ابراہیم کو دکھلائی دیکر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا، اور اُسنے وہاں خداوند کے لیئے جو اُسپر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا" — اور اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پھر وہاں سے

www.poetrymania.com©

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱۴۰)	اور کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جو چھپاوے گواہی کو جو اُسکے پاس ہے اللہ سے اور اللہ بیخبر نہیں ہے اُس سے جو تم کرتے ہو (۱۴۰)

ابراہیمؑ نے کوچ کیا اور آگے جاکر پھر ایک مذبح بنایا اور خدا کے نام سے یعنی خدا کے گھر کے نام سے اُسکو موسوم کیا +

اسی کتاب کے تیرھویں باب کی اٹھارہویں آیت میں ہے، کہ بلوطستان ممری میں ابراہیم جا رہا اور وہاں خداوند کے لیئے ایک مذبح بنایا +

ان تینوں آیتوں سے ثابت ہے، کہ خدا کے لیئے مذبح تعمیر کرنا اور خدا کے نام سے اُسکو پکارنا اور وہاں خدا کے نام پر قربانی کرنا حضرت ابراہیم کا طریقہ تھا +

یہ طریقہ اُنکی اولاد میں بھی جاری تھا، چنانچہ کتاب پیدائش باب ۲۶ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ ،، بیر شبع میں اسحاق پسر ابراہیم کو خدا دکھلائی دیا اور اُسنے وہاں مذبح بنایا اور خدا کے نام سے اُسکو موسوم کیا ،، +

اب ہمکو یہ بتانا رہا کہ یہ مذبح کسطرح بنایا جاتا تھا، اُسکی تفصیل بھی توریت مقدس میں موجود ہے +

کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ ،، اگر تو میرے لیئے پتھر کا مذبح بناوے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو کیونکہ اگر تو اُسے اوزار لگاویگا تو اُسے ناپاک کریگا ،، +

اور اسی کتاب کے باب ۲۴ ورس ۴ میں لکھا ہے کہ ،، اور موسیٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں اور صبح کو سویرے اُٹھا اور پہاڑ کے تلے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کی بارہ سبطوں کے عدد کے موافق بارہ ستون بنائے گئے ،، +

اور کتاب پیدایش باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ میں لکھا ہے کہ ،، یعقوب صبح سویرے اُٹھا اور اُس پتھر کو جسے اُسنے اپنا تکیہ کیا تھا لیکے ستون کے مانند کھڑا کیا اور اُسکے سر پر تیل ڈالا ،، اور اُسکا نام بیت ایل (یعنی بیت اللہ خدا کا گھر) رکھا ،، اور

www.poetrymania.com©

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ	یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، اُنکے لیئے وہ چیز ہے جو اُنھوں نے کمائی،

کہا کہ یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر یعنی بیت اللہ ہوگا،، ✣ جبکہ حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی سارہ کے کہنے سے اپنی دوسری بیوی ہاجرہ کو مع حضرت اسمٰعیل اپنے بیٹے کے جو ہاجرہ بیوی کے پیٹ سے تھے نکالدیا، اور وہ اُس کوہستان مکہ میں آکے ٹھہرے، تو حضرت ابراہیم نے اُنکی عبادت کے لیئے اُسی طرح جیسا کہ وہ کیا کرتے تھے ایک پتھر کھڑا کر کے مذبح بنایا ہوگا، جو اب ہم مسلمانوں میں حجر اسود اور یمین الرحمٰن کے نام سے مشہور ہی۔ اِس حجر اسود کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہی، کیونکہ وہ ایک جزو کعبہ کا ہو گیا تھا، مگر وہ ایک ایسی شے ہی جو اب تک موجود ہی؛ جہاں اسطرح پر مذبح بنایا جاتا تھا وہاں کوئی عمارت بنا دینے کا بھی دستور تھا، جسکا اشارہ توریت کی اُن آیتوں سے بھی پایا جاتا ہی جو ہمنے اوپر بیان کی ہیں۔ پس بعد اس مذبح بنانے کے حضرت ابراہیمؑ نے وہاں کعبہ بنایا، جو اب بیت اللہ کہلاتا ہی، اور اُسی کے ایک کونے میں وہ پتھر لگا دیا۔ اس آیت میں اسی تعمیر کا ذکر ہی ✣ اگرچہ ڈایوڈورس یونانی مؤرخ کی تاریخ میں کعبہ کا ذکر ہے، اور اُسمیں یہ بھی لکھا ہے کہ اُسکے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے، مگر بعض نا سمجھ آدمی یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ توریت میں کہیں اس مقام پر حضرت ابراہیم کے مذبح بنانے یا کعبہ کی تعمیر کرنیکا ذکر نہیں ہی، مگر اُنکا یہ اعتراض محض لغو اور بے بنیاد ہے، توریت میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جو مذکور نہیں حالانکہ اُنکا تاریخی ثبوت موجود ہی۔ اور توریت میں ذکر نہونے سے اُسکا عدم وقوع لازم نہیں آتا۔ اصل یہ ہی کہ توریت اور جو کتابیں کہ اُس سے متعلق ہیں، وہ خاص بنی اسرائیل کے حالات میں لکھی گئی ہیں، اسلیئے اُنمیں بنی اسمٰعیل کا وہاں تک کا ذکر ہے جہاں تک کہ بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے مشترک حالات رہے ہیں، اور جہاں

www.poetrymania.com©

وَلَکُمۡ مَّا کَسَبۡتُمۡ	اور تمھارے لیئے وہ چیز ہی جو تمنے کمائی،

بنی اسمٰعیل کے حالات علیحدہ ہوگئے ہیں وہانسے بنی اسمٰعیل کا ذکر ان کتابوں میں نہیں ہی، اِلّاماشاءاللہ کہیں کہیں کسی سبب اور کسی تعلق سے آجاتا ہی۔ مکہ میں بنی اسمٰعیل کے لیئے حضرت ابراہیم کا مذبح یا کعبہ بنانا بنی اسرائیل سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا، اور

مقامات مشہورہ مکہ معظمہ

مقامات میقات۔ ذوالحلیفہ۔ مدینہ منورہ کے رستہ پر۔

ذات عرق۔ عراق کے رستہ پر۔

جحفہ۔ شام کے رستہ پر۔

قرن۔ نجد کے رستہ پر۔

یلملم۔ یمن کے رستہ پر

حجراسود۔ کعبہ کے شرقی وشمالی کونے میں پتھر لگا ہوا ہے۔

مقام ابراھیم۔ عام لوگوں کے نزدیک وہ پتھر ہے جسپر حضرت ابراہیم نے کھڑے ہوکر کعبہ کی دیوار چنی تھی۔ اور جو پتھر خانہ کعبہ کے شمال میں لگا ہوا ہے اور اسپر ایک قبہ بنا ہوا ہے اور وہاں شافعی امام کھڑا ہوتا ہے اسی کو وہ پتھر بتاتے ہیں۔

صفا۔ کعبہ سے جنوب شرق میں ایک پہاڑی ہی اور اب اسپر آبادی ہوگئی ہے۔

مروہ۔ کعبہ سے شرق وشمال میں ایک چھوٹی پہاڑی ہی اب وہاں بھی آبادی ہے۔

منیٰ۔ کعبہ سے گوشہ شرق وشمال میں چار کوس کے فاصلہ پر ہے۔

عرفات۔ کعبہ سے جانب شرق آٹھ کوس کے فاصلہ پر ایک میدان ہی۔

مزدلفہ۔ کعبہ سے جانب شمال وشرق ایک میدان و پہاڑ ہے۔

زمزم۔ مشہور کنواں حرم کے اندر ہے۔

میزاب رحمت۔ کعبہ کے چھت کا پرنالہ ہے۔

www.poetrymania.com©

نقشہ کعبہ محترم یعنی مسجد الحرام

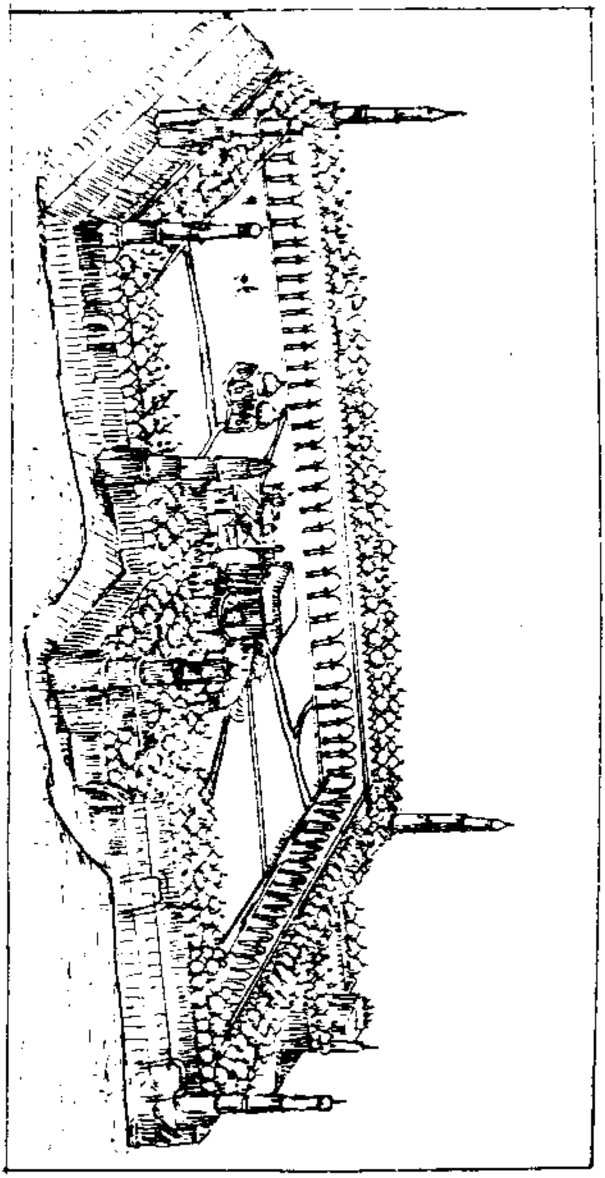

www.poetrymania.com©

وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۵﴾	اور تمسے اُسچیز کی پرسش نہوگی جو وہ کرتے تھے (۱۳۵)

اُن کتابوں میں اُسکا ذکر نہونے کی یہ کافی وجہ ہی۔ مگر ہر زمانہ کے عرب کی متواتر روایتوں سے جن سے کسی امر کے ثبوت میں کچھ شبہ نہیں رہتا، اور نیز غیر قوموں کی کتابوں سے، اور نیز قدیم جغرافیہ سے، اور خود مکہ کے گرد کی قدیم ویران بستیوں سے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹوں کے نام پر آباد ہوئی تھیں، کچھ شبہ نہیں رہتا کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہی ✤

حضرت ابراہیمؑ نے جب کعبہ بنایا تو صرف اُسکی دیواریں بنائی تھیں چھت اُسپر نہیں تھی۔ بنی جرہم کے زمانہ میں پہاڑی نالہ کے سبب حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا کعبہ ڈھے گیا، تب بنی جرہم نے اُسکو پھر تعمیر کیا۔ پھر وہ عمالیق کے زمانہ میں جو ایک قبیلہ بنی حمیر کا تھا ڈھے گیا، تب عمالیق نے اُسکو بنایا، پھر اُسمیں کچھ نقصان آگیا تو قصی نے اُسکو تعمیر کیا۔ پھر آگ لگنے کے سبب کعبہ جلگیا اور قریش نے اُسکو تعمیر کیا، اُس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو چکے تھے اور آپ کی عمر تخمیناً بارہ چودہ برس کی تھی۔ یزید کے زمانہ میں جب کعبہ پر فوج کشی ہوئی تو پھر کعبہ جلگیا، اور عبداللہ ابن زبیر نے اُسکو تعمیر کیا، مگر حجاج بن یوسف نے عبدالملک ابن مروان کے وقت میں عبداللہ بن زبیر کی عمارت کو ڈھا ڈالا، اور از سر نو اُسکو اُسی طرح پر بنا دیا جیسا کہ قریش کے زمانہ میں تھا، اور اب جو عمارت موجود ہی وہ حجاج بن یوسف کی بنائی ہوئی ہی مگر اُسکے گرد کی جو عمارتیں ہیں اور جو عمارات حرم کعبہ کہلاتی ہیں اُنکو بہت سے بادشاہوں نے بنایا ہی، اور وہ نہایت عالیشان عمارتیں ہیں، جیسے کہ نقشہ سے معلوم ہوتی ہیں ✤

(۲) (بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ) یہ جو خدا نے فرمایا کہ "اگر ایمان لائے اُسچیز کی مانند جسپر

www.poetrymania.com©

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ	اب کہینگے بیوقوف لوگ

تم ایمان لائے ہو،، اسپر علما و مفسرین نے بحث کی ہی کہ مانند سے کیا مطلب ہے، اور اسکا حل اسطرح پر کیا ہی کہ مانند کے لفظ سے کوئی دوسری چیز اُسکے مشابہ مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہی شے مقصود ہوتی ہی جیسکہ کوئی کہے کہ ایسا کرو جیسا کہ اُنھوں نے کیا ہی، تو اُس سے مقصود یہی ہوتا ہی کہ وہی کرو جو اُنھوں نے کیا ہی، مقصود صرف اسقدر ہی کہ خدا پر اور نبیا پر ایمان لانا ٹھیک ٹھیک ہدایت پانی ہی، اور اُسکے ماننے سے انکار کرنا مخالفت کرنی ہے۔

۱۳۲ (صبغۃ اللہ)۔ یہودی اور عیسائی دونوں میں اصطباغ کی رسم جاری تھی، ابتدا میں یہودیوں میں کسی بنا پر یہ رسم شروع ہوئی ہو، مگر کچھ شبہ نہیں ہی کہ بعد تباہی بیت المقدس کے یہودیوں میں یہ رسم مستحکم ہوگئی تھی، اور مذہب میں داخل ہونیکو عیسائی مذہب کے رو سے بھی اصطباغ لازمی قرار پایا تھا، خود حضرت عیسیٰؑ نے بھی حضرت یحییٰؑ سے اصطباغ لیا تھا، اِسمقام پر خدا نے فرمایا کہ خدا کا اصطباغ لو، اس سے بہتر کوئی اصطباغ نہیں، یعنی خدا پر دل سے جان سے روح سے یقین کرو، یہی خدا کا اصطباغ ہی، پس دین محمدیؐ میں اسلام میں داخل ہونیکو ظاہری اصطباغ موقوف ہوگیا اور روحانی اصطباغ قائم ہوا، اور صرف دل سے خدا پر اور اُسکی وحدانیت پر یقین کرنا ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنیکو کافی ہوا، جیسا کہ خدا کا اصطباغ دینے والا فرماتا ہی ،،ما من عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذٰلک الا دخل الجنۃ ،، اور اپنے خادم ابو ہریرہ سے کہا کہ ،، من لقیت یشہد ان لا الٰہ الا اللہ مستیقنا بہا قلبہ فبشرہ بالجنۃ،، پس دین محمدی میں یہی روحانی اصطباغ ہی جسمیں اصطباغ دینے والے کی ضرورت ہی، نہ پانی کی نہ رنگت کی، بلکہ صرف دل کا یقین کافی ہی، وھذا ھو صبغۃ اللہ ؃

۱۳۶ (سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ) اِس مقام سے تحویل قبلہ کا ذکر شروع ہوا ہی۔ مگر پہلے ہمکو یہ بات بتانی چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں قبلہ یا سمت قبلہ کا کیا حال تھا، اس امر کا بیان اِس بات پر موقوف ہی کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں

www.poetrymania.com©

مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۶﴾

کس چیز نے انکو پھیر دیا اُن کے قبلہ سے جسپر کہ وہ تھے کہہ (اے پیغمبر) اللہ ہی کے لیئے ہی مشرق اور مغرب ہدایت کرتا ہی جسکو چاہتا ہی سیدھے رستے کی (۱۳۶)

نماز کے کیا ارکان تھے۔ غالبًا اس نماز میں بھی رکوع وسجدہ ہو، مگر ہمارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں ہی کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں نماز کے بعینہ یہی ارکان تھے جو اب مذہب اسلام میں ہیں، نہ یہ ثابت ہی کہ اُس نماز میں جسیکہ وہ ہو اُسی طرح پر رکوع وسجدہ تھا جیسیکہ ہماری نماز میں ہی۔ بلکہ اگر اُس زمانہ کے حالات اور اُس زمانہ کی وحشی قوموں کی عبادت پر خیال کریں تو بجز اسکے اور کچھ نہیں پایا جاتا کہ وہ لوگ آپسمیں حلقہ باندھکر کھڑے ہوجاتے تھے، اور کودتے اور اُچھلتے تھے، اور وہ سارا حلقہ کا حلقہ اُسیطرح چکر کھاتا جاتا تھا، اور اُسی جوش وخروش میں بے خبر ہوجاتے تھے، اور سر ٹیک دیتے تھے، اور اُسکا نام پکارتے جاتے تھے یا اُسکی تعریف کے گیت گاتے تھے جسکی وہ عبادت کرتے تھے، اسی نماز کا نشان اسلام میں طریقۂ ابراہیمی پر موجود ہی، جسکا نام مذہب اسلام میں طواف کعبہ قرار پایا ہی۔ ابن عباس سے مشکوۃ میں روایت ہی کہ ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الطواف حول البیت مثل الصلوۃ الا انکم تتکلمون فیه فمن تکلم فیه فلا یتکلمن الا بخیر“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعبہ کے گرد طواف کرنا مثل نماز کے ہی، گو یہ طریقہ نماز کا وحشیانہ ہو مگر اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ حال کی مؤدب اور باوقار نمازوں سے زیادہ پُرجوش، اور زیادہ تر محبت معبود کا برانگیختہ کرنیوالا، اور معبود کے شوق کو زیادہ تر جوش میں لانیوالا، اور دل کو خالص اُسکی یاد میں مشغول کرنیوالا تھا۔ یہ حرکتیں انسان میں بالطبع مجنون کا سا تو تر پیدا کردیتی ہیں، اور جسطرح مجنون کسی بات میں مشغول ہو اُسیطرح خدا کی یاد میں انسان

www.poetrymania.com©

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴿١٣٧﴾ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٣٨﴾

اور (جسطرح کہ ہمنے تمکو سیدھے رستے کی ہدایت کی ہی) اُسیطرح ہمنے تمکو اچھی خصلت کی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہوا ور رسول تمپر گواہ ہو (۱۳۷) اور نہیں مقرر کیا ہمنے اُس قبلہ کو جسپر تو تھا بجز اسکے کہ ہم جان لیں اُس شخص کو جو پیروی کرتا ہی رسول کی اُس شخص سے جو پھر جاتا ہی اپنی ایڑیوں پر، اور البتہ (لوگوں پر) یہ بات بڑی دشوار ہی بجز اُن لوگوں کے جنکو اللہ ہدایت کرے، اور یہ نہیں ہے کہ اللہ ضایع کرے تمھارا ایمان، بیشک اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کرنیوالا ہی مہربان (۱۳۸)

کو مشغول کر دیتی ہیں، حضرت ابراہیم کے زمنہ میں جو طریقہ نماز کا ہوا اُس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہی کہ کوئی سمت قبلہ کی معین نہیں ہوتی، یہ تمام ذوق وشوق اور اچھل کود اُس شے کے گرد ہوتا تھا جسکو وہ بطور خدا کی نشانی کے قائم کرتے تھے۔ اسی قسم کی پرستش اب بھی بعضی بعضی وحشی قوموں میں پائی جاتی ہی۔ حضرت ابراہیم ؑ خدا کی نشانی کے لئے ایک بن گڑھا پتھر کھڑا کر لیتے تھے اور جو عبادت یا نماز ہوتی تھی وہ اُسی کے گرد ہوتی تھی، اسلئے حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کوئی خاص سمت قبلہ کا ہونا بجز اُس نشان کے جسکو وہ قائم کر لیتے تھے اور کچھ نہیں پایا جاتا ✦

حضرت ابراہیم کی اولاد کا حال جہانتک ہمکو ملا ہی اُس سے پایا جاتا ہی کہ وہ بھی کعبہ کی جانب کو سمت قبلہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ہر جگہ پتھر کھڑا کر کے اُسی کے گرد اُسی وحشیانہ طریقہ پر عبادت کرتے تھے، چنانچہ ارزقی نے کتاب اخبار مکہ میں لکھا ہے

ان بنی اسمٰعیل وجرھم من ساکنی مکۃ ضاقت علیھم مکۃ فتفسحوا فی البلاد والتمسوا المعاش لیزعمون

www.poetrymania.com©

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي
السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ
فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ
اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۱۳۹

البتہ ہمنے دیکھا تیرے منھ کا پھیرنا آسمان کی طرف پھر ہم تجھکو ایک قبلہ کی طرف پھیرینگے کہ تو اسکو پسند کریگا۔ پھر پھیر اپنا منھ مسجد حرام کی طرف، اور جہاں تم ہو پس پھیرو اپنے منھوں کو اسی کی طرف، اور بے شبہ جن لوگوں کو کتب دیگئی ہی البتہ جانینگے وہ حق ہی انکے پروردگار سے اور اللہ بیخبر نہیں ہی اس چیز سے جو وہ کرتے ہیں (۱۳۹)

ان اول ما كانت عبادة الحجارة في بني اسمعيل انه كان لا يظعن من مكة ظاعن منهم الا احتمل معه من حجارة الحرم تعظيما للحرم وصبابة بمكة وبالكعبة حيث ما حلوا وضعوه فطافوا به كالطواف بالكعبة حتى سلخ ذلك بهم الى ان كانوا يعبدون ما استحسنوا من الحجارة و اعجبهم من حجارة الحرم خاصة حتى خلفت الخلوف ونسوا ما كانوا عليه واستبدلوا بدين ابراهيم واسمعيل غيره وعبدوا الاوثان الخ - (صفحہ ۲۷)

کہ بنی اسمٰعیل اور جرہم جو مکہ میں رہتے تھے انکو گنجائش نہوئی تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں پھرے، پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ اولا پتھر کا پوجنا بنی اسمٰعیل میں اسطرح شروع ہوا کہ جب انمیں سے کوئی مکہ سے جاتا تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا، حرم کو بزرگ سمجھکر اور مکہ اور کعبہ کے شوق میں جہاں اترتے، تو اس پتھر کو رکھ لیتے، اور اسکے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے، پھر اسکی یہانتک نوبت پہنچگئی کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو حرم کا پتھر عجیب اور اچھا معلوم ہوتا اسکی عبادت کرتے اسیطرح پشتوں پر پشتیں گذر گئیں اور بھولگئی جو بات پہلی تھی اور ابراہیم اور اسمٰعیل کے دین کو بدلدیا اور بتوں کو پوجنے لگے +

اس سے صاف پایا جاتا ہی کہ اسمٰعیل اور جرہم کی اولاد میں پشت در پشت کبھی کعبہ کی جانب سمت قبلہ نہیں قرار پائی تھی، اور انکا طریقۂ عبادت ہی ایسا تھا کہ کوئی سمت قبلہ قرار ہی نہیں پا سکتی تھی۔ قرآن مجید میں بھی کہیں اسبات کا ذکر نہیں ہے

www.poetrymania.com©

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا
اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا
بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَ
لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ
مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور اگر تو ان لوگوں کے لیے جنکو کتاب دیگئی ہو
تمام نشانیاں لے آوے تب بھی تیرے قبلہ کی
پیروی نکرینگے، اور تو بھی اُنکے قبلہ کی پیروی کرنے
والا نہیں ہے، اور نہ اُن میں کے بعضے
پیروی کرنے والے ہیں بعضوں کے قبلہ کی،
اور اگر تو اُنکی خواہشوں کی پیروی کری بعد اسکے کہ
تجھکو علم آگیا ہی تو بیشک تو اُسوقت ہوگا ظالموں میں (۱۴۰)

کہ خدا نے اسمعیل یا اُسکی اولاد کے لیئے کعبہ کو سمت قبلہ مقرر کرنیکا حکم دیا تھا زمانہ جاہلیت میں جبکہ عرب کی قوم نے کعبہ میں بت رکھدیئے تھے اُس زمانہ میں بھی جو کچھ اُنکی پوجا ہوتی ہوگی وہ کعبہ میں ہوتی ہوگی، لیکن یہ بات کہ جب وہ کعبہ سے دور چلے جاتے تھے اور اور مقاموں میں ہوتے تھے جب بھی کعبہ کی طرف مُنہ کرکے پوجا کرتے تھے کیسطرح ثابت نہیں +

بنی اسرائیل میں جب بیت المقدس کی تعمیر ہوگئی تو وہ بھی بطور ایک مسجد کے بنائی گئی تھی، اور تمام رسومات عبادت کی جو کچھ کہ بنی اسرائیل ادا کرتے تھے اُسی معبد یا مسجد میں ادا کرتے تھے۔ مگر اس زمانہ تعمیر بیت المقدس میں اُنکے وحشیانہ طریق عبادت یا نماز میں کافی اصلاح ہوگئی، اور ایک باقاعدہ ارکان نماز کے جسمیں قیام اور رکوع بھی تھا قرار پائے۔ ہمکو عہد عتیق کی کوئی آیت ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ خدا نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم بیت المقدس سے دور ہو تو اُسکی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھا کرو۔ مگر جبکہ بنی اسرائیل کی نماز ایک باقاعدہ ہوگئی تھی، اور اُسکے ادا کرنے میں کسی نہ کسی طرف مُنہ کا ہونا ایک لازمی امر تھا، اسلیئے بالطبع بنی اسرائیل اس بات پر مائل ہوئے ہونگے کہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھیں، اور اسطرح پر بیت المقدس اُنکا سمت قبلہ قرار پاگیا +

www.poetrymania.com©

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾	وہ لوگ جنکو ہمنے کتاب دی ہو اُسکو پہچانتے ہیں جسطرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ہاں اُنمیں سے ایک فریق البتہ چھپاتا ہی حق کو اور وہ جانتے ہیں (۱۴۶) حق (بات) ہی تیرے پروردگار (کی طرف) سے ہی پھر تو مت ہو شک کرنے والوں میں (۱۴۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت قریب تیرہ برس کے مکہ میں تشریف رکھی۔ اس بحث کو چھوڑ دو کہ نماز پنجگانہ فرض ہو چکی تھی یا نہیں، اور جو ارکان نماز کے بالفعل مسلمانوں میں مقرر ہیں وہ مقرر ہو چکے تھے یا نہیں، مگر اسمیں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُس زمانہ دراز میں بھی کوئی طریقہ عبادت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اختیار کیا تھا۔ خواہ وہی ارکان نماز کے اختیار کیے ہوں جو بالفعل موجود ہیں خواہ بعد کو اُن میں کچھ اصلاح ہو گئی ہو، لیکن یہ بات ثابت نہیں ہی کہ ایسی حالتوں میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے بعید ہوں تو اُنھوں نے نماز یا عبادت ادا کرنے میں کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کرنا بطور ایک امر لازمی کے جس سے ثبوت سمت قبلہ کا ہو اختیار فرمایا ہو، بلکہ ہر طرح قرینہ و قیاس اِس بات کا مقتضی ہی کہ جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تشریف رکھی کوئی سمت قبلہ اختیار نہیں کی ✝

جبکہ حضرتؐ مکہ سے مدینہ میں تشریف لیگئے جہاں یہودی کثرت سے تھے، اور اُنکی نماز بھی قریباً قریباً اُسی قسم کی تھی جیسی کہ مسلمانوں کی تھی، تو بالطبع آنحضرت کو اُسی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کی رغبت ہوئی جسطرف کہ یہودی متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ بلاشبہ مشرکین کو یہ امر شاق گذرا ہو گا، لیکن بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے میں ایک بڑی حکمت یہ تھی کہ مشرکین میں سے جو لوگ منافق تھے وہ اصلی ایمان والوں سے بالکل ممیز ہو جاتے تھے۔ یہی بات خدا تعالیٰ نے بھی فرمائی ہی کہ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی

www.poetrymania.com©

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا
يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۴۳) وَمِنْ حَيْثُ
خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱۴۴)

اور ہر ایک سمت کے لیئے ایکطرف ہی کہ وہ اُسطرف
مُنہ کرتا ہے، پس تم دوڑ کر بھلائی کو لو جہاں
کہیں تم ہوگے تمکو اللہ لے آویگا اکٹھا، بیشک
اللہ ہر چیز پر قادر ہی (۱۴۳) اور جہاں کہیں
تم جاؤ پھر اپنا منہ کو مسجد الحرام کی طرف پھیرو،
اور بیشک وہی حق ہی تیرے پروردگار کی طرف سے
اور اللہ بیخبر نہیں ہی اُس چیز سے جو تم کرتے ہو (۱۴۴)

عقبیہ، یعنی ہمنے اُس قبلہ کو جسپر تو تھا بجز اس مطلب کے اور کسی لیئے نہیں مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں اُس شخص کو جو پیروی کرتا ہی رسول کی اُس شخص سے جو پھر جاتا ہی اپنی ایڑیوں پر ۔

مدینہ میں اور اُسکے گرد نواح میں کثرت سے یہودی رہتے تھے، اور اُنھوں نے بھی اسلام کی طرف رغبت ظاہر کی، چندنے دل سے اسلام کو برحق جانا۔ اور بہت سے ایسے تھے جو بطور منافقوں کے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے، پس جو ضرورت منافقین مشرکین کو اصلی ایمان والوں سے ممیز کرنے کی پیش آئی تھی۔ وہی ضرورت منافقین یہود کو اصلی ایمان والوں سے ممیز کرنے کی پیش آئی۔ ہر ایک شخص ظاہر داری کے لیئے دوسرے مذہب کی جسکو کہ وہ حق نہیں سمجھتا چھوٹی باتوں میں منافقانہ طور پر شریک ہوسکتا ہی لیکن کسی ایسی بات میں جو ایک امر عظیم ہو اور امر خاص عبادت سے علاقہ رکھتا ہو، اور ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں داخل ہونے کی بطور ایک نشانی کی ہو، اُسکو بطور ایک نفاق کے ادا کرنے سے بالطبع نفرت اور پرہیز کرتا ہے، اور جبتک کہ دل ہی سے اُس دوسرے مذہب کو نہ قبول کرلیا ہو اُسوقت تک اُسکو ادا نہیں کرتا۔ اسلیئے آنحضرت صلعم کو فکر ہوئی کہ سمت قبلہ کو تبدیل کیا جائے، اور اُسپر خدا سے وحی آئی کہ کعبہ کی طرف سمت قبلہ بدل دو، اُسی کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہی "قد نری تقلب وجہک"

www.poetrymania.com©

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۱۴۵	اور جہاں کہیں تم جاؤ پھر پھیرو اپنے منھ کو مسجد الحرام کی طرف اور جہاں کہیں تم ہو پھر پھیرو اپنے منھوں کو اُسی کی طرف تاکہ نہو لوگوں کو تمپر کچھ حجت، بجز اُن لوگوں کے جنھوں نے اُنمیں سے ظلم کیا ہی پس اُنسے مت ڈرو اور مجھسے ڈرو، اور تاکہ پوری کروں میں تمپر اپنی نعمت۔ اور تاکہ تم ہدایت پاؤ (۱۴۵)

فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضٰھا فول وجھک شطر المسجد الحرام،، یعنی ہمنے دیکھا تیرا منھ کا پھیرنا آسمان کی طرف پھر ضرور ہم تجھکو ایک ایسے قبلہ کی طرف پھیر دینگے جسکو تو پسند کریگا، پس پھیرا اپنا منھ مسجد حرام کی طرف۔ بیت المقدس اور بیت الحرام دونوں مسجدیں تھیں، اور دونوں میں سے کسی طرف منھ کرکے نماز پڑھنا برابر تھا مگر ایسا کرنے سے منافقین یہود کی اصلی ایمان والوں سے تمیز ہوگئی، یہ امر ایک ایسا تمیز قرار پایا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ،، من استقبل قبلتنا فھو مسلم ،، یعنی جس شخص نے کہ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہی، اور درحقیقت یہ امر ایسا ہی کہ جبتک کوئی یہودی دل سے مسلمان نہ ہوگیا ہو بیت المقدس چھوڑ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے پر بالطبع اسکو جرأت نہیں ہوسکتی +

اسی نشان کے قائم اور مستحکم رہنے کو خدا نے یہ حکم دیا کہ جہاں کہیں تم ہو اور جہاں کہیں جاؤ تو کعبہ ہی کی طرف منھ کرکے نماز پڑھو، مگر سمت قبلہ قرار دینے میں ایک بڑا نقص یہ لازم آتا ہے کہ لوگوں کے خیال میں یہ بات جمتی ہے کہ اُس سمت کو یا اُس مکان کو جو سمت کے لیئے مخصوص کیا گیا ہو خدا کی ذات سے کوئی خاص خصوصیت ہی، اور اُس سمت میں یا اُس مکان میں بتخصیص خدا ہی۔ اس خیال کے باطل کرنے کو صاف صاف ہدایتیں خدا نے تحویل قبلہ کے ساتھ ہی ساتھ

www.poetrymania.com©

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا
مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ
يُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۱۴۶)
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا
لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (۱۴۷)

جسطرح کہ ہمنے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا
ہے سُناتا ہے تمکو میری نشانیاں، اور تمکو پاک
کرتا ہے، اور تمکو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور
وہ ہر چیز تمکو سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے (۱۴۶)
پھر مجھکو یاد کرو میں تمکو یاد کروں گا. اور
میرا شکر کرو اور ناشکری مت کرو (۱۴۷)

بتلاویں، جہاں فرمایا کہ "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" یعنے خدا کے لیئے ہی مشرق اور مغرب. پس جدھر منھہ کرو پھر اُودھر ہی خدا کا منھہ یعنے اُسکی ذات ہے۔ اس ہدایت نے صاف صاف لوگوں کو شرک سے نجات دی، اور جسطرح کہ مشرکین اپنے بتوں یا معبودوں کو سمت قبلہ بناتے ہیں، اور جسطرح کہ مسلمانوں نے سمت قبلہ ٹھیرایا ہے اُن دونوں کے فرق کو بخوبی سمجھا دیا ہے، اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مشرکین کی سمت قبلہ اور مسلمانوں کی سمت قبلہ میں کیا فرق ہے مسلمانوں کے مذہب کے مطابق کوئی خصوصیت یا وقعت بیت المقدس یا بیت الحرام کو قبلہ ہونیکے لیئے نہیں ہے بجز اسکے کہ وہ صرف ابتدائً واسطے تفریق درمیان منافقین اور مومنین کے ٹھیرایا گیا اور انتہائً بطور مسلمانوں کی ایک نشانی کے قرار پایا + کعبہ کی طرف منھہ کرکے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔ جو احکام اسلام میں ہیں لوگ اُنکو بخوبی نہیں سمجھتے۔ اس بات میں تو بہت لوگوں نے کوشش کی ہے کہ کونسا حکم فرض ہے، اور کونسا واجب، اور کونسا سنت، اور کونسا مستحب، جو صرف ایک فرضی یا خیالی یا اصطلاحی امور ہیں، اور اس تفریق کو اصل مذہب اسلام سے کچھہ چنداں تعلق نہیں ہے اسلام کی حقیقت اور اُسکے اسرار جاننے والے کو صرف اُسی تفریق کا جاننا کافی نہیں ہے، بلکہ اُسکو اِس امر کا جاننا اور اِس امر کا تحقیق کرنا ضرور ہے کہ درحقیقت اصلی احکام اسلام کے جنپر اسلام قائم ہے کونسے ہیں اور اُنکے سوا کون سے +

www.poetrymania.com©

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٨﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا
لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٤٩﴾
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ
الْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ
وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو مدد چاہو صبر کرنے
سے اور نماز پڑھنے سے، بیشک اللہ تعالیٰ صبر
کرنیوالوں کے ساتھ ہے (۱۴۸) اور مت کہو ان
لوگوں کو جو مارے جاویں اللہ کی راہ میں مُردے
بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے (۱۴۹)
اور ہم تمہارا امتحان کرینگے ایک چیز سے۔ ڈر اور
بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے
نقصان سے اور خوشخبری دے صبر کرنیوالوں کو (۱۵۰)

بالفعل مذہب اسلام جو ایک مجموعہ حقیقی اور فرضی یا واقعی اور قیاسی یا اجتہادی اور استنباطی احکام کا گنا جاتا ہے وہ دو قسم کے احکام پر منقسم ہو سکتا ہے۔ اول حقیقی اور واقعی۔ دوم فرضی اور قیاسی اور اجتہادی اور استنباطی پچھلی قسم کو مذہب اسلام کے احکام قرار دینا صرف ایک فرضی یا اصطلاحی بات ہے اور صرف اسوجہ سے کہ ائمہ اسلام اور علماء اعلام نے انکو استخراج کیا ہے احکام اسلام کا بطور ایک اصطلاح کے اُنپر اطلاق ہوتا ہے، ورنہ درحقیقت وہ اصلی احکام مذہب اسلام کے نہیں ہیں ہر شخص کو اختیار ہے کہ اُن احکام کو تسلیم کرے خواہ نکرے، دونوں حالتوں میں اسکے اسلام میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگر درحقیقت وہ واقعی اصلی احکام اسلام کے ہوتے تو اُنکے نماننے سے اسلام سے خارج ہونا ایک امر لازمی ہوتا۔ جہانتک کہ خرابیاں مذہب اسلام میں مخالفین بیان کرتے ہیں وہ اسی غلطی پر مبنی ہیں کہ اُنھوں نے اُن احکام اور مسائل کو جنکو علما اور ائمہ نے استنباط اور استخراج کیا ہے جزو اسلام سمجھا ہے، حالانکہ اسلام کو اُنسے کچھ علاقہ نہیں۔ اگر وہ صحیح اور ٹھیک ہیں فھو المراد، اور اگر انمیں کوئی غلطی اور خطا ہے تو وہ اُنکی ہے جنھوں نے اُنکو استخراج کیا ہے، نہ مذہب اسلام کی۔ ہمارا مقصد اس بیان سے کسی عالم یا امام کی حقارت کرنیکا، یا کسی شخص کی جو اُنکی پیروی

www.poetrymania.com©

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥١﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٢﴾

وہ لوگ جب انکو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ کے لیئے ہیں، اور ہم اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (۱۵۱) یہی لوگ ہیں کہ اُنپر اُنکے پروردگار کی طرف سے درود اور رحمت ہی، اور وہی لوگ ہدایت پائے ہوئے ہیں (۱۵۲)

کرتا ہے تحقیر کرنے کا، یا اُسکو بُرا جاننے کا نہیں ہی۔ بلکہ صرف احکام اصلی اور استخراجی میں فرق بتانا۔ اور اُن لوگوں کو جو حقائق یا اسرار اسلام پر غور کرنا، یا مخالفین اسلام کو جو اُسپر اعتراض کرنا چاہتے ہیں حقیقت احکام اور تفرقہ اُن دونوں قسم کے احکام میں بتانا مقصود ہے، تاکہ پہلے تحقیق حقائق یا اسرار اسلام میں اور پچھلی غلط بنا پر اعتراض کرنے میں غلطی نہ کریں ✤

پہلی قسم البتہ بیان کے لائق ہی۔ مذہب اسلام میں جو اصلی اور واقعی احکام ہیں وہ دو قسم ہیں، ایک اصلی اور دوسری محافظ احکام اصلی، جسکو ہم اس زمانہ میں قانون اور ضابطہ کارروائی سے اصطلاح قانونی میں تعبیر کرتے ہیں۔ مذہب اسلام کے احکام اصلی جسقدر ہیں اُنہی پر اسلام کی بنیاد قائم ہی اور اُن میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہی جو قانون قدرت اور انسان کے نیچر کے برخلاف ہو، بلکہ اُنپر غور کرنے سے اس بات پر یقین ہوتا ہی کہ مذہب انسان کے لیئے بنایا گیا ہی نہ انسان مذہب کے لیئے۔ احکام محافظ سے صرف اُن احکام اصلی کی حفاظت مقصود ہے، اور وہ خود مقصود بالذات نہیں ہیں۔ یہ احکام ایک ایسی عام قاعدہ پر صادر ہوئے ہیں جو قریباً کل افراد کے مناسب حال ہیں، اور ممکن ہی کہ کسی شاذ و نادر فرد کے مناسب حال نہوں، مگر ایسا ہونا اُن احکام کے نقصان کا باعث نہیں ہی، کیونکہ تمام احکام عام کا یہ خاصہ ہی کہ قریباً کل افراد کے مناسب

www.poetrymania.com©

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿۱۵۴﴾

بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پھر جسنے حج کیا خانہ کعبہ کا یا عمرہ ادا کیا پھر اُسپر گناہ نہیں ہے کہ اُن دونوں کا طواف کرے، اور جسنے اپنی خوشی سے ادا کیا نیکی کو پھر بیشک اللہ شکر کرنیوالا ہے جاننے والا (م ۱۵) ہاں جو لوگ کہ چھپاتے ہیں اُس چیز کو جو ہمنے اُتاری ہے نشانیاں اور ہدایت سے بعد اُسکے کہ ہمنے اُسکو لوگوں کے لیئے کتاب میں بیان کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں کہ اُنپر خدا لعنت کرتا ہے اور اُنپر لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے (م ۱۵)

حال ہوتے ہیں، گوکہ کوئی شاذ و نادر فرد ایسے بھی نکلتے ہیں کہ اُسکے مناسب حال نہوں، مگر اس مطلب سے کہ قاعدہ کلیہ ٹوٹنے نپائے تمام افراد کیساتھ یکساں عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

احکام محافظ کی نسبت کسی نیچرل کا کوئی اعتراض کرنا، اور اُنکی نسبت اس بحث کا پیش کرنا کہ اُن میں نیچر کی کیا مطابقت ہے، اور اُن احکام کو قانون قدرت سے کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ ایک محض بیوقوفی کا اعتراض ہوگا۔ کیونکہ وہ احکام بالذات اس اعتراض اور بحث کے کہ وہ نیچر کے مطابق ہیں یا نہیں مورد نہیں ہوسکتے، بلکہ اُنپر یہ بحث ہوسکتی ہے کہ آیا وہ احکام اُن اصلی احکام کے جو بالکل قانون قدرت کے مطابق ہیں محافظ ہیں یا نہیں۔ اگر اُنکا محافظ ہونا ثابت ہو تو وہ بھی ضمناً داخل احکام اصلی اور مطابق قوانین قدرت اور صحیح تصور ہونگے، اور اگر اُنسے اُن اصلی احکام کی محافظت ثابت نہو تو بلاشبہ وہ غلط ہونگے۔

ہاں ایک بحث اُنپر اور ہوسکتی ہے کہ جو طریقہ اُن احکام اصلی کی حفاظت کا احکام محافظ میں قرار دیا ہے مثل اُسکے دوسرا طریقہ بھی حفاظت کا موجود تھا، حالانکہ اُسکے

www.poetrymania.com©

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۸﴾	بجز اُن لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی اور نکوکاری اختیار کی اور ظاہر کردیا، پھر وہی لوگ ہیں کہ میں اُنکو معاف کرونگا، اور میں بڑا معاف کرنیوالا ہوں مہربان (۱۵۵) ہاں جو لوگ کافر ہوئے اور مرگئے اور وہ کافر ہے، وہی ہیں کہ اُنپر اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے (۱۵۶) ہمیشہ اُسی میں رہینگے نہ اُنپر سے عذاب کی تخفیف ہوگی اور نہ اُنکو مہلت دی جاویگی (۱۵۷) اور تمھارا خدا خدائے واحد ہے نہیں کوئی خدا بجز اُسکے بخشنے والا ہے مہربان (۱۵۸)

ترک اور اُسکے اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ اُن احکام اصلی کی حفاظت کا دوسرا طریقہ اُس سے بھی اچھا موجود تھا۔ پہلا شبہ اگر وہ تسلیم بھی کرلیا جاوے تو بھی لغو اور مہمل ہوگا، کیونکہ یہ شبہ بطور ایک شبہ عامۃ الورود کے ہوگا جسکو تمام عقلا لغو اور بیہودہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اگر بالفرض دو مساوی چیزوں میں سے ایک کے ترک اور ایک کے اختیار کی کوئی وجہ نہو تو جو شبہ اُسپر وارد ہوتا ہے وہی شبہ اُسوقت بھی وارد ہوگا جبکہ مختار کو ترک اور متروک کو اختیار کیا جاوے۔ دوسرا شبہ اگر وارد ہو تو البتہ تسلیم کے قابل ہوگا، لیکن ہمارا دعوی یہ ہے کہ مذہب اسلام میں جو طریقہ حفاظت احکام اصلی کا قرار دیا گیا ہے اُسکے مساوی بھی کوئی اور طریقہ اُنکی حفاظت اصلی کا نہیں ہے، چہ جای اسکے کہ اُس سے افضل کوئی طریقہ دوسرا ہو +

ہم اس مطلب کو دو ایک مثالوں سے سمجھاتے ہیں مثلاً نماز۔ قرآن مجید میں صرف نماز کا مقرر ہونا آیا ہے۔ اصلی حکم خدا کا اُس سے صرف اُسکے بندہ کا خدا کی طرف

www.poetrymania.com©

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ
مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ
دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۵۹﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور
رات اور دن کے اختلاف میں، اور کشتی میں جو
دریا میں چلتی ہے جو نفع پہنچاتی ہے آدمیوں کو، اور
اُس چیز میں جسکو اللہ نے آسمان سے اُتارا ہے یعنی پانی
پھر زندہ کر دیا اُس سے زمین کو اُسکے مرنے کے بعد اور
پھیلا دیئے اُسمیں ہر طرح کے چلنے والے جانور، اور
ہواؤں کے چلانے میں، اور بادلوں کے آسمان اور زمین کے
درمیان تابعدار کرنے میں، البتہ نشانیاں ہیں اُن
لوگوں کے لیئے جو سمجھتے ہیں (۱۵۹)

خلوص اور خضوع اور خشوع سے متوجہ ہونا، اور عجز عبدیت کا ظاہر کرنا، اور شان خالقیت کا تسلیم کرنا، اور اُسکے سامنے اپنے تئیں عاجز اور ذلیل اور مسکین بنانا ہے، ارکان نماز کے جو قرار دیئے گئے ہیں وہ اُس تمام خضوع و خشوع ظاہری اور باطنی کے محافظ ہیں پس اِن احکام محافظ پر یہ اعتراض کرنا کہ نماز میں اُٹھنا اور بیٹھنا اور سر ٹیکنا نیچر کے برخلاف ہے ایک بیوقوفی کا اعتراض ہے کیونکہ اِن احکام میں ایک یہ بات دیکھنی ہے کہ درحقیقت وہ اُس اصلی حکم کے محافظ ہیں یا نہیں ؛

ان احکام اصلی اور احکام محافظ کا تفرقہ ایسے مقام پر بخوبی واضح ہو جاتا ہے جبکہ کوئی حکم احکام محافظ میں سے ساقط ہو جاتا ہے، اور اُسکا سقوط ثابت کرتا ہے کہ وہ اصلی حکم نہیں تھا، جیسے نماز میں قیام اور قعود اور رکوع اور سجود اور قرأت، یہ سب احکام محافظ ہیں، جب انسان انپر قادر نہیں ہوتا تو کسی کا ادا کرنا بھی اُسپر لازم نہیں ہوتا برخلاف اُس اصلی حکم نماز کے کہ وہ کسی حالت میں انسان سے جبتک کہ اُسپر مکلف ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے ساقط نہیں ہوتا۔ اس سے جو تمیز کہ ان دونوں قسم کے احکام میں ہے وہ بخوبی واضح ہوتی ہے، یا مثلاً اسلام نے ایک اخلاقی امر کی نسبت یہ حکم دیا ہے

www.poetrymania.com©

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۰﴾	اور لوگوں میں سے کوئی ٹھیراتا ہے اللہ کے سوا اللہ کی مانند، محبت کرتے ہیں اُن سے اللہ کی محبت کے مانند اور جو لوگ ایمان لائے ہیں بہت زیادہ ہیں اللہ کی محبت میں، اور اگر کوئی دیکھے اُن لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ہے جبکہ وہ عذاب کو دیکھینگے، تو جانیگا کہ بیشک ساری طاقت اللہ کے لیئے ہے، اور بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (۱۶۰)

کہ جو عورت کہ اُسکا خاوند مرجاوے یا اُسکو طلاق دے تو اُسکو دوسرا شوہر کرنے میں اسقدر توقف کرنا چاہیئے جس سے معلوم ہوجاوے کہ وہ اُس شوہر سے حاملہ ہے یا نہیں، اور اِس امر کے دریافت کرنے کو ایک میعاد مقرر کی ہے جو عورتوں کے نیچر سے مناسبت رکھتی ہے۔ یہ حکم احکام محافظ میں سے ایک حکم ہوگا، اور بلاشبہ ایسی عورت کے جنے اُس مدت سے بھی زیادہ عرصے اپنے شوہر سے مقاربت نہ کی ہو مناسب حال نہوگا مگر یہ حکم تمام افراد سے اور دوسرے عمل کے اسلیئے متعلق ہوگا کہ عام قاعدہ جو اکثر افراد سے متعلق ہے ٹوٹنے نہ پائے۔ پس اس حکم محافظ پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ قانون قدرت کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم اُس قانون قدرت کا محافظ ہے جس سے اولاد کو لینی باپ کا اور باپ کو اپنی اولاد پر قانون قدرت کے موافق حقوق حاصل ہوتے ہیں +

مگر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اگرچہ احکام اصلی اور احکام محافظ اپنی اصلیت میں مختلف درجہ اور حقیقت رکھتے ہیں، لیکن عملاً دونوں کا درجہ برابر ہے، اور اسلیئے جسطرح احکام اصلی کی تعمیل لازم ہے اُسیطرح احکام محافظ کی بھی تعمیل لازم ہے، کیونکہ وہ دونوں لازم و ملزوم یا موقوف و موقوف علیہ ہیں، اور اسلیئے عملاً دونوں میں کچھ فرق نہیں ؛

نماز میں سمت قبلہ کوئی حکم اصلی مذہب اسلام کا نہیں ہے، اور اسلیئے ایک ادنیٰ سی عذر پر ساقط ہوجاتا ہے، مثلاً سمت مشتبہ ہونے پر، سہواً کسی دوسری سمت نماز پڑھ لینے پر،

www.poetrymania.com©

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

جب بیزار ہوجائینگے وہ لوگ جنکی پیروی کی گئی تھی اُن لوگوں سے جنھوں نے پیروی کی تھی، اور دیکھینگے عذاب کو اور کٹ جاوینگے اُنکے تعلق (۱۶۶) اور کہینگے وہ لوگ جنھوں نے پیروی کی تھی کاش ہمارے لیئے دوبارہ جانا ہو تو ہم بیزار ہوں گے اُنسے جسطرح کہ وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں، اسطرح انکو دکھادیگا اللہ اُنکے اعمال پشیمانیاں (ہوں گی) اُنپر اور وہ آگ سے نکلنے والے نہونگے (۱۶۷)

بعض صورتوں میں گھوڑے کی سواری پر، دریا کے سفر میں، اور اس چودھویں صدی نبوی میں ریل کے سفر میں اور علیٰ ہذا القیاس۔ مگر چونکہ یہ حکم بطور ایک نشان اور تمیز اُن لوگوں کے قرار دیا گیا ہے جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے، اسلیئے اسکا بھی بجالانا مثل احکام اصلی کے ضرور ہوگا، اور قصداً ترک نہ کیا جائیگا، مگر اُن لوگوں پر تعجب ہوگا جو غلبۂ اوہام سے سمت قبلہ کے لیئے دوپہر میں باہر نکلکر سورج کو دیکھتے پھرتے ہیں کہ کسطرف سے نکلا تھا اور کسطرف ڈوبے گا، اور اپنی جیبوں اور تسبیحوں میں قطب نما یا قبلہ نما رکھے یا لٹکائے پھرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ٹھیک ہماری ناک کعبے کے سامنے ہوجائے اور اسی میں ایک بڑا ثواب اور ٹھیک ٹھیک نماز کا ادا کرنا سمجھتے ہیں۔

سمت قبلہ کی تحویل پر یہودی جو طعنہ دیتے تھے اُسکا ذکر بھی خدا نے اس مقام پر کیا ہے اور اُنکی نادانی کو بتلایا ہے کہ باوجود اس بات کے جاننے کے کہ تحویل قبلہ ٹھیک ہی، پھر اُسپر طعنہ کرتے ہیں، جہاں فرمایا ہے کہ ,, یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم،، یعنے یہودی تحویل قبلہ کا حق ہونا ایسا ہی جانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، ,,یعرفونہ،، میں جو ضمیر ہے اُسکی نسبت مفسروں میں اختلاف ہے، اکثر نے اسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ یہودی توریت کی بشارت

www.poetrymania.com©

يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اے لوگوں کھاؤ اُسمیں سے جو زمین میں ہے حلال پاکیزہ اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بے شک وہ تمھارے لیے دشمن ہے علانیہ (۱۶۳) اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ تمکو حکم کرتا ہے بُرائی کا اور بیحیائی کا اور اِس بات کا کہ تم کہو اللہ پر وہ کچھ جو تم نہیں جانتے (۱۶۴)

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا ایسا ہی یقینی جانتے تھے جیسیکہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے تھے۔ اور ابن عباس اور قتادہ اور ربیع اور ابن زید کا یہ قول ہے کہ "یعرفونہ" کی ضمیر امر قبلہ کی طرف راجع ہے، اور یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے اسلیئے کہ یہاں اول سے آخر تک امور متعلق قبلہ کا ذکر ہے، نہ آنحضرت کے نبی ہونیکی بشارات کا +

توریت میں حضرت ابراہیمؑ کا اور حضرت اسمٰعیلؑ کا اور انکے فاران میں یعنی حجاز میں آباد ہونے کا ذکر موجود ہے، جسپر یہودی مذہبی اعتقاد سے بھی یقین رکھتے تھے، یہودی توریت کی رو سے اِس بات کو بھی یقینی جانتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ عبادت کے لیئے مذبح قائم کرنے اور بیت ایل یعنی بیت اللہ بنانیکا تھا، اُنکو اپنی قومی اور پشتینی روایتوں سے یقین کامل تھا کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا بیت اللہ ہے، اور من وجہ بیت المقدس سے ترجیح رکھتا ہے، اور اُسکی طرف سمت قبلہ ہونا عین حق اور درست ہے، انہی وجوہ پر خدا نے فرمایا کہ "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" اور یہی وجہ اُنکے الزام کی ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے جاننے کے حق بات کو چھپاتے ہیں، اور پھر تحویل قبلہ پر طعنہ دیتے ہیں +

یہ سب باتیں جو ہمنے بیان کیں ایسی صاف و صریح ہیں کہ ہر شخص جو قرآن مجید کی سیاق و سباق عبارت پر غور کریگا بلاشبہ اُنکو تسلیم کریگا +

(۱۴۹) (وَلَا تَقُوْلُوْا) اس آیت سے پہلے اور اسکے بعد بھی خدا تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے شدائد پر صبر کرنے کی ہدایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے

www.poetrymania.com©

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ
اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ
كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا
يَهْتَدُوْنَ (۱۶۵) وَمَثَلُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ
الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ
اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ (۱۶۶)

اور جب اُن سے کہا جاوے کہ پیروی کرو اُسکی جو اللہ
نے اُتارا ہے تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم
پیروی کرینگے اُس چیز کی جس پر ہمنے اپنے باپ دادا
کو پایا ہی، اور اگرچہ تھے اُنکے باپ دادا کہ نہیں
جانتے تھے کچھ بھی، اور نہ ہدایت پائے ہوئے
تھے (۱۶۵) اور اُن لوگوں کی مثال جو کافر
ہوئے اُس شخص کی (بھیڑوں کی) مثال کی
مانند ہی جو آواز دیتا ہی ایسے بمعنی الفاظ سے کہ
بجز بلانے اور آواز کرنے کے اور کچھ نہیں سنتا،
بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پھر وہ
نہیں سمجھتے (۱۶۶)

مسلمانوں کے قتل و قتال پر کمر باندھی تھی، اور یہ آیت بعد وقوع قتل و قتال نازل ہوئی ہی جسمیں کچھ مسلمان کام آئے تھے مفسرین کا قول ہی کہ وہ جنگ بدر تھی جسمیں چھ مسلمان مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے کام آئے تھے۔ بہرحال کسی واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو ہمکو جو بحث ہی وہ اس بات سے ہی کہ اس قول کے کہ "اُنکو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں" کیا معنی ہیں ؟

اسکی نسبت مفسرین کے تین قول ہیں، ایک یہ کہ وہ شہید ہوتے ہی اُسی وقت درحقیقت زندہ ہوجاتے ہیں لیکن ہمکو اُنکا زندہ ہونا نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے یہ کہ احیاء سے مراد سیحیون ہی یعنے زندہ ہونگے یعنی قیامت کے دن۔ اُسکی مثال ایسی ہے جیسیکہ خدا نے کہا ہی کہ "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" ۔۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ نَعِيْمٍ اُن سب کے معنی یہ ہیں کہ سیصیرون کذالک۔ یعنی عنقریب ایسے ہوجاوینگے۔ تیسرے

www.poetrymania.com©

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۷﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہمنے تمکو دی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو (۱۶۷)

یہ کہ اُنکو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں۔ یہ کہنا ایسا ہی جیسیکہ کوئی کہے کہ ”ما مات رجل خلف مثلک“ یعنی وہ شخص نہیں مرا جسنے تیرے مانند خلف چھوڑا ہے۔ جو لوگ دین کی استقامت کے سبب مارے گئے ہیں درحقیقت اُنھوں نے دین حق کے پھیلانے اور اپنے بعد اس نیکی کو قائم رہنے اور جاری رہنے کے لیئے جان دی ہے پس اُنھوں نے اپنے بعد ایسی نیکی چھوڑی ہے جو اس سے بہتر نہیں ہوسکتی، اور اسی اعتبار سے اُنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں جنکے ایسی نیکی قائم و جاری ہے، پس حیات سے اُنکی حیات فی الدین مراد ہے، جیسیکہ ایک جگہ خدا نے ایمان والوں کی نسبت فرمایا ہے ”او من کان میتا فاحییناہ“ اور سورہ آل عمران میں جو خدا نے اُنکی حیات کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ ”بل احیاء عند ربھم“ اس سے اور زیادہ اس مطلب کو تقویت ہوتی ہے کہ اُنکی حیات سے حیات فی الدین مراد ہے نہ اور قسم کی حیات میرے نزدیک تیسرے معنی صحیح ہیں *

(۱۶۷) (کُلُوا مِن طَيِّبَاتِ) اس آیت سے پہلے خدا تعالیٰ نے اُن پاکیزہ چیزوں کے کھانے کی اجازت دی تھی جو زمین میں ہیں یعنی جو زمین سے پیدا ہوئی ہیں؛ اور اس آیت میں عموماً پاکیزہ چیزوں کے کھانے کی اجازت ہے جس لفظ کا ترجمہ ہمنے پاکیزہ کیا ہے وہ لفظ طیبات ہے، اُسکے معنی مزے دار اور خوشبودار غیر مضر کے ہیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ”ان الطیب فی اصل اللغۃ عبارۃ عن المستلذ المستطاب“۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں جو انسان کے لیئے مضر نہیں ہیں وہ حلال ہیں، اور وجہ حلت اور حرمت اشیائے ماکول جو خدا نے بتائی ہے وہ اُنکے مضر اور غیر مضر یا مضر اور مفید ہونے پر مبنی ہے *

www.poetrymania.com©

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ

اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ حرام کیا ہی تمپر مرا ہوا اور خون اور سور کا گوشت اور وہ (جسے ذبح کرتے نہیں اور کسیکا نام) سوائے خدا کے پکارا جاوے، پھر جو کوئی مضطر ہو نہ زیادتی کرنیوالا اور نہ حد سے گذرنے والا، پھر اسپر گناہ نہیں،

(۱۶۷) (اِنَّمَا حَرَّمَ) اس آیت میں ان تین مضر چیزوں کا بالتخصیص ذکر کیا ہی جنکے کھانے کا رواج عرب کی قوموں میں تھا۔ عرب کے لوگ مرے ہوئے جانور کو اور سور کو کھاتے تھے، اور جانوروں کے گلا کاٹنے میں جو خون نکلتا ہی اسکو ایک برتن میں جمع کرتے تھے، اور جب وہ جگر کا ٹکڑا ہو جاتا تھا تو بھون کر کھاتے تھے۔ اور یہ تینوں چیزیں انسان کیلئے مضر ہیں، گو کہ مثل زہر کے فی الفور انکی مضرت نہ ظاہر ہو۔ مرے ہوئے جانور کے مضر ہونے میں جو اپنی موت سے مرجاتا ہی کسی کو کلام نہیں، اور دم مسفوح کا مضر ہونا بھی تسلیم کیا گیا ہی۔ سور کے گوشت کے مضر ہونے پر (علی الخصوص گرم ملکوں میں) بہت سے مباحثے ہوئے ہیں اور انجام کار اسکا مضر ہونا تسلیم کیا گیا ہی۔ پس ان تینوں چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ انکے مضر ہونے پر مبنی ہی۔ علاوہ اسکے اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غذا کی تاثیر انسان کے اخلاق پر ضرور ہوتی ہی۔ سور میں بعض خصائل ذمیمہ ایسے پائے جاتے ہیں جو علم اخلاق انسانی کے برخلاف ہیں، اور اسلیئے اسکا کھانا بلحاظ حفظ اخلاق انسانی ممنوع کرنا بلاشبہ انسان کو اخلاق ذمیمہ سے محفوظ رکھتا ہی ؂

البتہ چوتھی چیز یعنی ،، وما اھل بہ لغیر اللہ ،، کی حرمت قابل بحث ہی۔ پس اسکی حرمت نفس مذبوح کے مضر ہونے یا نجس ہو جانے کے سبب سے نہیں ہی، بلکہ اسکی حرمت واسطے مٹانے رسم شرک کے ہی۔ مشرکین عرب کا دستور تھا جیسیکہ ہندوستان میں ہندؤں کا دستور ہی کہ جانوروں کا گلا بتوں اور دیبیوں کا نام لیکر کاٹتے تھے،

www.poetrymania.com©

بیشک اللہ بخشنے والا ہی مہربان (۱۶۸)	اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ ۱۶۸

جبکا یہ مقصود تھا کہ اُسکی نذر اور اُسکے تقرب کے لیئے جانور کو مارا ہی یہانتک کہ جو جانور اپنے کھانے کے لیئے بھی مارتے تھے اُسکو بھی کسی بُت یا دیبی کی نذر مقرر کرکے اور اُسیکا نام لیکر مارتے تھے۔ ہندوستان میں ابتک یہ رسم ہندؤں میں ہے اور کوئی ہندو کسی بکری کا بغیر دیبی کے نام کے جھٹکا نہیں کرتا۔ بہت گوشت خور ہندو ایسے ہیں کہ اگر کوئی جانور دیبی کے نام پر جھٹکا نکیا جاوے تو اُسکا گوشت نہیں کھاتے۔ اسلام میں تقرب الی غیر اللہ شرک اور کفر قرار پایا ہی۔ پس رسم شرک ہر طرح پر مٹانے کے لیئے یہ حکم ہوا ہے کہ جو جانور اس رسم شرک پر مارا جاوے وہ بھی نہ کھایا جاوے پس حرمت مذبوح لغیر اللہ کی احکام محافظ حکم اصلی میں سے ہی جسکی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں +

تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ علما کا یہ قول ہی کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو بقصد تقرب الی غیر اللہ کے ذبح کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہی اور ذبیحہ اُسکا مرتد کا ذبیحہ ہی، اور یہ حکم اہل کتاب کے ذبایح کے سوا اوروں کے ذبیحہ سے متعلق ہی، اور اہل کتاب کے ذبایح ہمارے لیئے حلال ہیں، جیسا کہ خدا نے فرمایا ہی کہ طعام اُن لوگوں کا جنکو کتاب دیگئی ہی تمھارے لیئے حلال ہے +

قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد وهذا الحكم فى غير ذبائح اهل الكتاب اما ذبائح اهل الكتاب فتحل لنا لقوله تعالى وطعام الذين اوتوا الكتب
(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)

پس اس آیت سے جسکی ہم تفسیر لکھتے ہیں اسمیں تو کچھ شبہ نہیں کہ جو مسلمان کسی جانور کو تقرباً غیر خدا کے نام ذبح کرے اُسکا کھانا اسوجہ سے کہ وہ ایک فعل شرک پر ذبح کیا گیا ہی حفظاً لحکم التقرب الی اللہ ممنوع و حرام ہی مگر یہ بات باقی ہی کہ اگر غیر مسلم اس طرح پر کرے تو اُسکا کھانا بھی ممنوع و حرام ہی یا نہیں۔ امام فخر الدین رازی نے جو قول علماء اسلام نقل کیا ہی اُسمیں ذبیحہ اہل کتاب کو مستثنے کیا ہی جسکا یہ مقصد ہی کہ گو اہل کتاب نے تقرباً الی غیر اللہ ہی ذبح کیا ہو مگر وہ حلال ہے اور یہی قول بعض فقہا کا بھی ہی، اور اُنھوں نے تصریح کر دی ہی کہ "ولو ذبح بالسم المسیح"۔

www.poetrymania.com©

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۶۹﴾

ہاں جو لوگ چھپاتے ہیں اُسکو کتاب میں سے جو اُتارا ہی اللہ نے اور لیتے ہیں اُسکے بدلے تھوڑی سی قیمت، وہی لوگ ہیں کہ نہیں کھاتے اپنی پیٹوں میں مگر آگ، اور نہ کلام کریگا اُن سے اللہ قیامت کے دن اور نہ اُنکو پاک کریگا، اور اُنکے لیئے عذاب ہے دُکھ دینے والا (۱۶۹)

ومن الناس من + + + اجازوا ذبیحۃ النصرانی اذا سمی علیہا باسم المسیح وھو مذھب عطاء و مکحول والحسن والشعبی وسعید بن المسیب (تفسیر کبیر جلد ۔ صفحہ ۶۱۶)

مگر یہاں یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ تو پھر دیگر اہل مذاہب کا لغیر اللہ ذبح کیا ہوا کیوں نہ حلال ہو۔ اسکا جواب بقاعدہ اہل نقل یہ ہو سکتا ہے کہ آیت طعام اہل کتاب سے اُنکا ذبیحہ مستثنیٰ ہو گیا ہی اور دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ مستثنیٰ نہیں ہوا، مگر پھر اسپر یہ سوال ہو گا کہ کیوں دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ مستثنیٰ نہیں ہوا +

ہاں اگر اس استثنا کی یہ وجہ بیان کی جاوے کہ اہل کتاب میں کبھی لغیر اللہ جانور کے ذبح کرنے کی رسم و عادت نہ تھی، یا وہ خدا کے نام پر قربانی کرتے تھے، یا خدا کا نام لیکر ذبح کرتے تھے، جیسیکہ یہود کی عادت ہی، یا کسی کا نام لیئے بغیر ذبح کرتے تھے، جیسیکہ عیسائیوں کی عادت ہی، تو صرف ذبایح اہل کتاب کے مستثنے کرنے کی اور دیگر اہل مذاہب کے ذبایح کے مستثنے نکرنے کی وجہ کافی ہوگی، اور اسلیئے دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ یا جھٹکا حفظاً لحکم التقرب الی اللہ وحدہ حرام و ممنوع الاکل رہیگا +

البتہ ایک سوال اور باقی رہتا ہی کہ اگر کسی غیر اہل کتاب نے کسی جانور کو لالغیر اللہ ذبح کیا ہو تو وہ بھی حرام اور ممنوع الاکل ہی یا نہیں۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہو گا۔ کیونکہ آیت ،، کلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ،، کا حکم عام نہیں ہے۔ پس نص صریح قرآن مجید سے اُسکی حرمت ثابت نہو گی الا اجتہاد سے جسکی تسلیم خود مجتہد یا اُسکے متبعوں پر لازم ہو گی نہ ہر شخص پر +

www.poetrymania.com©

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٠﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧١﴾

وہی لوگ ہیں جنھوں نے خریدا ہے گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب کو بدلے مغفرت کے پھر کس چیز نے انکو صابر کیا ہی آگ پر (۱۷۰)
یہ اسلیئے ہی کہ اللہ نے کتاب اتاری ہی برحق، اور بلاشبہ جن لوگوں نے اختلاف کیا ہی کتاب میں البتہ مخالفت میں (حق سے) دور ہیں (۱۷۱)

(اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) اسکے معنی میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہی کہ خدا کے سوا اور کسی کا نام پکارے جانے سے کیا مطلب ہے۔ اصمعی کا قول ہی کہ اہلال کے معنی پکارنے کے ہیں۔ احرام باندھنے والے پر مہل کا لفظ اسلیئے بولا جاتا ہی کہ وہ احرام باندھتے وقت لبیک کہکر پکارتا ہی، اور ذابح پر بھی مہل کا لفظ بولتے ہیں کیونکہ عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیکر پکارتے تھے، اور ”استهل الصبی“ کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہی کہ پیدا ہونے کے بعد چلاتا ہی اسلیئے۔ ما اهل به لغیر الله کے معنی یہ ہوئے کہ جو بتوں کے لیئے ذبح کیئے جاویں۔ یہ مذہب تو مجاہد ضحاک اور قتادہ کا ہی۔ اور دوسرا قول ربیع بن انس اور ابن زید کا ہی۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اهل به لغیر الله“ سے یہ مطلب ہے کہ جو خدا کے نام کے سوا اور کسی کے نام سے پکارا جاوے یعنی وہ ذبح کے وقت پکارے جانے کی قید نہیں لگاتے، بلکہ صرف غیر خدا کے نام موسوم کردینے ہی کو ”اهل لغیر الله“ میں داخل کرتے ہیں جیسے کہ ہندوستان میں مسلمان بکرے کو شیخ سدو اور گائے کو میراں اور مرغے کو مدار کے نام سے موسوم کردیتے ہیں۔ ان مفسروں کی رائے کے مطابق جو جانور کہ غیر خدا کے نام تقربا موسوم ہوگیا ہو اور گو بروقت ذبح خدا ہی کا نام لیا جاوے تب بھی وہ حرام ہوجائیگا، اور پہلی رائے کے موافق حرام نہوگا بشرطیکہ خدا کا نام لیکر ذبح کیا جاوے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں پچھلی رائے اختیار کی ہی۔ مگر درحقیقت وہ صحیح نہیں

www.poetrymania.com©

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	کچھ یہ نیکی نہیں ہی کہ اپنے مُنھوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو،

ہی کیونکہ صرف نام رکھدینا کہ شیخ سدو کا بکرا ہی اور میراں کی گاے یا مدار کا مرغا یہ اقدام بالشرک ہی نہ وقوع شرک، اور جبتک کہ شرک کا وقوع مذبوح کے اوپر نہ ہو اُسوقت تک وہ مذبوح ممنوع الاکل نہیں ہو سکتا۔ پس اگر ذبح کے وقت خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہے تو اُسکا کھانا حرام نہیں ہے ✤

(۱۶۹) (اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ) ہمارے مفسرین کی عادت ہی کہ جہاں قرآن میں اہل کتاب کی نسبت ایسا مضمون آیا کہ وہ توریت کی باتیں چھپاتے ہیں، اور اُنھوں نے تفسیر میں لکھا کہ اس سے بشارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چھپانا مراد ہی چنانچہ اس مقام پر بھی ایسا ہی کچھ لکھا ہی۔ مگر یہ صحیح نہیں ہی۔ وہ مضامین جنپر بشارات کا اطلاق ہوتا ہی وہ خود توریت و انجیل میں بطور کنایہ اور اشارہ کے قرار پاسکتے ہیں اُنپر اطلاق اخفا کچھ ٹھیک نہیں ہی اور نہ خدا کو اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی ضرورت تھی کہ جابجا اپنی نبوت کے اثبات کے لیئے توریت اور انجیل کے بشارات پر حوالہ کریں نبی کے لیئے بشارت کی ضرورت نہیں، نبی خود نبوت کی دلیل ہی۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ بلکہ اس اخفا سے صرف احکام توریت کا اخفا مقصود ہے جو یہودیوں میں کثرت سے رایج ہوگیا تھا، اور دنیوی لالچ اور ہوائے نفس سے برخلاف احکام توریت کے فتوے لکھدیتے تھے، اور اصلی احکام کو چھپاتے تھے۔ حسن کا بھی یہی قول ہی۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ "قال الحسن کتموا الاحکام وھو کقولہ تعالیٰ "وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" ✤

(۱۷۲) (لَیْسَ الْبِرَّ) اختیار کرنا سمت قبلہ کا گو وہ کیسی ہی خدا پرستی پر مبنی ہو خوف اور اندیشہ سے خالی نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تردد تھا کہ کہیں کعبہ

www.poetrymania.com©

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَ
النَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ
السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ
وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ
فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ
اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی

ولیکن نیکی اُسکو ہی جو ایمان لایا اللہ اور اخیر دن
اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر،
اور دیا مال اسکی محبت پر قرابت مندوں اور یتیموں
اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو
اور غلاموں کے آزاد کرانے میں، اور پڑھی نماز اور دی
زکوٰۃ، اور اپنے عہد کے پورا کرنے والوں کو جبکہ وُہ
عہد کریں اور صبر کرنے والوں کو خوف اور تکلیف
میں اور لڑائی کے وقت، وہی لوگ ہیں
جو سچے ہیں اور وہی لوگ پرہیزگار
ہیں (۱۷۷) اے لوگوں جو ایمان لائے ہو
لکھا گیا تمپر قصاص مقتولوں میں،

بُت پرستوں کی مانند پوجنے لگے اسیوجہ سے خداتعالیٰ نے متعدد طرح سے اُسکو
رفع کیا ہی، ایک جگہہ فرمایا کہ ،، لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔
اور اِس آیت میں فرمایا کہ ،، لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
اور پھر بتایا کہ خدا کو، قیامت کو، فرشتوں کو، نبیوں کی کتابوں کو، نبیوں کو ماننا،
خدا کی محبت سے غریب قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں
اور قیدیوں کو کچھ دینا، غلاموں کو آزاد کرنا، نماز پڑھنی، زکوٰۃ دینی، اقرار پورا کرنا،
سختی اور مصیبت میں اور لڑائی میں صبر کرنا دراصل نیکی ہے +

(۱۷۷) (کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ) اس آیت میں تین حکم ہیں۔ پہلا حکم اسلام میں
قصاص کا قائم کرنا ہی۔ دوسرا حکم جو معاوضہ خون کا زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل
اسلام کے تھا بعد اسلام اُسکا باطل کرنا ہے۔ تیسرا حکم اُن معاہدوں کا قائم رکھنا
ہے جو باہم قبل اسلام کے خونوں کی بابت ہوئے تھے +

www.poetrymania.com©

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ۱۷۳	آزاد بدلے آزاد کے غلام بدلے غلام کے عورت بدلے عورت کے، پھر جس شخص کو معاف کیا جاوے اپنے بھائی سے کچھ، پھر تابعداری کرنا ہی ساتھ نیکی کے اور اُسکو ادا کرنا ہی ساتھ احسان ماننے کے (۱۷۳)

عرب کے مختلف قبیلے جب مسلمان ہو گئے تو اُن میں ایسے بھی لوگ تھے جنھوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا تھا، اور اسوقت تک مقتول کے لوگوں نے قاتل سے بدلا نہیں لیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بدلا لینے کا یہ دستور تھا کہ جو قومیں زبردست اور شریف تھیں وہ اپنے تئیں دوسری قوموں سے اسطرح بدلا لینے کا مستحق سمجھتی تھیں کہ اپنے غلام کے بدلے اُن میں کے ایک حر کو، اور اپنی عورت کے بدلے اُنکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے اُنکے دو مردوں کو ماریں، اور نیز زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مقتول کے وارث خون کو معاف کر دیتے تھے، اور کبھی قتل کے بدلے میں کچھ روپیہ یا مال قاتل سے یا قاتل کے قبیلہ سے لیکر راضی ہوتے اور دعوی قتل سے دست بردار ہو جاتے۔ پچھلے دو حکم اسی رسم جاہلیت سے علاقہ رکھتے ہیں (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ و معالم التنزیل صفحہ ۶۷) ‡

پہلا حکم جو اسلام میں قصاص قایم کرنے کا ہی وہ اِس آیت کے پہلے جملہ میں موجود ہی جہاں خدا نے فرمایا ہی ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی“ یہ جملہ ایک مستقل جملہ ہی اور تفسیر کبیر میں بھی بعض مفسرین کا یہ قول لکھا ہی کہ ”کتب علیکم القصاص فی القتلی جملۃ تامۃ مستقلۃ بنفسہا“۔ اور اس جملہ سے مطلقاً یعنی بغیر کسی قید کے قصاص کا حکم پایا جاتا ہی یعنی قاتل بعوض مقتول کے مارا جاویگا کوئی شخص قاتل ہو اور کوئی شخص مقتول ہو، مرد ہو عورت ہو، آزاد ہو، کافر ہو مسلمان ہو، یہ لازمی قصاص غالباً اُن لوگوں کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جنکے ماں

www.poetrymania.com©

ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۷۴)	یہ آسانی ہی تمہارے پروردگار سے اور رحمت، پھر جس شخص نے زیادتی کی اسکے بعد تو اُسکے لئے عذاب ہی دُکھ دینے والا (۱۷۴)

معافی اور خون کے بدلے مال لینا بھی جائز تھا سخت گراں گذرا ہوگا، اور اسی لیئے اُسکے بعد خدا تعالیٰ نے قصاص میں جو حکمت ہی وہ بتلائی اور فرمایا کہ ،، وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ،، اور اس اخیر آیت سے زیادہ تر اس رائے کو تقویت ہوتی ہی کہ قرآن مجید میں صرف خون کے بدلے خون کا حکم ہے۔ اگرچہ مسلمانوں میں دیت اور معافی کا رواج جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا موقوف نہیں ہوا اور اُسکی بنا حدیثوں پر قائم کی ہی، مگر مجھکو اس مقام پر اُنسے بحث نہیں ہی، صرف یہ بیان کرنا ہی کہ قرآن مجید کی اس آیت سے کیا حکم نکلتا ہی، سو وہ حکم یہی ہی کہ بلا کسی قید اور تفرقہ کے مقتول کے بدلے قاتل مارا جائے +

قصاص کے لفظ سے بعض علماء نے جو یہ مطلب سمجھا ہی کہ جسطرح قاتل نے مقتول کو مارا ہی اُسیطرح قاتل بھی مارا جاوے یہ بھی اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف مقتول کے بدلے قاتل کا بیجان کردینا ثابت ہوتا ہی۔ قصاص کے معنی دو آدمیوں کا ایک سا کام کرنے کے ہیں جیسیکہ عرب کہتے ہیں کہ ،، اقتص فلان لفلان ،، جبکہ کوئی شخص ویسا ہی کام کرے جیسا کہ دوسرے نے کیا ہو۔ اہل شرع نے اسکے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ کسی انسان کے ساتھ ایسا ہی کیا جاوے جیسا کہ اُسنے دوسرے انسان کے ساتھ کیا ہو۔ مگر ایسی تعمیم قصاص کے معنی کی اس آیت کے لفظوں سے نہیں پائی جاتی کیونکہ اس آیت میں قصاص کے لفظ کے ساتھ ،، فی القتلیٰ ،، کی بھی قید لگی ہوئی ہی، اور اس قید سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ اُسکے مقتول ہوجانے میں مساوات چاہیئے نہ کیفیت مقتول ہونے میں، کیونکہ مقتول ہوجانا یعنی جان کا بدن سے مفارقت کرنا ایک چیز ہے اور جسطرح اور جس ذریعہ سے اُس نے

www.poetrymania.com©

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۵﴾	اور تمھارے لیئے قصاص میں زندگی ہی اے عقل والوں تاکہ تم پرہیزگاری کرو (۱۷۵)

مفارقت کی ہی وہ دوسری چیز ہے، اور اِس آیت میں لفظ قصاص سے مقتول ہونے میں یعنی جان کے بدن سے مفارقت کرنے میں مساوات چاہی گئی ہی نہ کیفیت قتل میں - پس آیت کا حکم صرف اتنا ہی کہ اگر کسی شخص نے کسی کو بیجان کردیا ہو تو وہ بھی ویسا ہی یعنی بیجان کردیا جاوے ؛

اِس بیان سے ظاہر ہی کہ بعض علما کا لفظ قصاص سے یہ سمجھنا کہ اگر کسی نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو اُسکو بھی پتھر سے سر پھوڑ کر مارا جاوے، اور اگر کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو اُسکو بھی آگ سے جلا کر مارا جاوے، اور اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہو تو اُسکو بھی پانی میں ڈبو کر مارا جاوے، صحیح نہیں ہی - معہذا اُن علما کا یہ خیال بھی کہ ایسا کرنے میں ٹھیک مساوات ہو جاویگی غلط ہی، کیونکہ ان افعال کو اسطرح پر عمل میں لانا کہ بالکل اُن افعال کے فعل میں اور اثر میں مساوی ہوں جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیئے ہیں محض ناممکن ہی - منطوق آیت کا صرف اسبات پر دلالت کرتا ہی کہ مقتول کے بدلے قاتل بھی مار ڈالا جاوے ؛

دوسرا حکم جسطرح زمانہ جاہلیت میں معاوضہ خون کا لیا جاتا تھا اُسکا باطل کرنا ہی، اور وہ ان الفاظ سے باطل ہوتا ہی، "اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى" اگرچہ علماء نے ان لفظوں کی نسبت بہت بحث کی ہی جو ایک تطویل لاطائل ہی، مگر صاف و صریح مطلب یہ ہی کہ اسلام میں قصاص تو لیا جائیگا - لیکن یہ طریقہ جو جاہلیت میں تھا کہ قاتل کو چھوڑ کر دوسرے شخص کو مارتے تھے، اور غلام کے بدلے حر کو مارتے تھے، اور عورت کے بدلے مرد کو مارتے تھے، اور ایک مرد کے بدلے دو مردوں کو مارتے تھے، یہ طریقہ اسلام میں نہیں رہا - بلکہ اگر کسی حر نے حر کو مارا ہی تو وہ حر ہی مارا جائیگا - اور اگر کسی غلام نے غلام کو مارا ہی تو غلام ہی مارا جائیگا - اور

www.poetrymania.com©

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ	لکھا گیا تم پر کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آوے

اگر کسی عورت نے عورت کو مارا ہی تو عورت ہی ماری جائیگی، اور حرا ور عبد اور انثی پر الف لام ہے، اُس سے قتال میں قاتل و مقتول کی تخصیص لازم آتی ہے پس بیان سے اوپر کے جملہ کی جسمیں قصاص کا حکم ہی تفصیل مقصود نہیں ہی، بلکہ جاہلیت میں جو رواج تھا کہ عورت کے بدلے مرد کو، اور غلام کے بدلے حر کو مارتے تھے اُسکا موقوف کرنا مقصود ہے +

جن علماء نے غلطی سے ان الفاظ کو حکم قصاص کی تفصیل سمجھا ہی اُنھوں نے ایک سخت بحث کی ہی، اور نتیجہ اپنی بحث کا یہ نکالا ہی کہ اگر ایک حر نے کسی عبد کو مار ڈالا ہو یا ایک عبد نے کسی حر کو مار ڈالا ہو، یا ایک مرد نے کسی عورت کو، یا ایک عورت نے کسی مرد کو مار ڈالا ہو، تو اُنسے قصاص لینے کا حکم اس آیت میں پایا نہیں جاتا۔ اور اس لیئے اُنکے قصاص میں مختلف رائیں ہوگئی ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ اگر کسی عبد نے حر کو یا عورت نے مرد کو مار ڈالا ہو تو اُنسے قصاص لینا قیاس پر مبنی ہی، کیونکہ ادنی نے اعلےٰ کو مارا ہی۔ اور اگر ایک حر نے عبد کو، یا مرد نے عورت کو مار ڈالا ہو تو اُنسے قصاص لینا اجماع پر مبنی ہی۔ مگر کچھ شبہ نہیں ہی کہ یہ سب رائیں غلط ہیں اور جملۂ اول سے عموماً قصاص لینے کا حکم ثابت ہی +

تیسرا حکم ایام جاہلیت کے خونوں کی بابت معاہدوں کا قائم رکھنا ہے وہ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ "فمن عفی له من اخیه شئ فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمته فمن اعتدی بعد ذلک فله عذاب الیم"۔ یہ جملہ بھی اُسی پہلے جملہ کی تابع ہی جو جاہلیت کے خونوں سے علاقہ رکھتا ہی۔ اس جملہ کا یہ مطلب ہے کہ ایام جاہلیت کے خونوں کی بابت اگر کسی نے کچھ معاف کر دیا ہو، یا اسکی عوض میں کچھ دینے کا اقرار کیا ہو تو وہ اُسی اقرار کے موافق ادا کر دیا جاوے۔ قتل

www.poetrymania.com©

إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۷۶﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾

اگر وہ مال چھوڑے تو وصیت کرے ماں باپ کے لیئے اور قرابت مندوں کے لیئے نیکی سے، یہ کام مقرر کیا گیا ہے پرہیزگاروں پر (۱۷۶) پھر جس شخص نے بدلدیا وصیت کو اُسکے سننے کے بعد تو اُسکا گناہ اُنہی پر ہے جنھوں نے کہ اُسکو بدلا ہے، بیشک اللہ سننے والا ہے جاننے والا (۱۷۷)

ایک ایسی چیز نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اُسکے مواخذہ سے کوئی شخص بری ہو سکے۔ مگر زمانۂ جاہلیت میں جو بے انتہا خون ہوتے تھے، اور بدلا لینے کے لیئے قتل و قتال قائم تھے۔ اسلیئے ابتداء اسلام میں اُن تمام جھگڑوں کے مٹانے کے لیئے وہ معاہدے جو زمانہ جاہلیت میں قصاص سے بری ہونے کی بابت قرار پائے تھی اُسیطرح جائز رکھے گئے۔ اس خاص آیت کے استدلال سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام میں بھی قتل عمد کا معاف کر دینا یا دیت کا لینا جائز کر دیا گیا۔ قتل خطا قتل عمد سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور اُسمیں دیت کا قرار پانا اور کسی معاوضہ کا ٹھیرانا انصاف کے برخلاف نہیں ہے +

(۷۶) (كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ)، کتب کے لفظ سے علما اسلام فرض کے معنی لیتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ والدین اور اقربا کے لیئے وصیت فرض تھی۔ مگر کہتے ہیں کہ یہ حکم اُسوقت تھا جبکہ آیت توریث نازل نہیں ہوئی تھی۔ اتنی بات بلاشبہ تسلیم کے لائق ہے کہ آیت توریث کے نازل ہونے کے بعد جو شدید ضرورت وصیت کی تھی وہ باقی نہیں رہی، کیونکہ ایک عام قاعدہ مقرر ہو گیا اور ہر شخص نے جان لیا کہ میرے بعد میرے اقربا میں اسطرح مال تقسیم ہو جاویگا +

لیکن فقہاے اسلام نے دو مسئلے وصیت کے متعلق قرار دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ آیت توریث میں جو لوگ وارث قرار پائے ہیں اُنکے حق میں وصیت جائز نہیں ہے

www.poetrymania.com©

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۷۸

پھر جس شخص کو ڈر ہو وصیت کرنیوالے سے کجروی کا یا گناہ کا پھر کسنے اصلاح کردی آنمیں تو اسپر کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہرباں (۱۷۸)

،، لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ،، ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث،،۔ دوسرے یہ کہ ثلث مال سے زیادہ میں وصیت جائز نہیں۔ جو کچھ کہ فقہانے اپنے اجتہاد سے یا کسی حدیث کی بناپر مسئلہ ٹھیرایا ہے اسمیں بحث ضرور نہیں ہے کیونکہ وہ بحث حدیث کی صحت وغیر صحت پر جا پڑتی ہے۔ بحث اسمیں ہے کہ قرآن مجید سے وصیت کا کسی قید سے مقید ہونا پایاجاتا ہے یا نہیں، سو نہیں پایاجاتا +

قرآن مجید سے وصیت کرنا ایک فعل جائز ثابت ہوتاہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے مرنے کے بعد اس طرح پر کیاجاوے جسطرح کہ خود اسنے اپنی زندگی میں مقرر کردیا ہے۔ جبکہ کسی شخص کو کسی سبب سے ہلاک ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جو مطلب ،، اذا حضر احدکم الموت ،، کا ہے تو اسکو ضرور ہے کہ وصیت کردے کہ اسکا مال اسکے والدین اور قرابت مندوں کو کیونکر دیاجاوے۔ آیت توریث سے اس حکم کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ آیت وصیت کے نازل ہونیکے بعد یہ ضرور تھا کہ کوئی شخص بلا وصیت مرے ہی نہیں۔ پس جو لوگ کہ باوجود حکم وصیت کے بلا وصیت مرجاویں انکے مال کی تقسیم کے لئے کوئی قاعدہ مقرر ہونا چاہیئے تھا، وہ قاعدہ آیت توریث میں قرار پایا۔ پس قرآن مجید کی دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرنے والے نے اگر کوئی وصیت کی ہے تو اسکا مال اسکی وصیت کے مطابق تقسیم کیاجاویگا۔ اور اگر اسنے کچھ وصیت نہیں کی یا جسقدر کہ وصیت کی ہے اس سے زیادہ مال چھوڑا ہے تو اسکے مال کی یا اسقدر کی جو وصیت سے زیادہ ہے آیت توریث کے مطابق تقسیم ہوجاویگی۔ پس دونوں آیتوں کا حکم بحال اور قائم

www.poetrymania.com©

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۰﴾

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو لکھا گیا تم پر روزہ جسطرح لکھا گیا اُن لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگاری کرو (۱۷۹) گنے ہوئے دنوں میں پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر تو شمار کرلے اور دنوں میں ٭ اور (لکھا گیا) اُن لوگوں پر جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں بدلا دینا ہے ایک محتاج کی خوراک کا پھر جس شخص نے نیکی سے زیادہ دیا تو وہ اُسکے لیئے اچھا ہے اور روزہ رکھنا تمھارے لیئے بہتر ہے اگر تم جانو (۱۸۰)

ہے ثلث سے زیادہ میں اور وارث کے حق میں وصیت کا جائز نہونا ایک ایسا امر ہے جو قرآن مجید کی کسی آیت سے پایا نہیں جاتا، اور جن حدیثوں سے اُسپر استدلال کیا ہے اگر وہ تسلیم بھی کرلی جاویں تو بھی نہایت شبہ ہے کہ اُنسے اس امر پر استدلال ہوسکتا ہے یا نہیں ٭

بلاشبہ وصیت کو غیر مقید رکھنے میں بداخلاقی یا حق تلفی کا احتمال ہوسکتا ہے اُسکا انسداد جہانتک کہ بمقتضاے فطرت انسانی ممکن تھا وہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ "بالمعروف" یعنی نیکی اور نیک دلی سے وصیت کرے نہ بدنیتی سے کسی کا حق تلف کرنے اور ذی حق کے محروم کرنے کے لیئے۔ پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر [illegible] دیکھے کہ وصیت کرنے والا کسی کے حق میں ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اُسکو سمجھاوے اور اسکی وصیت کو یا ارادہ کو بدلواوے تاکہ حق تلفی نہو، اور اُس بداخلاقی یا حق تلفی کے روکنے کا طریقہ بجز اسکے اور کوئی ہوہی نہیں سکتا ٭

منقول ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سعد بن مالک کی بیماری میں

www.poetrymania.com©

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ	ماہ رمضان وہی جسمیں قرآن نازل کیا گیا ہے ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور علانیہ نشانیاں ہدایت کی، اور حق و باطل کو جدا کرنے والا، پھر تم میں سے جو کوئی اُس مہینہ میں موجود ہو تو چاہیئے کہ اُس میں روزہ رکھے

خبر پرسی کو تشریف لیگئے۔ سعد بن مالک نے عرض کیا کہ میں اپنے کل مال کی وصیت کردوں (یعنی سوائے اپنے قرابت مندوں کے اوروں کے لیئے جیسا کہ حدیث کے مضمون سے پایا جاتا ہے) ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ نصف مال کی وصیت کردوں آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ ایک ثلث مال کی وصیت کردوں۔ آپ نے فرمایا کہ تہائی کی اور تہائی بھی بہت ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو دولتمند چھوڑے تو اس سے بہتر ہے کہ اُنکو مفلس چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خیرات لیتے پھریں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رض سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں اپنے مال کی وصیت کردینا چاہتا ہوں (یعنی سوائے اولاد کے) حضرت عائشہ رض نے پوچھا کہ تیرے پاس کتنا مال ہے اور کتنی اولاد ہے۔ اُسنے کہا کہ تین ہزار درم ہیں اور چار اولاد ہیں۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ یہ تو بہت مال نہیں ہے، بہتر ہے کہ اپنی اولاد کے لیئے رہنے دے۔ اور روایتوں میں ہے کہ حضرت علی رض فرماتے تھے کہ میں پانچویں حصہ مال کی وصیت کرنے والے کو چوتھائی مال کی وصیت کرنیوالے سے، اور چوتھائی مال کی وصیت کرنے والے کو تہائی مال کی وصیت کرنے والے سے زیادہ پسند کرتا ہوں، اور جسنے کہ تہائی مال کی وصیت کردی اُسنے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ حسن بصری نے چھٹے حصہ یا پانچویں یا چوتھے تک کی وصیت کو پسند کیا، اور اس زمانہ کے لوگ اکثر پانچواں حصہ یا چوتھا حصہ وصیت کرتے تھے یہ سب روایتیں اگر صحیح تسلیم ہوں

www.poetrymania.com©

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۱﴾	اور جو کوئی کہ بیمار ہو یا سفر پر ہو تو شمار کرلے اور دنوں میں، اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور تاکہ تم پورا کرو تعداد کو اور تاکہ اللہ کو اُس بات پر جسکی تمکو ہدایت کی ہے بزرگی سے یاد کرو، اور تاکہ تم شکر کرو (۱۸۱)

توبھی اُسنے ناجوازی وصیت کی ثلث کی نسبت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اِن روایتوں سے صرف صلاح اور فہمایش پائی جاتی ہے جسکی نسبت خود خدا نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اگر کوئی دیکھے کہ وصیت کرنے والا کسی کے حق میں ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اُسکو سمجھا دے۔ وصیت کو کسی قید سے مقید کرنے سے بد اخلاقی وظلم کی بندش نہیں ہوسکتی جبکہ ہبہ کرنے میں کچھ قید اور بندش نہیں ہے۔ وصیت و ہبہ درحقیقت ایک شے ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ہبہ عطا بالفعل ہے اور وصیت عطا بعد الموت۔ حدیث ,, فلا وصیة لوارث ,, کو تسلیم کرنے کے بعد بھی وارث کے حق میں وصیت کا بطلان تسلیم نہیں ہوسکتا، کیونکہ نفی ضرورت کی طرف منسوب ہوگئی نہ نفس وصیت کے بطلان کی طرف۔ علاوہ اسکے حدیث سے نسخ حکم قرآن کسی طرح تسلیم نہیں ہوسکتا۔

آیت وصیت کو آیت توریث سے یا حدیث سے منسوخ قرار دینا ایک ایسا امر ہے جسکو علمائے متقدمین میں سے بھی اکابر علما نے تسلیم نہیں کیا۔ تفسیر کبیر (جلد ۲ صفحہ ۴۶) میں لکھا ہے کہ ابو مسلم اصفہانی کا یہ مذہب تھا کہ آیت وصیت آیت توریث سے منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ جو لوگ کہ اسکے منسوخ ہونیکے قائل ہیں اُنکی بڑی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ اِس حدیث کے رو سے ,, الا لا وصیة لوارث ,, آیت وصیت منسوخ و مسترد ہوگئی ہے، اور پھر لکھا ہے کہ اسمیں بڑی دقتیں ہیں، کیونکہ یہ حدیث خبر احاد ہے اور خبر احاد سے نسخ قرآن جائز نہیں۔ اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگرچہ خبر احاد ہے

www.poetrymania.com©

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ	اور جب تجھ سے میرے بندے میرا حال سوال کریں تو بیشک میں نزدیک ہوں، جواب دیتا ہوں ہر ایک پکارنے والے کی پکار کا جب وہ مجھکو پکارتا ہی پس چاہیے کہ قبول کریں مجھکو

لیکن ائمہ نے اُسکو تلقی بالقبول کیا ہے، اور اسلیئے یہ حدیث حدیث متواتر سے ملگئی ہے۔ مگر اِس جواب پر کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ دعوی کہ ائمہ نے اُسکو تلقی بالقبول کیا ہے بطور ظن کے یا بطور یقین کے۔ پہلی بات مسلم ہے۔ لیکن اُنکا یہ اجماع خبر احاد کی بنا پر ہو اُس سے نسخ قرآن جائز نہیں، اور دوسری بات ممکن نہیں کیونکہ اگر انھوں نے اِس حدیث کو قطعی سمجھکر اجماع کیا ہی باوجودیکہ وہ خبر احاد ہی تو اُنکا اجماع خطا پر مبنی ہوگا جو نا جائز ہی۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ یہ آیت اجماع سے منسوخ ہو گئی ہی تو بھی اجماع سے قرآن کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہی، کیونکہ اجماع اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی دلیل آیت کے منسوخ ہونے کی موجود ہی مگر انھوں نے اس دلیل کو تو بیان نہیں کیا اور اجماع ہی پر اکتفا کیا، تو وہ کیونکر ناسخ قرآن ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہی کہ جب ایسے لوگ بھی امت میں موجود ہیں جو اس نسخ کے منکر ہیں تو اجماع کا نسخ پر کیونکر دعوے ہو سکتا ہے۔ غرضکہ قرآن کی رو سے پایا جاتا ہے کہ وصیت کا ہر شخص کو بلا کسی قید کے اختیار ہی اگر اُسنے ظلم اور حق تلفی کے ارادہ سے وصیت کی ہوگی تو اُسکا وبال اُسکی گردن پر ہوگا۔ مگر وصیت کے نافذ ہونے میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا۔ ہاں جن لوگوں نے وصیت نہیں کی یا وصیت سے زیادہ مال چھوڑا تو اُنکا مال مطابق حکم آیت توریث کے وارثوں پر تقسیم ہوگا +

(۷۹) (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ) اِس آیت میں جو یہ حکم ہے کہ تمپر روزہ لکھا گیا جسطرح کہ تم سے پہلوں پر لکھا گیا تھا، اسکا مطلب قرار دینے کو چار باتوں کی تنقیح چاہیئے۔ اول یہ کہ اُن روزوں سے کون سے روزے مراد ہیں، دوسرے

www.poetrymania.com©

وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٢﴾	اور چاہئیے کہ ایمان لاویں مجھ پر، تاکہ وہ راہ پاویں (۱۸۲)

یہ کہ ،، پہلے پہلوں ،، سے کون لوگ مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ اُن پہلوں پر کونسے روزے لکھے گئے تھے۔ چوتھے یہ کہ ،، جیسطرح ،، کے لفظ سے کس بات میں تشبیہ مراد ہے ÷

پہلی بات کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہی۔ معاذ و قتادہ و عطا، اور بموجب ایک روایت کے ابن عباس کے نزدیک یہ روزے ایام بیض کے اور روزہ عاشورہ کا تھا، یعنی وہ تین روزے تھے جو ہر مہینے کی تیرہویں چودھویں پندرھویں کو رکھے جاتے تھے، اور ایک روزہ وہ تھا جو دسویں محرم کو رکھا جاتا تھا۔ اور اکثر محققین کے نزدیک جنمیں ابن عباس اور حسن اور ابی مسلم بھی شامل ہیں اِن روزوں سے رمضان ہی کے روزے مراد ہیں، اور اِس صورت میں لفظ ،، شہر رمضان ،، جو اگلے آیت میں ہی وہ بدل واقع ہوگا لفظ ،، صیام ،، سے جو اِس آیت میں ہی یعنی ،، کتب علیکم الصیام صیام شہر رمضان ،، ÷

جو لوگ کہتے ہیں کہ اِن روزوں سے رمضان کے روزے مراد نہیں ہیں وہ یہ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ رمضان کے روزوں سے اور سباقی روزوں کے رکھنے کا حکم منسوخ ہوگیا ہی۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے سوا اور بھی روزے تھے، اور اِس مقام پر ،، صیام ،، سے وہی روزے مراد ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن روزوں کے ذکر کے بعد بھی مریض اور مسافر کی نسبت حکم بتایا ہی اور اگلی آیت میں جہاں خاص رمضان کے روزوں کا نام لیا ہے اسکے بعد بھی مریض اور مسافر کی نسبت حکم بتایا ہی۔ پس اگر یہ دونوں روزے ایک ہی ہوتے تو دوبارہ حکم بتانے کی کیا حاجت تھی۔ تیسرے یہ کہ اِن روزوں کی نسبت اُن لوگوں کو بھی جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں خدا نے اختیار دیا تھا کہ چاہیں روزہ رکھیں اور چاہیں فدیہ دیں، مگر رمضان کے روزوں کی نسبت یہ اختیار نہیں دیا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ روزے رمضان کے سوا تھے ÷

www.poetrymania.com©

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ
إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَ
أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ
كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ
بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ
اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ
يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ
الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ
أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا
تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ
فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۱۸۳

حلال کیا گیا تمھارے لیئے روزہ کی رات
کو اپنی بی بیوں سے اختلاط کرنا، وہ زیبائش
ہیں تمھارے لیئے اور تم زیبائش ہو اُنکے لیئے خدا
نے جانا کہ تم اپنے لیئے خیانت کرتے تھے، پھر معاف
کیا تمکو اور درگذر کی تمسے، پھر اب اُنسے مخالطت
کرو، اور تابعداری کرو اُنکی جو لکھا ہے اللہ نے
تمھارے لیئے، اور کھاؤ اور پیو جبتک کہ نمودار ہو
تمکو صبح کا سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے، پھر پورا
کرو روزہ کو رات تک اور مت مخالطت کرو بیبیوں
سے ایسی حالت میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے
والے ہو، یہ ہیں (مقرر کی ہوئیں) حدیں اللہ کی
پھر اُنکے پاس مت جاؤ، اسیطرح اللہ بیان کرتا ہے
لوگوں کے لیئے اپنی نشانیاں تاکہ وہ پرہیزگاری
کریں (۱۸۳)

اس رائے کی تائید اُن روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو معالم التنزیل میں لکھی ہیں کہ رمضان کے روزے فرض ہونیسے پہلے ہر مہینے میں تین روزے اور عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا، اور سترہ مہینے تک قبل فرض ہونے روزہ رمضان کے۔ اسیطرح رکھے گئے۔ اور حضرت عائشہ رضہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ آنحضرت نے مدینہ میں پہونچنے کے بعد عاشورہ کا روزہ رکھا، اور لوگوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ اور زمانہ جاہلیت میں قریش اور آنحضرت بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ اور ابن عباس سے ایک روایت لکھی ہے کہ ہجرت کے بعد جو حکم اول منسوخ ہوئے۔ وہ بیت المقدس

www.poetrymania.com©

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾	اور مت کھاؤ اپنے آپس میں (ایک دوسرے کا) مال ناحق، اور مت ڈالو اُسکا جھگڑا حاکموں تک، تاکہ کھالو ایک ٹکڑا لوگوں کے مال کا ساتھ گناہ کے حالانکہ تم جانتے ہو (۱۸۴)

کی طرف قبلہ ہونے اور روزہ رکھنے کے تھے۔ مگر یہ روایتیں ایسی ہیں جنکی صحت نہایت مشتبہ ہے ✣

جو لوگ اس رائے کے برخلاف ہیں، اور لفظ "صیام" سے جو اس مقام پر ہے رمضان ہی کے روزے مراد لیتے ہیں، وہ ان دلیلوں کا اس طرح پر جواب دیتے ہیں کہ اوّلاً خدا نے فرمایا کہ "تم پر روزے لکھے گئے"۔ یہ ایک مجمل حکم تھا جس سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ایک روزہ یا دو روزے یا کئی روزے۔ پھر اُسکے بعد فرمایا کہ "گنے ہوئے دنوں کے"۔ اس قول سے کچھ اجمال رفع ہوا۔ پھر فرمایا کہ "ماہ رمضان کے" جس سے ہر ایک بات متعین ہوگئی۔ پس اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ "صیام" اور "ایام معدودات" اور "شہر رمضان" تینوں کی ایک ہی مراد ہے، تو لفظ "صیام" کی سوائے رمضان کے اور روزوں کے مراد لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، اور یہ جو دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "ان صوم رمضان نسخ کل صوم"۔ اس سے یہ متحقق نہیں ہوتا کہ جو روزے منسوخ ہوئے وہ اسلام میں فرض تھے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ وہ روزے ہوں جو اور شریعتوں میں فرض تھے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ وہ وہی روزے تھے جو اسلام میں فرض تھے تو یہ کیونکر متحقق ہوگا کہ وہ وہی روزے تھے جو اس آیت سے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ اور یہ جو دلیل ہے کہ اگر یہ دونوں روزے ایک ہوتے تو بیمار اور مسافر کا حکم مکرر نہ بیان کیا جاتا، تو اُسکا جواب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں رمضان کے روزوں کے رکھنے یا فدیہ دینے کا اختیار تھا۔ مگر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور مسافر اور مریض کے لئے جو حکم تھا وہ بدستور باقی رہا۔ اس شبہ کے رفع ہونیکے لیئے کہ آیا بیمار و مسافر کے حق میں بھی وہ حکم منسوخ ہوگیا ہے یا نہیں اُس حکم کو مکرر بیان

www.poetrymania.com©

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۵﴾

پوچھتے ہیں تجھسے نئے چاندوں کے حال (سی) تو کہدے کہ یہ مقررہ وقت ہیں لوگوں کے لیئے اور حج کے لیئے، اور اسمیں کچھ نیکی نہیں ہے کہ گھروں میں اور اُنکے پچھواڑے سے، ولیکن نیکی اُس شخص کے لیئے ہے جو پرہیزگاری کرے اور آئے گھروں میں اُنکے دروازوں سے، اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ (۱۸۵)

کیا گیا۔ اور جبکہ فدیہ دینے کا حکم منسوخ ہوگیا تو یہ حجت کہ اُن روزوں میں فدیہ دینے کا اختیار تھا اور رمضان کے روزوں میں فدیہ دینے کا اختیار نہیں ہے اسلیئے وہ روزے رمضان کے علاوہ تھے پیش نہیں ہوسکتی ✦

اِن دونوں رایوں میں سے کوئی رائے تسلیم کیجائے اُسکا نتیجہ کہ آیت کا منسوخ ماننا پڑیگا کیونکہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لفظ ،،رمضان،، سے رمضان کے سوا اور روزے مراد تھے تو اُنکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس آیت میں خاص رمضان کے روزوں کا ذکر ہے اُس سے پہلے آیت منسوخ ہوگئی، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ،،صیام،، سے رمضان ہی کے روزے مراد ہیں تو وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جس آیت میں روزے رکھنے یا فدیہ دینے کا حکم تھا وہ رمضان کے روزوں کی آیت سے جسمیں یہ اختیار نہیں رہا منسوخ ہوگئی ہے ✦

اِسطرح پر ناسخ و منسوخ ماننے میں مشکل پیش آتی ہے کہ ایسی آیتوں کو جو بالکل متصل اور سلسلہ وار ہیں کسطرح ایک کو دوسری کا ناسخ تسلیم کریں۔ اِسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تلاوت میں آیتوں کا متصل ہونا اِس بات کا مستلزم نہیں ہے کہ وہ اسیطرح متصل نازل بھی ہوئی ہوں۔ بلکہ ایسا بھی ہے کہ منسوخ آیت نزول میں اول ہے اور ناسخ بعد۔ مگر تلاوت میں ناسخ مقدم ہوگئی ہے اور منسوخ بعد، وانا اقول فیہ نظر ✦

دوسری بات کی نسبت مفسّرین نے ایک مبہم بات لکھدی ہے تفسیر معالم التنزیل

www.poetrymania.com©

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۸۶﴾	اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑیں، اور زیادتی مت کرو، بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو (۱۸۶)

میں لکھا ہے کہ ،، من قبلکم سے مراد،، من الانبیاء والامم ،ہے ،اور تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ ،، من قبلکم ،، یعنی ،، الانبیاء والامم من لدن آدم ،۔ مگر یہ بیان محض ناکافی ہے، کیونکہ صاف بتانا چاہیئے کہ ،، من قبلکم سے کونسے نبی یا کونسی امت مراد ہے اسواسطے کہ اسبات کا کچھ ثبوت نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جسپر روزہ فرض نہو ہوا سلیئے اُس امت کا تعین کرنا ضرور ہے۔ مشرک قومیں جو روزے رکھتی تھیں اُنکی نسبت تو کہا ہی نہیں جاسکتا کہ خدا نے اُنپر روزے فرض کیئے تھے ،کیونکہ اُنکے اکثر روزے غیر خدا کے لیئے ہوتے تھے ۔قرآن مجید میں اکثر جگہ ،، من قبلکم ،، کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہوتا ہے، یعنی یہود اور نصاریٰ کی طرف ،اور اسلیئے ،، من قبلکم ،، سے اہل کتاب مراد لیئے جاتے ہیں اور اُنکی نسبت خدا کی طرف سے کسی حکم کا مقرر ہونا صادق بھی آسکتا ہے ۔

تیسری بات کی نسبت مفسرین نے یہود اور نصاریٰ کے روزوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہود اور نصاریٰ پر بھی خدا تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیئے تھے ۔نصاریٰ نے اُس مہینے کو بدلکر معین موسم میں روزوں کا رکھنا مقرر کیا، اور اِس تبدیل کے معاوضہ میں دس روزے بڑھا دیئے ۔اُسکے بعد اُنکا کوئی بادشاہ بیمار ہوا اور اُسکے اچھے ہونے کے لیئے سات روزوں کی نذر مانی جب وہ اچھا ہوا تو سات روزے اور بڑھا دیئے، سینتالیس ہو گئے ۔پھر اُنمیں ایک بادشاہ ہوا اُسنے کہا کہ تین روزوں کے چھوڑنے سے کیا فائدہ ہے اسلیئے اُنھوں نے پورے پچاس کر لیئے ۔بعضوں نے لکھا ہے کہ نصاریٰ احتیاطاً رمضان کے اول اور رمضان کے بعد بھی ایک ایک روزہ رکھتے تھے تاکہ رمضان کے مہینے میں کچھ

www.poetrymania.com©

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

اور مار ڈالو انکو جہاں انکو پاؤ اور نکالو انکو اسجگہ سے کہ انھوں نے تمکو نکالا ہی اور لوگونکو) مصیبت (میں ڈالدینا) زیادہ سخت ہی مار ڈالنے سے

نقصان نہ پڑے ۔ اُنکے بعد کے لوگ اسیطرح ایکا ایک بڑھاتے گئے یہانتک کہ پچاس تک نوبت پہنچگئی ۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ وہ بادشاہ نصارٰی کے مرگئے تھے اسلیئے اُنھوں نے رمضان سے پہلے دس روزے اور رمضان کے بعد دس روزے اور بڑھا لیئے ۔ ایک اور روایت بیان کیگئی ہی کہ خدا تعالیٰ نے رمضان کے روزے یہود اور نصارٰی پر فرض کیئے تھے ۔ یہودیوں نے اُسکو چھوڑ دیا اور بجائے اُسکے برس بھر میں صرف ایک روزہ اُسدن رکھنا اختیار کیا جسدن میں فرعون کا غرق ہونا وہ خیال کرتے تھے ، اور اُسدن کے اختیار کرنے میں بھی اُنھوں نے غلطی کی کیونکہ فرعون دسویں محرم کو غرق ہوا تھا ۔ یہ تمام اقوال مفسرین کے ایسے لغو و بیہودہ ہیں جیسیکہ اُنکی اور باتیں متعلق قصص اور حکایات کے لغو اور بے بنیاد ہوتی ہیں جنکی نہ کوئی سند ہوتی ہی اور نہ کوئی ثبوت ہوتا ہے ۔ یہود اور نصارٰے کے .... روزوں کے حالات جو اُنکی کتابوں سے معلوم ہوتے ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں ؛

کتاب خروج کے (جو توریت کی دوسری کتاب ہی) باب ۳۴ ورس ۲۸ سے معلوم ہوتا ہی کہ جب حضرت موسیٰ کوہ سینا پر تھے تو چالیس دن اور چالیس رات وہاں رہے ، اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا ۔ توریت کی کتاب استثنا باب ۹ ورس ۹ و ۱۸ و ۲۵ کی تفسیر (ہنری اسکاٹ) میں نہ روٹی کھانے اور نہ پانی پینے کی نسبت لکھا ہے کہ لوگوں کی معصیت کی وجہ سے موسیٰ نے دوسری دفعہ چالیس دن کا روزہ رکھا تھا ۔ اور بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے تین مرتبہ چالیس چالیس دن کا روزہ رکھا ہے ؛

کتاب لوبان کے (جو توریت کی تیسری کتاب ہے) باب ۱۶ ورس ۲۹ ، ۱ و باب ۲۳

www.poetrymania.com©

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸۷﴾	اور مت لڑو اُنسے مسجد حرام کے پاس جبتک کہ وہ تمسے اُسمیں نہ لڑیں، پھر اگر تمسے وہ لڑیں تو تم اُنکو مار ڈالو۔ اسیطرح ہی سزا کافروں کی (۱۸۷)

ورس ۲۷ و ۲۹ سے پایا جاتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کو روزے رکھنے کا حکم تھا، اور اُسمیں لکھا ہے کہ جو کوئی اُسدن روزہ نہ رکھیگا اپنی قوم سے منقطع ہو جائیگا۔ اور اعمال حواریان باب ۲۷ ورس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزے رکھا کرتے تھے ✣

انجیل لوقا باب ۱۸ ورس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ فروسی ہفتہ میں دو دن روزہ رکھا کرتے تھے، ایک پانچویں دن جبکہ حضرت موسیٰ کوہ سینا پر چڑھے تھے اور ایک دوسرے دن جبکہ اُترے تھے ✣

کتاب زکریا باب ۸ ورس ۱۹ سے پایا جاتا ہے کہ یہودی چوتھے مہینے اور پانچویں مہینے اور دسویں مہینے میں بھی روزہ رکھتے تھے۔ چوتھے مہینے یعنی تموز میں سترھویں تاریخ کو بیت المقدس کی تباہی کے غم میں جو بخت نصر کے ہاتھ سے ہوئی تھی۔ پانچویں مہینے یعنے آب میں نویں تاریخ کو بیت المقدس کے شہر کے جلنے کے غم میں جسکو نبوزردان شاہ بابل کے افسر نے جلایا تھا۔ ساتویں مہینے یعنی تشری کی دسویں تاریخ کو جدلیا کے قتل ہونے کے غم میں جو بمقام مصیاہ مارا گیا تھا۔ دسویں مہینے یعنی تبث کی دسویں تاریخ کو بیت المقدس کے غم میں جبکہ بخت نصر نے بیت المقدس کا محاصرہ شروع کیا تھا ✣

کتاب اول ملوک باب ۲۱ ورس ۹ و کتاب دوم تواریخ الملوک باب ۲۰ ورس ۳ میں ایک دن کا روزہ ہے جسکو ملکہ ایزبل نے اپنے شوہر اخاب کی خاطر سے منادی کرا کے مقرر کرایا تھا ✣

کتاب قضاۃ باب ۲۰ ورس ۲۶ سے ایک دن روزہ کا مقرر ہونا پایا جاتا ہے جبکہ بنی اسرائیل نے قوم بنیامین سے شکست پائی تھی اور بیت المقدس میں اُنکو فتح کے لیئے دعا مانگی تھی ✣

کتاب اول سموئیل باب ۳۱ ورس ۱۳ سے پایا جاتا ہے کہ شاؤل یعنی طالوت کے مرنے

www.poetrymania.com©

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۹۸) وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۱۹۹)

پھر اگر وہ باز رہیں تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۱۹۸) اور لڑو اُنسے جبتک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کا دین ہو جاوے پھر اگر وہ باز رہیں تو زیادتی کرنا نہیں چاہئے مگر ظالموں پر (۱۹۹)

کے غم میں سات روزے مقرر ہوئے تھے جو اُسکی ہڈیوں کے دفن کرنے کے بعد رکھے گئے تھے ✦

کتاب یوناہ باب ۳ ورس ۵ میں ایک اور روزہ کا مقرر ہوتا پایا جاتا ہے جبکہ نینوہ کے لوگ ایمان لائے تھے ✦

کتاب دانیال باب ۱۰ ورس ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال نے تین ہفتہ تک روزے رکھے تھے ✦

کتاب اول ملوک باب ۱۹ ورس ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس کوہ حوریب کو گئے تھے تو اُنھوں نے چالیس دن اور رات روزے رکھے تھے ✦

علاوہ انکے اور روزے بھی مثلاً خدا تعالیٰ کی خفگی دور کرنے کے لئے، یا اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، یا کسی بلا یا مصیبت کو ٹالنے کے لئے، یا کسی ذاتی یا خاندانی امور کے متعلق جسطرح کہ منت وغیرہ کے ایفا میں ہوتا ہے یہودی روزے رکھا کرتے تھے ✦

انجیل متی باب ۴ ورس ۱-۱۱ اور انجیل لوقا باب ۴ ورس ۱-۱۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰؑ نے بھی جبکہ وہ بیابان میں تھے چالیس دن اور رات روزے رکھے تھے ✦ علاوہ اسکے انجیل متی کے باب ۱۷ ورس ۲۱ سے جسمیں یہ لکھا ہے کہ ،،یہ نہج اس قسم کا شیطان بجز دعا اور روزہ کے نہیں جاتا ہے،، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں روزہ بعض امور خاص میں اثر بد کے دفع کرنے کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا تھا ✦

انجیل متی باب ۹ ورس ۱۴ کے مضمون سے عیسائی خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے روزوں کا رکھنا موقوف کر دیا، مگر اسکے ساتھ اسمیں یہ بھی اشارہ ہے کہ بعد حضرت عیسےٰؑ کے

www.poetrymania.com©

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۰﴾	حرمت والا مہینا بدلے حرمت والے مہینے کے، اور حرمتوں کا ایکدوسرے سے بدلا ہوتا ہے پھر جسنے زیادتی کی، تمپر پس زیادتی کرو تم اُسپر جیسے کہ اُسنے تمپر زیادتی کی، اور ڈرو اللہ سے، اور جان لو کہ بیشک اللہ ڈرنیوالوں کے ساتھ ہے (۱۹۰)

رکھنے ہونگے +

ان تمام حالات پر جو اوپر بیان ہوئے غور کرنے سے اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ یہودیوں پر ایک روزہ جو ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو رکھا جاتا تھا، اور جو کفارہ کا روزہ کہلاتا تھا بلاشبہ فرض تھا، اور چونکہ عیسائی بھی یہودی شریعت کے تابع ہیں اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ روزہ اُنپر بھی فرض تھا۔ چالیس دن کے روزے جو حضرت موسیٰؑ نے کوہ سینا پر اور حضرت عیسےٰؑ نے بیابان میں رکھے ممکن ہے کہ فرض ہوں مگر توریت یا انجیل میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے فرضیت اُن روزوں کی ثابت کیجاسکے۔ علاوہ اسکے جسقدر روزوں کا بیان ہے وہ سب روزے کیا یہودی مذہب میں اور کیا عیسائی مذہب میں فرض روزے نہیں معلوم ہوتے بلکہ بطور نفل روح کے تزکیہ اور عبادت کے ثواب حاصل کرنیکے لئے معلوم ہوتے ہیں +

چوتھی بات کی نسبت بھی مفسروں میں اختلاف ہے جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ لفظ "کما" کی تشبیہ سے روزوں کے عدد میں مشابہت مراد تھی انکی رائے کی غلطی تو صریح ظاہر ہے، کیونکہ یہود اور نصارٰی پر نہ ایام بیض کے روزوں کا فرض ہونا پایا جاتا ہے، نہ رمضان کے تیس یا انتیس روزوں کا۔ اور جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اس تشبیہ سے روزے کی مدت میں مشابہت مراد ہے یعنی جسوقت سے جسوقت تک یہودی روزہ رکھتے تھے اسیوقت سے اُسیوقت تک مسلمانوں پر بھی روزہ فرض ہوا ہے، یہ رائے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہودی دن کے ختم ہونیکے بعد روزہ کھولکر

www.poetrymania.com©

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۱۹۱	اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور مت ڈالو (اپنے تئیں) اپنے ہاتھوں سے تہلکہ میں اور احسان کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو (۱۹۱)

کچھ کھا پی لیتے تھے، اور پھر اُسی وقت سے اُنکا روزہ شروع ہوجاتا تھا اور اسی وجہ سے توریت اور انجیل میں دن رات کا روزہ رکھنا بیان ہوتا ہے کیونکہ رات بھی روزہ میں داخل تھی۔ مسلمان بھی اِن باتوں میں جنکی نسبت کوئی خاص حکم نہیں ہوتا تھا اکثر یہودیوں کی پیروی کرتے تھے، اور اسلیئے وہ بھی یہودیوں کی طرح روزہ رکھتے تھے۔ لیکن کوئی خاص حکم اسطرح پر روزہ رکھنے کا مسلمانوں کے لیئے نہ تھا۔ ،، کما کے لفظ کے ساتھ جو اِس آیت میں ہے کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ مشابہت روزہ کی مدت میں تھی۔ اِس آیت میں صرف اسقدر بیان ہوا ہے کہ جسطرح تم سے اگلوں پر روزے مقرر کیئے گئے تھے اُسیطرح تم پر بھی مقرر کیئے گئے ہیں، اور اِس تشبیہ سے مدت میں مشابہت قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ صرف نفس فرضیت میں تشبیہ مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں زجاج کا قول لکھا ہے کہ، ،، موضع کما نصب علی المصدر لان المعنی فرض علیکم فرضاً کالذی فرض علی الذین من قبلکم اور ابو علی کا قول لکھا ہے کہ ،، ھو صفة لمصدر محذوف تقدیرہ کتابة کما کتب علیھم فحذف المصدر واقیم مقامه۔ مگر جبکہ یہ بات ابتک ثابت نہیں ہوئی کہ درحقیقت خدا کی طرف سے یہودیوں اور عیسائیوں پر روزے فرض تھے تو، کما، کے لفظ سے نفس فرضیت میں بھی تشبیہ کیونکر تسلیم کیا وے ؟

اِن چاروں مباحثوں کی نسبت جو میری سمجھ ہے وہ یہ ہے کہ (۱) اُن روزوں سے جو کتب علیکم الصیام کی آیت میں ہیں رمضان ہی کے روزے مراد ہیں۔

www.poetrymania.com©

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ	اور پورا کرو حج کو اور عمرہ کو اللہ کے لیئے پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو کچھ میسر ہو قربانی سے (وہ کرلو) اور اپنے سروں کو مت منڈاؤ جبتک کہ پہنچے قربانی اپنی جگہہ ۔

(۲)۔ من قبلکم، سے اہل کتاب مراد ہیں ۔ (۳) اس آیت میں اس بات کی کہ اہل کتاب پر کوئی روزے فرض تھے یا نہ تھے کچھ علاقہ نہیں ہے ۔ (۴)، کما، کے لفظ سے نہ عدد میں تشبیہ مراد ہے نہ مدت میں اور نہ نفس فرضیت میں بلکہ صرف سبب صیام میں تشبیہ مراد ہے ۔ زمانہ نزول وحی میں حضرت موسیٰ ؑ نے چالیس دن پہاڑ میں اور حضرت عیسیٰ ؑ نے چالیس دن بیابان میں بسر کیئے ۔ توریت اور انجیل دونوں سے پایا جاتا ہے کہ اُن دنوں میں وہ روزہ دار تھے بعد کو اُنکی امت نے اُنکی متابعت کے خیال سے اُن دنوں میں ہر سال روزے رکھنے اختیار کیئے تھے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کو جو نزول وحی کا مہینہ تھا کوہ حرا میں بسر کیا، اور آپ بھی اُس زمانہ میں روزہ دار تھے ۔ پس خدا نے فرمایا کہ جسطرح یہودیوں اور عیسائیوں نے بمناسبت اپنے نبی کے اُس زمانہ میں روزے اختیار کیے تھے اُسیطرح تم بھی اختیار کرو ۔ پس جو سبب کہ اہل کتاب کے روزے اختیار کرنے کا تھا وہی سبب مسلمانوں پر روزوں کے مقرر ہونے کا ہے ، اور ، کما ، کے لفظ سے اُسی سبب صیام میں تشبیہ دیگئی ہے +

مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ ان آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ ہے یہ کہنا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ روزے رمضان کے سوا تھے اور پھر یہ تسلیم کرنا کہ اُسکے بعد کی آیت نے جسمیں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کردیا ہے ایسا ہی مشکل ہے جیسیکہ اس رائے کو تسلیم کرکے کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہو وہ رمضان ہی کے روزے ہیں

www.poetrymania.com©

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۲﴾

پھر تم میں سے جو شخص کہ بیمار ہو یا اسکے سر میں کچھ دکھ ہو تو اسکا بدلا ہے روزہ یا صدقہ یا قربانی کے ساتھ پھر جب تم امن میں ہو تو جو شخص فائدہ اٹھاوے عمرہ کے ساتھ حج کا تو جو کچھ میسر ہو قربانی سے (وہ کرے) پھر جو شخص کہ نہ پاوے تو تین روزے حج کے دنوں میں ہیں اور سات جبکہ تم پھرو، یہ پورے دس ہوئے، یہ اسکے لئے ہے جسکے اہل (وعیال) مسجد حرام کے رہنے والے نہوں، اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے (۱۹۲)

مگر پچھلی آیت سے جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا منسوخ ہوگیا ہے تسلیم کرنا مشکل ہے۔ پچھلی آیت میں جسکو ناسخ قرار دیا جاتا ہے کوئی اشارہ کسی قسم کا پہلی آیت کے حکم کے منسوخ ہونے کا نہیں ہے، صرف قیاساً یہ بات قرار دیجاتی ہے کہ پہلی آیت کے روزے رمضان کے روزوں سے علحدہ تھے، جنکی نسبت قرآن میں بیان ہے کہ وہ گئے ہوئے اور گونے تھے، اور اس قیاس کے قرار دینے کے بعد کہا جاتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی آیت نے اُس حکم کو منسوخ کر دیا جسمیں کچھ بھی اشارہ منسوخ کرنیکا نہیں ہے۔ حدیث پر جو استدلال کیا گیا ہے اول تو اُسکی صحت میں کلام ہے، پھر اس بات میں کلام ہے کہ حدیث اور خصوصاً خبر احاد سے قرآن کا حکم منسوخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یا قیاساً یہ بات قرار دیجاتی ہے کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ وہی رمضان کے روزے ہیں جنکا پچھلی آیت میں ذکر ہے اور پھر بغیر کسی اشارہ کے کہا جاتا ہے کہ جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا

www.poetrymania.com©

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۳﴾

حج کے لیئے مہینے معلوم ہیں پس جس شخص نے کہ اُن مہینوں میں اپنے پر حج کو فرض کیا تو حج میں نہ عورتوں سے مخالطت کرنی چاہیے اور نہ بدکاری اور نہ لڑائی اور جو کچھ تم نیکی کرتے ہو اُسکو اللہ جانتا ہی اور توشہ لو پھر بیشک اچھا توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھسے ڈرو اے عقل والوں (۱۹۳)

وہ پچھلی آیت سے منسوخ ہوگیا۔ اگر قرآن میں اسطرح پر ناسخ و منسوخ کو تسلیم کیا جاوے تو اُس کے احکام کا منسوخ ہونا اور قائم رہنا صرف لوگوں کے قیاس پر منحصر ہوجاتا ہے جو کسی طرح تسلیم کے لائق نہیں ہے

فدیہ دینے کی آیت میں جو حکم ہی وہ منسوخ نہیں ہوا اور وہ آیت یہ ہی، "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون"۔۔ اِس آیت میں جو لفظ "یطیقون" کا ہی اُسکی اور بھی قرأتیں ہیں مثلاً "یُطَوِّقُوْنَهٗ" یے کے پیش اور واؤ کے تشدید سے، یا یے کے زبر اور طا اور واؤ دونوں کی تشدید سے، جسکے معنی کسی کام کے تکلیف اُٹھاکر ہونے کے ہیں، مگر جو مشہور قرأت ہی ہم اُسکو اختیار کرتے ہیں بعض علمائے مفسرین کی یہ رائے ہی کہ فدیہ کا حکم بھی مسافر اور مریض سے علاقہ رکھتا ہے کیونکہ بعض مریض اور مسافر ایسے ہوتے ہیں جو مطلق روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ـــ پہلے قسم کے مسافر اور بیمار کے لیئے یہ حکم ہے کہ وہ اور دنوں میں روزہ رکھ لیں اور دوسرے قسم کے مسافر اور بیمار کے لیئے یہ حکم ہی کہ وہ چاہیں روزہ رکھیں اور چاہیں فدیہ دیں مگر یہ معنی صحیح نہیں ہوسکتے کیونکہ "علی الذین" سے بتخصیص بیمار اور مسافر مراد

www.poetrymania.com©

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۱۹۴	تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ (موسم حج میں) تلاش کرو فضل (یعنی روزی) اپنے پروردگار سے پھر جبکہ تم پھرو عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام (یعنی مسجد حرام) کے پاس اور اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ تمکو ہدایت کی ہے اور اگرچہ اس سے پہلے البتہ تم گمراہوں میں سے تھے (۱۹۴)

لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور جو رعایت اول قسم کے بیمار اور مسافر کی ہونی چاہیے تھی وہ دوسری قسم کے بیمار اور مسافر کی ہوتی ہے +

بعض علما کا یہ قول ہے (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۹۵) کہ "یطیقون" کے معنی بھی مشکل اور تکلیف سے کسی کام کے انجام ہونے کے ہیں۔ دو لفظ ہیں ایک "وسع" اور ایک "طاقت"۔ "وسع" اُس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے قادر ہو۔ اور "طاقت" اُس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر مشکل سے اور تکلیف اٹھا کر قادر ہو۔ اور وہ شاذ قرائتیں جنکا اوپر ذکر کیا ہے اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں پس "یطیقونہ" کے معنے "یستصعبونہ" کے ہونگے جو لوگ کہ روزہ رکھنے کی نہایت تکلیف اور سختی اٹھا کر طاقت رکھتے ہیں اُنکو اجازت ہے کہ روزہ رکھنے کے بدلے فدیہ دیدیں پس یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اپنے حکم پر بحال ہے +

بعض علمائے مفسرین نے بھی جیسا کہ تفسیر کبیر میں مندرج ہے اسبات کو تسلیم کیا ہے مگر یہ بحث پیش کی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو نہایت تکلیف اور سختی اٹھا کر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ وہ لوگ وہ ہیں جو بہت بڈھے ہو گئے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رض اپنے مرنے سے پہلے روزہ نہیں رکھتے تھے انکو روزہ رکھنے میں سختی اور دشواری معلوم ہوتی تھی اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے

www.poetrymania.com©

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۵﴾	پھر پھرو جہاں سے لوگ پھرتے ہیں اور اللہ سے بخشش چاہو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۱۹۵)

تھے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ بڈھے آدمی کی کیوں قید لگائی ہے۔ قرآن مجید میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے "الذین" سے صرف بڈھا ہی آدمی مخصوص کیا جائے تمام انسان بڈھے ہوں یا جوان انکی حالت باعتبار خلقت اور موسم اور ملک کے مختلف ہوتی ہے۔ بہت سے جوان آدمی بلحاظ اپنی خلقت کے ایسے ہوتے ہیں کہ انکو روزہ میں سے نہایت تکلیف اور مشقت ہوتی ہے۔ اور بعضے بڈھے ایسے ہوتے ہیں کہ انکو روزہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ پھر موسم کے اختلاف کے سبب سے بہت اختلاف پڑجاتا ہے۔ وہی لوگ جو ایک موسم میں نہایت آسانی سے روزہ رکھ سکتے ہیں دوسرے موسم میں روزہ رکھنے میں نہایت سختی اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ایک ملک کے لوگ جبکہ دن ایک معتدل مقدار کا ہوتا ہے آسانی سے روزہ رکھینگے اور وہی لوگ جبکہ دن بڑا ہوتا ہے نہایت تکلیف و سختی روزہ رکھنے میں اٹھا دینگے۔ بلکہ بعض ملکوں میں کبھی دن اتنا بڑا ہوجاتا ہے کہ انسان کی طاقت سے روزہ رکھنا خارج ہوتا ہے۔ جیسیکہ ارض تسعین میں جہاں چھ مہینے کا دن ہوتا ہے اور ارض ستین میں جہاں بعض موسموں میں غروب اور طلوع میں اسقدر فاصلہ ہوتا ہے جسکی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ رات ہوتی ہی نہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے ان تمام حالات کے لحاظ سے جو اسکے علم میں تھے نہایت عمدہ ترتیب سے جو فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہے یہ حکم دیا ہے کہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین"۔ پھر اسکو شخص و من شخص سے مقید کرنا ایک غلطی اور زیادتی علی الکتاب ہے۔

پہلی آیتوں میں جہاں بیمار اور مسافر کا اور ان لوگوں کا جو بدشواری روزہ برداشت کرسکتے ہیں حکم ہے ان آیتوں کا علانیہ یہ منشا تھا کہ مریض اور مسافر کو روزے

www.poetrymania.com©

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ
اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي
الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنْ خَلَاقٍ ۱۹۶

پھر جب تم پورے کر چکو اپنے ارکان حج پھر یاد کرو اللہ کو جسطرح کہ یاد کرتے ہو تم اپنے باپ دادا کو یا اس سے زیادہ یاد کرنا۔ پھر لوگوں میں سے کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو دے دنیا میں، اور نہیں ہے اسکو آخرت میں کچھ حصہ (۱۹۶)

کا رکھنا بہتر ہے۔ مگر اُن لوگوں کی نسبت جو بدشواری روزہ رکھ سکتے تھے یہ منشا تھا کہ اُنکو روزہ رکھنا بہتر ہے، جیسا کہ ان لفظوں سے کہ ... "وان تصوموا خیر لکم" پایا جاتا ہے۔ اسی منشا سے پچھلی آیتوں میں جنمیں روزوں کو رمضان کے ساتھ مخصوص کیا ہے مریض اور مسافر کا مکرر ذکر کیا، اور اُن لوگوں کا جو بدشواری روزہ برداشت کر سکتے تھے ذکر چھوڑ دیا ہے کیونکہ انکے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر تھا +

ان تمام بحثوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ رمضان ہی کے روزے ہیں، اور کوئی حکم اور کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور تمام آیتوں پر لحاظ کرنے کے بعد روزوں کی نسبت مفصلہ ذیل حکم پائے جاتے ہیں +

۱۔ روزے رمضان کے ہر مسلمان پر لکھے گئے ہیں جسکو شرعی اصطلاح میں فرض کہتے ہیں +

۲۔ روزوں کے رکھنے سے یہ فرض ادا ہوتا ہے +

۳۔ اگر رمضان کے مہینے میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اُسکو روزہ رکھنا نہیں چاہئے اور اور دنوں میں جبکہ وہ تندرست ہو اور سفر ختم ہو جاوے تو اُسکے بدلے روزے رکھ لے +

۴۔ جن لوگوں کو روزہ رکھنے میں زیادہ سختی اور تکلیف ہوتی ہے اور بمشکل روزہ رکھ سکتے ہیں انکو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیں۔ مگر انکے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر ہے +

جو لوگ کہ روزہ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ وہ انسان کی تکلیف کا باعث ہے اور

www.poetrymania.com©

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩٧﴾	اور اُنمیں سے کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو دے دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی، اور بچا ہمکو آگ کے عذاب سے (۱۹۷)

صحت جسمانی کا نہایت مضر ہے، اور بعض ملکوں میں اُسکا ادا کرنا غیر ممکن ہے؛ اُنکو تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جس ترتیب اور خوبی سے خدا نے روزوں کا ذکر کیا ہے وہ نہ تکلیف کا باعث ہے، اور نہ صحت جسمانی کو مضر ہے، اور نہ خلاف فطرت انسانی ہے، اور نہ کسی ملک کے رہنے والوں کے خلاف طاقت ہے۔ مگر ایک بحث البتہ باقی ہے کہ آیا وہ فی نفسہ عبادت بھی ہے یا نہیں، اور اگر عبادت ہے تو کیونکر چنانچہ اِس بحث کو ہم شروع کرتے ہیں *

جسقدر کثرت سے یہود اور متقدمین عیسائی روزے رکھتے تھے اُس سے ظاہر ہے کہ اُنکا خیال روزہ رکھنے سے تزکیہ نفس اور خدا کی رضامندی اور خدا کی عبادت کا تھا۔ ابتدائے زمانہ میں جبکہ انسان نے شائستگی کی طرف میلان شروع کیا تھا تمام لوگوں کو یہ خیال تھا کہ خدا اپنی مخلوق سے نہایت راضی ہوتا ہے اگر مخلوق قصدًا اپنے بدن کو اپنی روح کو خدا کی خوشنودی کی نیت سے تکلیف مصیبت میں ڈالے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض قوموں نے تکالیف شاقہ اپنے پر گوارا کی ہیں۔ کسی نے ایک غار میں اپنی تمام زندگی بسر کر دی۔ جب ہم ہندو جوگیوں اور قدیم عیسائی فقیروں کے رہنے کے غار اور پہاڑوں کی تنگ و تاریک کھوئیں دیکھتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے، اور مذہبی خیالات کا جو غلبہ انسان پر ہوتا ہے اُسکا اندازہ کیا جاتا ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ اُنہی خیالات کے سبب سے انسان نے کسقدر تکلیفیں اپنے اوپر گوارا کی ہیں۔ کوئی اپنا ہاتھ اونچا کر کے سکھا دیتا ہے، کوئی بیٹھنا اور لیٹنا چھوڑ دیتا ہے اور تمام عمر کھڑے رہکر گذار دیتا ہے۔ کوئی لذیذ غذا کو چھوڑ دیتا ہے، اور تمام عمر صرف نہایت حقیر اور کثیف غذا پر زندگی

www.poetrymania.com©

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۸﴾	یہی لوگ ہیں کہ اُنکے لیے حصہ ہو اُسمیں سے جو اُنھوں نے کمایا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۱۹۸)

بسر کرتا ہو۔ کوئی پلنگ پر سونا اور شادی کرنا چھوڑ دیتا ہی جسکی بہت سی مثالیں اب بھی ہمکو ہزاروں عیسائی مانک اور نن میں دکھائی دیتی ہیں۔ غرضکہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ہوا ہی۔ اسی خیال سے جان کی قربانی مروج ہوئی "اور یہانتک نوبت پہنچی کہ انسان نے اپنی جان کی اور اپنی اولاد کی جان کی گناہ سے روح کو پاک کرنے کے خیال سے قربانی کی۔ یہ ایک عجیب خیال تھا کہ خدا یا دیوتا انسان کی زندگی کو آسایش سے بسر کرنا پسند نہیں کرتا۔ تمام یونانی اور رومی مذہبی افسانوں سے یہ خیال مترشح ہوتا ہے کہ دیوتا یا خدا انسان کے عیش کو روا نہیں رکھتا +

ابتدا میں جبکہ انسان کی غذا صرف زمین کی قدرتی پیداوار اور جنگل کے جانوروں کے شکار پر منحصر تھی کبھی کبھی فاقہ گذرجانا لازمی امر ہوگا۔ نیم وحشی انسانوں کو غذا سے زیادہ کوئی چیز حظ دینے والی نہوگی۔ جب انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دیوتا یا خدا انسان کی جسمانی تکلیف سے راضی ہوتا ہی تو اُس وقت روزہ نے مذہبی امر ہونیکا درجہ پایا ہوگا۔ توریت میں جہاں روزہ رکھنے کا حکم ہی وہاں بھی حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا ہی کہ "اپنی روحوں کو مبتلا کرو"۔ عبری زبان کے قدیمی محاورہ کے موافق روح کے مبتلا کرنے سے روزہ رکھنا مراد ہوتا ہے پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ روزہ رکھنا اُسی خیال سے کہ خدا ریاضت بدنی سے راضی ہوتا ہی مذہبی امر قرار پایا ہے +

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو کہ خدا انسان کی ریاضت بدنی یعنی جسم اور روح کو تکلیف میں ڈالنے سے راضی ہوتا ہی متعدد طرح سے باطل

www.poetrymania.com©

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (199)

اور یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں (یعنی ایام تشریق میں جو پانچیں ہیں ۹ سے ۱۳ تک) پھر جس شخص نے کہ جلدی کی (کوچ کرنے میں) دو دن میں تو اسپر کچھ گناہ نہیں، اور جسنے تاخیر کی (کوچ کرنے میں) تو اسپر بھی کچھ گناہ نہیں اُس شخص کے لیئے جو پرہیزگاری کرتا ہے، اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک تم اُسکے پاس اکٹھے کیئے جاؤگے (۱۹۹)

کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔ اِسلیئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس خیال پر رمضان کے روزوں کا حکم دیا ہو۔ مگر انبیا کا کام صرف سمجھدار ہی لوگوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ اُنکو تمام لوگوں سے کام پڑتا ہے اور عام لوگوں کو ایسے امور کی نسبت جس سے اُنکو خدا کے رضامند کرنے کا خیال پیدا ہو زیادہ خیال ہوتا ہے۔ عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اُس رسم کے جاری رکھنے کی ایک عمدہ اور آسان اور غیر مخالف فطرت انسانی کے طریقہ میں اجازت دی۔ چنانچہ الفاظ "کما کتب علی الذین من قبلکم" صاف اِسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اِس رسم کے موجد نہ تھے، بلکہ اِس رسم کو صرف بدستور قائم رہنے دیا تھا۔ باایںہمہ اُس رسم کی سختی کو نہایت عمدگی سے نرم اور قابل برداشت کر دیا، کہ بیماروں اور مسافروں کو اور دنوں میں اور جو لوگ روزہ سے زیادہ تکلیف اُٹھاتے ہیں روزہ رکھنے اور فدیہ دینے میں مجاز کر دیا ✦

باوجود اِن سب باتوں کے جبکہ روزہ حدِ اعتدال سے نہ گذر جاوے اور وبال جان نہ ہوجاوے، اور انسان پر صعوبت نہ ڈالے جسکا اشارہ "یطیقونہ" کے لفظ

www.poetrymania.com©

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۰﴾ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۱﴾

اور لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ اُسکی بات تجھکو دنیا کی زندگی کے تعجب میں ڈالتی ہے، اور اللہ کو گواہ لاتا ہے اُس چیز پر جو اُسکے دل میں ہے حالانکہ وہ بیحد جھگڑالو ہے (۲۰۰) اور جب پیٹھ موڑتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے تاکہ اسمیں فساد کرے اور ضایع کرے کھیتی کو اور مویشی کو، اور اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کو (۲۰۱)

میں ہے، تو بلاشبہ تزکیۂ نفس اور روح میں نیکی اور صلاحیت پیدا ہونیکا ذریعہ ہے۔ کم کھانا بلاشبہ انسان کے دل اور دماغ کو زیادہ صحیح اور درست رکھتا ہے، اور انسان کے دل کو خدا کی طرف زیادہ تر متوجہ کرتا ہے، اور جو عبادت خدا کی غیر روزہ کی حالت میں کی جاتی ہے روزہ کی حالت میں زیادہ تر دلی توجہ سے ہوتی ہے۔ اسکا یہ سبب نہیں ہے کہ انسان کو اپنے تئیں تکلیف میں ڈالنا خدا کو پسند آتا ہے۔ بلکہ یہ سبب ہے کہ انسان میں یہ ایک فطرتی امر ہے کہ جب کسی خاص امر کی طرف زیادہ تر متوجہ ہوتا ہے تو اُسکو غذا کی طرف کم رغبت یا کم توجہ ہوتی ہے۔ اسیطرح قلیل غذا انسان کو اُس طرف جسپر توجہ کرنی چاہتا ہے زیادہ تر متوجہ کردیتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ روزہ کی حالت میں خدا کی عبادت غیر روزہ کی حالت کی بہ نسبت زیادہ تر توجہ اور خلوص سے ہوتی ہے۔ اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کی رسم کو ایک نہایت اعتدال سے جاری رہنے دیا

حضرت موسیٰؑ نے کوہ سینا پر، یا حضرت عیسیٰؑ نے بیابان میں، یا محمد رسول اللہ صلعم نے کوہ حرا میں، جبکہ زمانہ نزول وحی قریب تر تھا روزے رکھنے اختیار کیے یا غذا سے پرہیز کیا، یا معمولی غذا میں کمی کی، اسکا یہی سبب تھا۔ پس جبکہ روزہ ایسی حالت میں کہ اُسکا رکھنا شاق نہ گذرے تزکیۂ نفس اور روحانی نیکی کا ذریعہ ہے تو اُس رسم کا نہایت اعتدال کے ساتھ قائم رکھنا جسطرح کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم

www.poetrymania.com©

وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۳﴾

اور جبکہ اُس سے کہا جاوے کہ خدا سے ڈر تو اُسکو پکڑ لیتا ہے تکبر گناہ پر۔ پھر کافی ہی اُسکو جہنم اور البتہ وہ بُری جگہ ہے (۲۰۲) اور بعض آدمی وہ ہیں جو بیچتے ہیں اپنے آپ کو خدا کی رضامندیوں کی طلب میں اور اللہ بندوں پر مہربان ہی (۲۰۳)

رکھی فطرت انسانی کے بالکل مطابق و موافق ہے ؂

(۱۸۳) (اُحِلَّ لَکُمْ) یہودی اور عیسائی دن رات کا روزہ رکھتے تھے یعنی روزہ افطار کرنے کے بعد ہی سے دوسرا روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ توریت اور انجیل میں جہاں روزہ کا ذکر ہے دن رات کا روزہ بیان ہوا ہی۔ ماہ رمضان کے روزوں کا جب حکم ہوا تو کوئی حد روزے کی مقرر نہ تھی۔ مسلمان بھی یہودیوں کی دیکھا دیکھی دن رات کا روزہ رکھتے تھے جو انپر نہایت شاق گذرتا تھا اور جس منشاء سے کہ محمد رسول اللہ صلعم نے اس رسم کو قائم رکھا تھا اسکے بھی مخالف تھا۔ اسلیئے اِس آیت میں خدا کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ صرف دن ہی کا روزہ رکھنا چاہیئے۔ رات جو آرام کے لیئے ہی وہ روزہ میں داخل نہیں ہی۔ اِس آیت سے یہ سمجھنا کہ پہلے مسلمانوں کو بھی دن رات کے روزہ رکھنے کا حکم تھا اور وہ حکم اِس آیت سے منسوخ ہو گیا محض غلطی ہے ؂

(۱۸۶) (وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ) اِس آیت میں اور جو آیتیں اسکے بعد ہیں اُن میں کافروں یا دشمنوں سے لڑنیکا حکم ہی۔ مگر صاف بیان کیا گیا ہی کہ جو تم سے لڑیں اُن سے لڑو اور زیادتی مت کرو۔ اکثر لوگ مذہب اسلام پر یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اُسمیں تحمل اور بردباری اور عاجزی کی تعلیم نہیں ہی اور مذہب کے سبب سے جو تکلیفیں کافروں کی طرف سے پہنچیں اُنکی صبر سے برداشت نہیں ہی۔ اور یہ باتیں مذہب کی سچائی اور نیکی اور اخلاق اور خدا کی راہ میں تکالیف برداشت کرنیکے برخلاف ہیں۔ مگر یہ ایک بڑی غلطی اور ناسمجھی ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید میں

www.poetrymania.com©

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۰۵	اے لوگوں جو ایمان لائے ہو داخل ہو اسلام میں سب کے سب، اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، بیشک وہ تمھارا دشمن ہے علانیہ (۲۰۴) پھر اگر تم ڈگمگا جاؤ بعد اسکے کہ تمھارے پاس آئی ہیں نشانیاں تو جان لو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۰۵)

جو احکام لڑائی کے نہایت نیکی اور انصاف پر مبنی تھے اُنکو مسلمانوں نے جو خلیفوں یا بادشاہوں کے نام سے مشہور ہوئے دینداری کے بہانے سے اپنی خواہش نفسانی کے پورا کرنے اور ملک گیری کے لیئے نہایت بداخلاقی اور ناانصافی سے برتا، اور وحشی درندوں سے بھی بدتر کام کیئے، اور علمائے اسلام نے اُنکی تائید کیلیئے ایسے مسئلے بیان کیئے جو اسلام کی روحانی نیکی کے برخلاف تھے۔ مگر اُنکے ایسا کرنیسے جو بُرائی یا عیب قرار دیا جاوے وہ اُنھی پر محدود ہے جنھوں نے ایسا کیا نہ اسلام پر۔ ہر ایک منصف مزاج کا اور ہر ایک معترض اور نکتہ چین کا یہ فرض ہے کہ اُن ظالموں کے کردار کو اُنھی پر محدود رکھے نہ یہ کہ اُنکے کردار سے مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرے۔

مذہب اسلام میں اگرچہ جابجا عفو و صبر و تحمل کی خوبیاں بیان کیگئی ہیں اور لوگوں کو اُسپر رغبت دلائی گئی ہے۔ مگر اُسی کے ساتھ بدلا لینے کی بھی بغیر زیادتی کے اجازت دی ہے۔ کیا یہ قانون دنیا کے پیدا کرنے والے کے قانون قدرت کے مناسب نہیں ہے؟ اور کیا اِس قانون سے زیادہ عمدہ اور سچا کوئی قانون ہو سکتا ہے؟ انسان جب اخلاق کی باتوں پر گفتگو کرتا ہے تو بہت سی ایسی باتیں اور ایسے اصول بیان کرتا ہے جو کان کو اور دل کو نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اور سننے و پڑھنے والے خیال کرتے ہیں کہ یہی اصول اخلاق کے اور یہی اصول اعلےٰ درجہ کی نیکی کے ہیں، مگر درحقیقت وہ ہوا کی آواز سے زیادہ

www.poetrymania.com©

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۰۶﴾	کیا وہ (کسی اور بات کا) انتظار کرتے ہیں بجز اسکے کہ آوے انکے لیئے اللہ سفید بادلوں کے سایوں میں اور فرشتے اور پورا کر دیا جاوے کام، اور اللہ ہی کی طرف سب کام رجوع کرتے ہیں (۲۰۶)

کچھ رتبہ نہیں رکھتے، اور جو کہ وہ اصول فطرت انسانی کے بلکہ قانون قدرت کے برخلاف ہوتے ہیں کبھی اُنپر عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ ایسا قانون بنانے سے جسپر کبھی عملدرآمد نہو سکے کوئی نتیجہ اور فائدہ مترتب نہیں ہوتا، بلکہ دل میں اُس قانون کی حقارت بیٹھتی ہے کہ وہ قانون قدرت کے برخلاف ہو ✤

کوئی کتاب دنیا میں انجیل سے زیادہ انسان کو نرم مزاج اور بردبار اور متحمل کرنے والی، اور اخلاق کو ایسی چمک سے دکھلانے والی جس سے آنکھوں میں چکا چوند آجاوے نہیں ہے۔ گو اُسکے مقولے ایسے نہیں ہیں کہ سب سے پہلے اُسی میں بیان کیئے گئے ہوں۔ بلکہ بہت سے ایسے ہیں جو اُس سے پہلے لوگوں نے بھی جنکے پیرو اب بُت پرست اور کافر گنے جاتے ہیں بیان کیئے ہیں۔ مگر ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ انکا لوگوں میں کیا اثر ہوا تھا ✤

انجیل میں لکھا ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اُسکے سامنے کر دے۔ بلاشبہ یہ مسئلہ اخلاق کے خیال سے تو بڑا عمدہ معلوم ہوتا ہے، مگر کسی زمانہ کے لوگوں نے اسپر عمل کیا ہی؟ اگر دنیا اسپر عمل کرے تو دنیا کا کیا حال ہو؟ اسیطرح آباد رہے، اور اسیطرح لوگوں کی جان و مال امن میں رہیں انہایت دلچسپ جواب دیا جاتا ہی کہ جب سب کے سب ایسے ہی ہو جاویں تو دنیا سے شر اٹھ جاوے۔ مگر پوچھا جاتا ہی کہ کبھی ایسا ہوا ہی؟ یا کبھی ایسا ہوگا؟ یہ سب ناشدنی باتیں ہیں جو خیال میں شدنی قرار دیکر انسان خیالی اور جھوٹی خوشی حاصل کرتا ہی۔ انجیل میں لکھا ہے کہ ،، تو اپنے کل کے کمانے کی فکر مت کر، خدا کل کی روزی پہنچانے کی فکر کرنیوالا ہے

www.poetrymania.com©

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۰۷﴾	پوچھ بنی اسرائیل سے کہ ہمنے انکو صریح نشانیوں میں سے کسقدر دیں اور جو کوئی بدلڈالے اللہ کی نعمت کو بعد اسکے کہ اُسکے پاس آچکی ہو، تو بیشک اللہ تعالی سخت عذاب کرنیوالا ہی (۲۰۷)

،، دل کو یہ مقولہ نہایت ہی پیارا اور اُس پیارے خدا پر اعتماد دلانیوالا معلوم ہوتا ہے، مگر کبھی کسی نے اسپر عمل کیا ہی؟ آیندہ کبھی اسپر عمل ہوگا؟ اگر ہم اس ناشدنی امر کو ایک لمحہ کے لیئے شدنی تصور کرکے تمام دنیا کے لوگوں کو اسی مقولہ پر عمل کرتا ہوا سمجھ لیں، تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟ پس اُس قسم کی تمام باتیں انسان کو دھوکا دینے والی ہیں، اور قانون قدرت کے برخلاف ہونیسے خود اپنی سچائی کو مشتبہ کرتی ہیں +

عیسائی مذہب جسکی جڑ ایسی نیکی اور نرمی اور اخلاق میں لگائی گئی تھی وہ پھولا اد پھلا، اور سرسبز و شاداب ہوا۔ اسکو چھوڑدو کہ وہ کس سبب بڑھا اور سرسبز ہوا مگر دیکھو کہ اُسنے کیا پھل پیدا کیا۔ ایک بھی نصیحت اُسکی کام نہ آئی، اور خود مذہب نے جو خونریزی اور بیرحمی اور ناانصافی، اور درندوں سے بھی زیادہ بدتر خصلت دکھلائی وہ شاید دنیا میں بےمثل ہوگی، اور جس نیکی میں اُسکی جڑ لگائی گئی تھی اُسنے کچھ پھل نہیں دیا، کیونکہ قانون قدرت کے برخلاف لگائی گئی تھی۔ جو خوبی کیا روحانی اور کیا اخلاقی اور کیا تمدنی اب ہم بعض عیسائی ملکوں میں دیکھتے ہیں کیا یہ پھل اُسی درخت کا ہی جسکی جڑ ایسی نیکی میں لگائی گئی تھی جو خلاف قانون قدرت تھی؟ حاشا و کلا، بلکہ یہ اُسکا پھل ہی کہ اُس درخت کو وہاں سے اکھاڑ کر دوسری زمین پر لگایا ہی جو قانون قدرت کی زمین ہی، اور جسقدر کہ پہلی زمین کی مٹی اُسکی جڑ میں لگی ہوئی ہے اُسیقدر اُسمیں نقصان ہے +

اس سے بھی زیادہ رحیم مذہب کا حال سنو جسنے ایک چھوٹے سے چھوٹے جانور کی جان کو بھی مارنا سخت گناہ قرار دیا ہی۔ خون کا بہانا، آدمی کا ہو یا درندے یا

www.poetrymania.com©

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۲۰۸	آراستہ کیگئی ہے اُن لوگوں کیلیئے جو کافر ہوئے دنیا کی زندگی، اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں، اور جو لوگ پرہیزگار ہیں قیامت کے دن اُنسے بالاتر ہونگے، اور اللہ رزق دیتا ہے جسکو چاہتا ہے بحساب (۲۰۸)

ایک پشتہ کا خدا کی صنعت کو ضایع کرنا سمجھا ہے، مگر تاریخ اور زمانہ موجود ہے اِس اصول نے جو قانون قدرت کے مخالف تھا کیا نتیجہ دیا۔ قتل و خونریزی ویسی ہی رہی اور ویسی ہی ہے جیسی کہ قانون قدرت سے ہونی چاہیئے۔ وہی جو ایک پشہ کا مارنا گناہ عظیم سمجھتے تھے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے اور قتل کرتے ہیں۔ پس کوئی قانون گو وہ ظاہر میں کیسا ہی چمکیلا اور خوش آیند ہو جبکہ قانون قدرت کے برخلاف ہے محض نکما اور بے اثر ہے۔ اسلام میں جو خوبی ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے تمام قانون قانون قدرت کے مطابق اور عملدرآمد کے لائق ہیں۔ رحم کی جگہہ جہانتک کہ قانون قدرت اجازت دیتا ہے رحم ہے۔ معافی کی جگہہ اُسی اصول پر معافی ہے۔ بدلے کی جگہہ اُسی کے مطابق بدلا ہے۔ لڑائی کی جگہہ اُسی کے اصول پر لڑائی ہے۔ ملاپ کی جگہہ اُسی کی بنا پر ملاپ ہے۔ اور یہی بڑی دلیل اُسکی سچائی کی اور قانون قدرت کے بنانے والے کی طرف سے ہونے کی ہے ✣

اسلام فسادا ور دغا اور غدر و بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔ جسنے اُنکو امن دیا ہو، مسلمان ہو یا کافر، اُسکی اطاعت اور احسانمندی کی ہدایت کرتا ہے کافروں کیساتھ جو عہد و اقرار ہوئے ہوں اُنکو نہایت ایمانداری سے پورا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ خود کسی پر ملک گیری اور فتوحات حاصل کرنے کو فوج کشی اور خونریزی کی اجازت نہیں دیتا۔ کسی قوم یا ملک کو اس غرض سے کہ اُسمیں بالجبر اسلام پھیلایا جاوے حملہ کرکے مغلوب و مجبور کرنا پسند نہیں کرتا، یہانتک کہ کسی ایک شخص کو بھی اسلام

www.poetrymania.com©

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ
اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ
مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ
النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ فَهَدَى
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۲۰۹

سب آدمی ایک گروہ تھے، پھر بھیجا اللہ نے
نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانیوالے،
اور اُنکے ساتھ برحق کتاب اُتاری تاکہ لوگوں
میں اسبات میں جسمیں وہ مختلف ہوگئے ہیں
حکم دیں، اور اُسمیں اختلاف نہیں کیا اُن
لوگوں نے جنکو کتاب دیگئی تھی بعد اسکے کہ اُنکے
پاس نشانیاں آگئیں مگر آپس کے حسد سے پھر
ہدایت کی اللہ نے اپنی مرضی سے حق بات کی
اُن لوگوں کو جو اُسمیں ایمان لائے جسمیں کہ
انھوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ ہدایت
کرتا ہی جسکو چاہے سیدھے رستے کی (۲۰۹)

قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں چاہتا۔ صرف دو صورتوں میں اُسنے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہی۔ ایک اُسحالت میں جبکہ کافر اسلام کی عداوت سے، اور اسلام کے معدوم کرنے کی غرض سے، نہ کسی ملکی اغراض سے، مسلمانوں پر حملہ آور ہوں، کیونکہ ملکی اغراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں، خواہ مسلمان مسلمانوں میں خواہ مسلمان و کافروں میں، وہ دنیا دی بات ہی مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہی۔ دوسرے جبکہ اُس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اسوجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں اُنکی جان و مال کو امن نہ ملے، اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی اجازت نہو۔ مگر اُسحالت میں بھی اسلام نے کیا عمدہ طریقہ یا نداری کا بتایا ہے کہ جو لوگ اُس ملک میں جہاں بطور رعیت کے رہتے ہوں، یا امن کا علانیہ یا ضمناً اقرار کیا ہو، اور گو صرف بوجہ اسلام اُنپر ظلم ہوتا ہو تو بھی اُنکو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ یا اُس ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں، یعنی اُس

www.poetrymania.com©

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۤءُ وَالضَّرَّاۤءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۲۱۰

(اے ایمان والوں) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم داخل ہوگے جنت میں حالانکہ تمپر (ویسی مصیبت) نہیں آئی ہی جیسی کہ اُن لوگوں پر (آئی تھی) جو تمسے پہلے گذرے، اُنکو خوف نے پکڑا اور تکلیف نے، اور کپکپا دیئے گئے، یہانتک کہ رسول نے اور اُن لوگوں نے جو اُسپر ایمان لائے تھے کہا کہ کب خدا کی مدد ہوگی، جان لو کہ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے (۲۱۰)

ملک کو چھوڑکر چلے جاویں۔ ہاں جو لوگ خود مختار ہیں اور اُس ملک میں امن لیئے ہوئے یا بطور رعیت کے نہیں ہیں، بلکہ دوسرے ملک کے باشندے ہیں، اُنکو اُن مظلوم مسلمانوں کے بچانے کو جنپر صرف اسلام کی وجہ سے ظلم ہوتا ہی، یا اُنکے لیئے امن اور اُنکے لیئے ادائے فرائض مذہبی کی آزادی حاصل کرنے کو تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہی۔ لیکن جسوقت کوئی ملکی یا دنیوی غرض اس لڑائی کا باعث ہو اُسکو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرنے کی کسیطرح اسلام اجازت نہیں دیتا +

یہی بات ہی جسپر اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہی۔ یہی لڑائی ہی جسکے کرنے کی ترغیب دی ہے۔ یہی لڑائی ہے جسکا نام جہاد رکھا ہی۔ یہی لڑائی ہے جسکے مقتولوں کو روحانی ثواب کا وعدہ دیا ہی۔ یہی لڑائی ہے جسکے لڑنے والوں کی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہی کہ اس قسم کی لڑائی نا انصافی اور زیادتی ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ یہ لڑائی اخلاق کے برخلاف ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ یہ لڑائی قانون قدرت، انسان کی فطرت کے مخالف ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ اس لڑائی کا حکم خدا کی مرضی کے برخلاف ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ اسحالت میں بھی لڑائی کا حکم نہوتا بلکہ دوسرا گال پھیر دینا خدا کی مرضی کے

www.poetrymania.com©

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۱﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ﴿۲۱۲﴾ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۳﴾

تجھسے پوچھتے ہیں کہ (کسطرح اپنا مال) خرچ کریں تو کہدے کہ جو کچھ تم مال میں سے خرچ کرو تو ماں باپوں اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلیے (خرچ کرو) اور جو نیکی تم کرتے ہو تو بیشک اللہ اسکا جاننے والا ہے (۲۱۱) لکھی گئی تم پر لڑائی، اور وہ بری معلوم ہوتی ہے تمکو (۲۱۲) اور شاید جس چیز کو تم برا جانتے ہوا ور وہی بہتر ہو تمھارے لیئے، اور شاید جس چیز کو تم دوست رکھتے ہو وہی بری ہو تمھارے لیئے، اور اللہ جانتا ہی اور تم نہیں جانتے (۲۱۳)

مطابق ہوگا ✠

لڑائی شروع ہونے کے بعد تلوار ہر ایک کی دوست ہوتی ہے اُسمیں بجز اسکے کہ دشمنوں کو قتل کرو، لڑائی میں بہادری کرو، دل کو مضبوط رکھو، میدان میں ثابت قدم رہو، فتح کرو یا مارے جاؤ اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ سو یہی قرآن نے بھی کہا ہی۔ یہ دوسری بات ہی کہ کوئی شخص اُس موقع اور محل کو جسکی نسبت قرآن میں لڑنیوالوں کے دلوں کو مضبوط کرنے کی آیتیں نازل ہوئی ہیں چھوڑ کر اُن آیتوں کو عموماً خونخواری اور خونریزی پر منسوب کرے، جیسا کہ اکثر ناوان عیسائیوں نے کیا ہے، تو یہ خود اُسکا قصور ہوگا نہ اسلام کا ✠

لڑائی میں بھی جو رحم قانون قدرت کے موافق ضرور ہی اسلام نے اُسمیں بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ عورتوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو جو لڑائی میں شریک نہ ہوئے ہوں اُنکو قتل کرنے کی ممانعت کی۔ عین لڑائی میں اور صف جنگ میں جو مغلوب ہو جاوے اُسکے قتل کی اجازت نہیں دی۔ صلح کو، معاہدہ امن کو

www.poetrymania.com©

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ
فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ
عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ
مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ
حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ
اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ
عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ
فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۴﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں حرمت والے مہینے میں لڑنے سے، کہدے کہ اسمیں لڑنا بڑا برا ہے، اور خدا کی راہ سے روکنا ہے اور اسکے ساتھ کفر کرنا ہی، اور مسجد حرام سے (روکنا ہی) اور اسکے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا بہت زیادہ برا ہے اللہ کے نزدیک اور فتنہ (برپا کرنا) زیادہ برا ہی قتل سے، اور وہ تم سے ہمیشہ لڑے جاوینگے جبتک کہ پھیر دیں تمکو تمھارے دین سے اگر وہ کرسکیں، اور جو تم میں سے پھر جاوے اپنے دین سے پھر مر جاوے اور وہ کافر ہو، تو یہی لوگ ہیں کہ ضائع ہو جاتے ہیں انکے عمل دنیا میں اور آخرت میں، اور یہی لوگ آگ (میں جلنے) والے ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہینگے (۲۱۴)

قبول کرنے کی رغبت دلائی۔ باغ کو، کھیتوں کو جلانے کی ممانعت کی۔ قیدیوں کو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ نہایت ظالمانہ طریقہ جو لڑائی کے قیدیوں کو عورت ہوں یا مرد غلام اور لونڈی بنا لینے کا تھا اسکو معدوم کیا۔ اس سے زیادہ لڑائی کی حالت میں انصاف اور رحم کیا ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ سچ ہے کہ مسلمانوں نے اسمیں سے کسی کی بھی پوری تعمیل نہیں کی، بلکہ برخلاف اسکے بے انتہا ظلم وستم کیے مگر جبکہ وہ اسلام کے حکم کے برخلاف تھے تو اسلام کو اس سے داغ نہیں لگ سکتا۔
وہ بھی تو مسلمانوں ہی میں سے تھے جنھوں نے عمرؓ کو، عثمانؓ کو، علیؓ کو، حسینؓ کو ذبح کر ڈالا تھا، کعبہ کو جلایا تھا۔ پس انکے کردار سے اسلام کو کیا تعلق ہے +

مشرکین مکہ نے ان لوگوں پر جو مسلمان ہو گئے تھے صرف اسلام کی عداوت سے اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے ظلم کیے تھے اور تکلیفیں پہنچائی تھیں۔

www.poetrymania.com©

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا
وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ﴿٢١٥﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ
الْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَ
مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن
نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ
﴿٢١٦﴾ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ
﴿٢١٧﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَ
يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ
إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴿٢١٨﴾ وَإِن
تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢١٩﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور
جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہی لوگ امیدوار ہیں خدا
کی مہربانی کے، اور اللہ بخشنے والا ہی مہربان (۲۱۵)
تجھ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے سے، کہدے
کہ اُن دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور فائدے ہیں لوگوں
کے لیئے. اور انکا گناہ بڑا ہے اُنکے نفع سے، اور
پوچھتے ہیں تجھ سے کسطرح (اپنا مال) خرچ کریں (۲۱۶)
کہدے حاجت سے زیادہ کو اسیطرح اللہ بیان کر دیتا
ہی تمھارے لیئے نشانیاں تاکہ تم فکر کرو (۲۱۷) دنیا
اور آخرت کے کاموں میں، اور پوچھتے ہیں تجھ سے
یتیموں سے، کہدے کہ اُنکے لیئے اصلاح کرنی بہتر
ہے (۲۱۸) اور اگر تم اُنکو ملالو تو وہ تمھارے بھائی ہیں
اور اللہ جانتا ہے (یعنی تمیز کرتا ہی) فساد کرنیوالوں کو اصلاح
کرنیوالوں سے، اور اگر خدا چاہتا تو سختی میں ڈالتا تمکو،
بیشک اللہ زبردست ہی حکمت والا (۲۱۹)

قتل کے درپے تھے، یہانتک کہ ایکدفعہ مسلمانوں نے حبشہ میں جا کر پناہ لی، اور آخر
کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمان مکّہ کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ پھر اُنھوں
نے وہاں بھی تعاقب کرنا چاہا، اور مکہ میں حج کے آنے سے روکا۔ لڑائی پر آمادہ ہوئے
تب اسلام نے بھی اُنسے لڑنیکا حکم دیا۔ پس جسقدر احکام قتل مشرکین کے ہیں وہ سب
اُنہی لڑنیوالوں سے متعلق ہیں۔ وہ بھی اُسیوقت تک کہ فتنہ و فساد رفع ہو جاوے
جیسے کہ خود خدا نے فرمایا ہی کہ "وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله"۔ امام
فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ مشرکین کا فتنہ یہ تھا کہ وہ مکہ میں مسلمانوں

www.poetrymania.com©

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ
وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ
وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ
حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ
خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَ
لَوْ أَعْجَبَكُمْ (۲۲۰) أُولَٰئِكَ
يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ
يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ
بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (۲۲۱)

اور مت نکاح میں لاؤ مشرک عورتوں کو جبتک
کہ ایمان لاویں، اور البتہ مسلمان لونڈی بہتر ہے
مشرک عورت سے اگرچہ وہ تمکو اچھی لگتی ہو، اور
مت نکاح میں لو مشرک مردوں کو جبتک کہ
ایمان لاویں، اور البتہ مسلمان غلام بہتر ہے مشرک
مرد سے اور اگرچہ تمکو اچھا معلوم ہوتا ہو (۲۲۰)
یہ لوگ بلاتے ہیں آگ (یعنی دوزخ) کی طرف،
اور اللہ بلاتا ہے جنت اور بخشش کی طرف اپنی مرضی
سے، اور بیان کرتا ہے اپنی نشانیاں لوگوں کے لیئے
تاکہ وہ نصیحت پکڑیں (۲۲۱)

کو مارتے تھے اور ایذا دیتے تھے، تنگ ہوکر مسلمان حبشہ کو چلے گئے پھر بھی وہ برابر ایذا اور تکلیف دیتے رہے یہانتک کہ مسلمان مدینہ میں ہجرت کر گئے، اور مشرکین کی غرض ایذاؤں اور تکلیفوں سے یہ تھی کہ مسلمان اپنا اسلام چھوڑکر پھر کافر ہوجاویں اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اسکے معنی یہ ہیں کہ کافروں سے لڑو جبتک کہ انپر غالب ہوجاؤ، تاکہ وہ تمکو تمھارے دین سے پھیرنے کے لیئے ایذا نہ دیسکیں، اور تم شرک میں نہ پڑو ✦

"یکون الدین للہ" کا فقرہ بھی انہی آیتوں کے ساتھ ہے جو مشرکین عرب کے حملہ کے دفعہ کرنے کو لڑنے کی بابت نازل ہوئی ہیں۔ اسکے یہ معنی سمجھنے کہ اتنا لڑنا چاہیئے کہ اسلام کے سوا کوئی دین نہ رہے یہ تو محض نادانی کی بات ہے جو سلف سے آجتک نہ کبھی ہوئی اور نہ ہونے کی توقع ہوسکتی ہے۔ اسکے معنے صاف صاف یہ ہیں کہ اسقدر لڑنا چاہیئے کہ اللہ کے دین کے بجالانے میں جو کافر حرج ڈالتے ہیں وہ نہ رہے، اور اللہ کے لیئے دین ہوجاوے کہ مسلمان خدا کیلئے اسکو بے ایذا کے بجالاسکیں ✦

www.poetrymania.com©

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۲۲۲

اور تجھ سے پوچھتے ہیں حیض سے کہدے کہ وہ نجاست ہی پس کنارہ رکھو عورتوں کو حیض کی حالت میں اور اُنسے مقاربت نہ کرو جبتک کہ پاک ہوں، پھر جب پاک ہو جاویں تو اُنکے پاس جاؤ جسطرح کہ خدا نے تمکو حکم کیا ہی، بیشک اللہ دوست رکھتا ہی معافی چاہنے والوں کو اور دوست رکھتا ہی ستھرائی والوں کو (۲۲۲)

(۱۹۲) (وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ) اس آیت سے حج کے احکام شروع ہوئے ہیں، مگر قبل اسکے کہ ہم اُسکی ماہیت اور اُسکے اسرار پر بحث کریں پہلے سیدھی سادی طرح سے بتا دینا چاہیئے کہ مسلمان عمرہ اور حج کیونکر کرتے ہیں، اور یہ بتانا چاہیئے کہ جو کچھ حج میں کیا جاتا ہی اُسمیں سے قرآن مجید میں کس کس چیز کا ذکر ہے ؛

حج میں اتنی چیزیں ہیں۔ احرام و نیت، طواف قدوم، سعی بین الصفا و المروہ، خروج منٰی، وقوف مزدلفہ، منٰی اور رمی جمار، طواف الزیارت، طواف الصدر۔ چنانچہ ہم اُن میں سے ہر ایک چیز کو علحدہ بیان کرتے ہیں

احرام اور نیت حج

احرام باندھنے کے لیئے مقامات معین ہیں جو میقات کہلاتے ہیں۔ مکہ کے رہنے والوں کے لیئے خاص حرم کعبہ میقات ہی، اور مدینہ کی طرف سے آنیوالوں کو ذوالحلیفہ، اور عراق کی طرف سے آنیوالوں کے لیئے ذات عرق، اور شام کی طرف سے آنیوالوں کیلیئے جحفہ، اور نجد کی طرف سے آنیوالوں کے لیئے قرن، اور یمن کی طرف سے آنیوالوں کے لیئے جس میں ہندوستان کے جانے والے بھی داخل ہیں یلملم ؛

میقات پر پہنچکر صرف حج کی یا صرف عمرہ کی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت

www.poetrymania.com©

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

عورتیں تمھاری کھیتی ہیں پھر اپنی کھیتی پاس جاؤ جسطرح تم چاہو، اور آگے بھیجو اپنے لیٔے (یعنی نیکی) اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک تم اُس سے ملوگے، اور خوشخبری دے ایمان والوں کو (۲۲۳) اور مت بناؤ اللہ کو آڑ اپنی قسموں کی (نیک کاموں سے) بچنے کو، اور پرہیزگاری کرو اور لوگوں میں اصلاح کرو اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا (۲۲۴)

سے احرام باندھا جاتا ہے۔ احرام کے معنے ایسے بزرگ اور مقدس کام کے شروع کرنے کے ہیں جسکا ادب نہ توڑا جا سکے۔ احرام میں صرف ایک چادر بطور تہ بند کے باندھتے ہیں، اور ایک چادر اوڑھنے کے لیٔے ہوتی ہے۔ مگر سر پر چادر نہیں اوڑھی جاتی، سر کھلا رہتا ہے۔ چادر ایک پاٹ کی ہو خواہ دو پاٹ کی سی ہوئی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ قطع کیا ہوا کپڑا جو قینچی سے قطع کرکے سیتے ہیں پہننا منع ہے ✦

میقات پر پہنچکر غسل کیا جاتا ہے یا وضو، اور اُسکے بعد نیت کرکے احرام باندھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں " لبیك اللّٰھم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لك لا شریك لك لبیك "۔ اور ہر نماز کے بعد یا جب اونچی جگہ پر چڑھے یا نیچی جگہ اُترے تو یہی جملہ کہنا چاہیٔے ✦

زمانہ احرام میں سر کو ڈھانکنا، یا ایسا کپڑا جو قطع ہو کر سیا گیا ہو پہننا، موزہ یا جراب سے پاؤں کو ڈھانکنا، شکار کھیلنا، یا دوسرے کو شکار بتانا، سر منڈانا، ناخن ترشوانے، عورت کے پاس جانا منع ہے ✦

طوافِ قدوم

جب مکہ میں پہنچے اور حرم کعبہ دکھائی دے تو کہے " اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ

www.poetrymania.com©

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ
وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ
يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ
اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

نہیں پکڑیگا اللہ تمکو تمھاری لغو قسموں میں
ولیکن تمکو پکڑیگا اُس چیز میں کہ کمائی ہے تمھاری دلوں
نے ، اور اللہ بخشنے والا ہے بردبار (۲۲۵) اُن لوگوں
کیلئے جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس
جانے) سے توقف کرنا ہے چار مہینے پھر اگر دیکھر جاویں
(اپنی قسم سے) تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۲۲۶)

اللہ اکبر واللہ اکبر وللہ الحمد"۔

جب حرم کے اندر جائے حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو، اگر ممکن ہو تو اُسکو بوسہ دے ورنہ ہاتھ سے بوسہ لینے کا اشارہ ہی کر لے ، اور کعبہ کے گرد گھومنا شروع کرے ، اور جب حجر اسود کے سامنے آوے یا اُسکا بوسہ لے یا اُسیطرح سے اشارہ کرے۔ سات مرتبہ گھومے اور کوئی دعا جو اُسکا جی چاہے پڑھتا رہے اور اُس گھومنے میں تیز مونڈھے ہلاکر چلے ۔
سات دفعہ گھومنے کے بعد جسکو طواف کہتے ہیں مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھے ۔

سعی بین الصفا والمروہ

اُسی دن طواف کے بعد صفا و مروہ میں جو نہایت چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں سات دفعہ پھرے۔ صفا کی پہاڑی پر چڑھے اور کعبہ کی طرف مُنہ کرکے کہے۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد اللّٰھم صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید"۔ اسکے بعد جو دعا چاہے مانگے ، اور صفا پر سے اُتر کر مروہ کو جاوے ۔ اس رستے میں دو نشان بنے ہوئے ہیں اُن نشانوں کے بیچ میں دوڑ کر چلے۔ جب مروہ پر چڑھے تو کعبہ کی طرف مُنہ کرکے وہی تمام جملے جو صفا پر پڑھا تھا پڑھے۔ یہ ایک دوڑ ہوئی جسکو ایک شوط کہتے ہیں۔ اسیطرح سات دفعہ کرے۔ ساتویں دوڑ مروہ پر ختم ہوگی ۔
اگر احرام باندھتے وقت صرف عمرہ کی نیت کی ہے ، تو عمرہ ختم ہو لیا۔ احرام

www.poetrymania.com©

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

اور اگر انھوں نے طلاق دینے کا ارادہ کیا ہو تو بیشک اللہ سننے والا ہے اور جاننے والا (۲۲۷) اور جن عورتوں کو کہ طلاق دی گئی ہو ٹھہری رہیں اپنے آپ تین معتاد تک اور نہیں روا ہے انکو کہ چھپاویں جو کچھ کہ پیدا کیا ہے اللہ نے انکے رحم میں اگر ہیں ایمان لانیوالی اللہ اور آخیر دن پر اور انکے خاوند زیادہ حقدار ہیں انکے پھیر لینے کے اسمیں (یعنی اپنے نکاح میں) اگر وہ اصلاح چاہیں اور عورتوں کیلئے بھی (مردوں پر) اسی کی مانند (حق) ہے جیسا کہ (مردوں کا) انپر ہے ساتھ نکوئی کے اور مردوں کیلئے انپر (اس معاملہ میں) فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۲۸)

کھولدے، اور پھر آٹھویں ذیحجہ کو حرم کے اندر جا کر حج کا احرام باندھے۔ اور اگر حج اور عمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کی ہو، یا صرف حج کی نیت کی ہو تو بدستور احرام باندھے رکھے ✦

خروج منیٰ

جو لوگ عمرہ ادا کر کے احرام سے خارج ہو گئے ہیں انکو چاہیئے کہ حرم میں جاکر صبح کی نماز پڑھیں اور حج کا احرام باندھیں۔ اور منیٰ کو روانہ ہوں، اور جن لوگوں نے احرام نہیں کھولا وہ صبح کی نماز کے بعد منیٰ کو روانہ ہوں۔ رات کو منیٰ میں رہیں، نویں تاریخ صبح کی نماز کے بعد علی الصباح عرفات کے میدان میں جا دیں، اور غروب آفتاب تک اسمیں رہیں، اور جو دعائیں چاہیں مانگتے رہیں، وہاں امام اونٹنی پر چڑھکر خطبہ پڑھتا ہے، اور لوگوں کو نیکی اور خدا پرستی کی نصیحت کرتا ہے، اور ہزاروں لوگ سننے کو گرد کھڑے ہو کر سنتے ہیں اور جو نہیں سن سکتے وہ اپنی

www.poetrymania.com©

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ
أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ
أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا
إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ
فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ
بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ
يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الظَّالِمُونَ (٢٢٩)

طلاق (رجعی) دو دفعہ دینی ہے پھر یا تو نیکی سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور نہیں حلال ہے تمکو کہ لو اُسچیز میں سے جو کچھ تنے اُنکو دیا ہے کچھ بھی۔ مگر جبکہ اس بات سے دونوں ڈریں کہ دونوں نہیں قائم رکھ سکنے کے حدیں اللہ کی۔ پھر اگر تم ڈرو کہ دونوں نہیں قائم رکھینگے اللہ کی حدوں کو تو اُن دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے اُسچیز میں کہ عورت اُسکو اپنے بدلے دے۔ یہ ہیں اللہ کی حدیں پھر اُنسے تجاوز مت کرو اور جسنے تجاوز کیا اللہ کی حدوں سے پھر یہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں (٢٢٩)

ہی جگہ دعا وغیرہ پڑھتے ہیں ۔

وقوف مزدلفہ

مغرب کی نماز کے بعد اُس میدان سے لوگ روانہ ہوتے ہیں، اور مزدلفہ کے میدان میں آکر رات بسر کرتے ہیں ۔

منیٰ اور رمی جمار

دسویں ذیحجہ کو مزدلفہ سے چلکر منیٰ میں پہنچتے ہیں، منیٰ کے میدان میں تین ستون بطور نشان کے بنے ہوئے ہیں ہر ایک ستون پر سات سات کنکریاں ایک ایک کرکے مارتے ہیں، اور ہر کنکری کے مارنیکے وقت یہ پڑھتے ہیں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد"۔

جب تینوں ستونوں پر کنکریاں مار لیں تو ہر بلندی و پستی پر اور نماز کے بعد جو لبیک کہتا تھا وہ کہنا موقوف کر دے، اور جمرۃ العقبہ کے پاس ایک چھوٹی سی پہاڑی

www.poetrymania.com©

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر عورت کو طلاق دیدی (یعنی تیسری بار) تو اُسکے بعد اُسکو حلال نہیں ہے جبتک کہ نکاح کرے اُسکے سوا دوسرے شوہر سے پھر اگر وہ اُسکو طلاق دیدے تو اُن دونو پر کچھ گناہ نہیں ہے پھر کر نکاح کر لینے میں اگر گمان کریں کہ دونوں قائم رکھینگے حدیں اللہ کی اور یہ اللہ کی حدیں ہیں بیان کرتا ہے اُنکو اُس گروہ کیلیئے کہ جانتے ہیں (یعنی اُس گروہ کیلیئے جو جاننے کے قابل ہیں نہ غیر مکلفین کیلیئے جو مجنون یا نابالغ ہیں ۲۴)

ہے وہاں قربانی کرے، اور سر منڈوالے یا بال کترواڈالے اور احرام کھولدے اور کپڑے پہن لے، مگر عورت کے پاس جانے کی ابتک اجازت نہیں گیارھویں اور بارھویں کو بدستور منی میں رہے، اور دونوں دن بھی اُن تینوں ستونوں کو سات سات کنکریاں اُسیطرح مارے جسطرح کہ دسویں تاریخ کو ماری تھیں ۞

طواف الزیارت

انہی تاریخوں میں یعنی دسویں یا گیارھویں یا بارھویں کو قربانی کے بعد منی سے حرم میں آوے اور خانہ کعبہ کا طواف اُسیطرح کرے جسطرح اوپر بیان ہوا اور پھر منی میں چلاجاوے۔ بعد اُسکے اپنے کام میں لگے اور جو چاہے سو کرے ۞

اگر کسی نے طواف قدوم کے بعد سعی بین الصفا والمروہ نہ کی ہو تو اُسکو اس طواف کے بعد کر لینی چاہیئے ۞

طواف الصدر

جو لوگ اور ملکوں سے حج کرنیکو آتے ہیں، اور حج کے بعد واپس جانا چاہتے ہیں تو اُنکو صرف طواف کر کے روانہ ہونا چاہیئے ۞

www.poetrymania.com©

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ
سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْ
هُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ
اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ
مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ
يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۳)

اور جبکہ تمنے عورتوں کو طلاق دی پھر وہ پہنچ
گئیں اپنی میعاد کو پھر یا تو روک لو انکو ساتھ
نیکی کے یا چھوڑ دو انکو ساتھ نیکی کے اور مت
روکو انکو ضرر پہنچانے کو تاکہ انپر زیادتی کرو اور جو
کوئی ایسا کریگا تو بیشک اُسنے اپنے اوپر آپ ظلم کیا،
اور مت ٹھیراؤ اللہ کی نشانیوں کو تمسخر اور یاد
کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تمپر ہیں اور اُس چیز کو یاد کرو
جو اُتاری ہے تمپر کتاب اور حکمت سے اور نصیحت
کرتا ہے تمکو اُس سے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو
کہ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۲۳۱)

اقسام حج

حج تین قسم ہے۔ افراد، قران، تمتع۔ اگر صرف حج کی نیت سے احرام باندھا ہے اُسکا نام تو حج افراد ہے۔ اور اگر حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا ہے اُسکا نام قران ہے۔ اور اگر صرف عمرہ کی نیت سے، اور عمرہ کے بعد پھر حج کی نیت سے احرام باندھا ہے تو حج تمتع ہے ❊

حج افراد و تمتع کی تو بالکل وہی صورت ہے جو بیان ہوئی ہاں حج قران میں اسقدر فرق ہے کہ طواف قدوم اور سعی بین الصفا والمروہ دو دفعہ کرنی لازم ہے ✢

ارکان حج جو قرآن مجید میں مذکور ہیں

میقات کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ غالباً جو لوگ باہر سے کعبہ کی زیارت کو یا حج کو آتے تھے، اور جب قریب پہنچتے تھے تو حج کی نیت سے ایسی باتوں کے کرنے سے جنکو تقدس اور ادب کے برخلاف سمجھتے تھے اجتناب کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ مقامات بطور میقات قرار پا گئے، اور زمانہ کے گذرنے پر اُنہی مقامات سے مسافروں کا احرام

www.poetrymania.com©

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دیدی اور انھوں نے اپنی مدت پوری کردی تو انکو اپنے خاوندوں سے جبکہ وہ نیکی سے آپسمیں راضی ہوجاویں نکاح کرنیسے منع مت کرو، اس بات سے اُس شخص کو کہ جو تم میں سے خدا پر اور آخر دن پر ایمان لایا ہو نصیحت کیجاتی ہے یہ بات تمھارے لیئے پاکیزہ اور پاک ہو اور اللہ جانتا ہو اور تم نہیں جانتے (۲۳۲)

میں داخل ہونا ایک امر لازمی اور ضروری قرار دیا گیا۔ اگر کوئی شخص بلا ارادہ حج اور بغیر باندھے احرام کے میقات پر مکہ میں چلا جاوے، اور مکہ میں پہنچنے کے بعد حج کا ارادہ کرے اور احرام باندھے، تو اُسکے حج میں بھی کوئی نقص نہیں ہونیکا؛ احرام کے وقت تہ بند باندھنا اور بغیر قطع کیا ہوا کپڑا پہننے کا بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں ہو۔ مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ اسکا رواج زمانہ جاہلیت سے برابر چلا آتا تھا، اور اسلام میں بھی قائم رہا۔ یہ پوشاک جو حج کے دنوں میں پہنی جاتی ہو ابراہیمی زمانہ کی پوشاک ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں دنیا نے سویلیزیشن میں جو تمدنی امور سے علاقہ رکھتی ہو کچھ ترقی نہیں کی تھی۔ وہ قطع کیا ہوا کپڑا بنانا نہیں جانتے تھے۔ اس زمانہ کی پوشاک یہی تھی کہ ایک تہ بند باندھ لیا۔ کسی کو اگر کچھ زیادہ میسر ہوا تو ایک ٹکڑا کپڑے کا بطور چادر کے اوڑھ لیا۔ سر کو ڈھانکنا، اور قطع کیا ہوا کپڑا پہننا کسی کو نہیں معلوم تھا۔ حج جو اُس بڈھے خدا پرست کی عبادت کی یادگاری میں قائم ہوا تھا جسنے بہت سوچ بچار کر کہا تھا "انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین"، تو اس عبادت کو اُسی طرح اور اُسی لباس میں ادا کرنا قرار پایا تھا جسطرح اور جس لباس

www.poetrymania.com©

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ع ۲۲

اور بچے والیاں اپنے بچوں کو پوری دو برس دودھ پلاویں، یہ اسکے لیئے ہی جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے اور جس شخص کا بچا ہے اسپر نیکی کے ساتھ انکا کھانا اور انکا کپڑا دینا ہی کوئی شخص تکلیف نہیں دیجاتا مگر بقدر اسکی طاقت کے اور ضرر میں ڈالی جاوے کوئی ماں بسبب اسکے بچے کے اور نہ وہ جسکا بچا ہی بسبب اسکے بچے کے اور وارث پر بھی اسی کی مانند ہے پھر اگر دونوں دودھ چھڑانے کا اپنی رضامندی و مشورہ سے ارادہ کریں تو انپر کچھ گناہ نہیں ہے اور اگر تم اپنی اولاد کو دایاؤں سے دودھ پلوا لینا چاہو تو تمپر کچھ گناہ نہیں ہی جبکہ حوالہ کر دو جو کچھ تمنے دینا کیا ہو نیکی سے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسکو دیکھتا ہے (۲۳۳)

میں اسنے کی تھی محمد رسول اللہ نے شروع سویلزیشن کے زمانہ میں بھی اسی وحشیانہ صورت اور وحشیانہ لباس کو ہمارے مذہبی وادا کی عبادت کی یادگاری میں قائم رکھا احرام میں داخل ہونے اور حج کی نیت یعنی حج کے قصد کرنیکا قرآن مجید کے ان لفظوں سے کہ ،، فمن فرض فیھن الحج ،، پایا جاتا ہے +

احرام کے دنوں میں جنگل کے جانوروں کے شکار کی ممانعت بھی قرآن سے پائی جاتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے ،، یاایھا الذین اٰمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما ،، +

www.poetrymania.com©

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۳۴

اور جو لوگ تم میں سے مرجادیں اور بیویاں چھوڑیں تو انکو خود چار مہینے اور دس دن انتظار کرنا چاہیئے پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اس بات میں جو وہ اپنے لیئے نیکی سے کرنا چاہیں اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے (۲۳۴)

احرام کے دنوں میں لڑائی اور فساد اور عورت کے پاس جانے کی ممانعت بھی قرآن کی اس آیت سے پائی جاتی ہے۔ "فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ"۔ +

احرام اور ارکان کے ختم ہونے تک سر منڈانے کی ممانعت کا بھی اشارہ اس آیت سے نکلتا ہے۔ "وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ"۔ +

طواف کا اور اسمیں ذکر اللہ کرنے کا اشارہ بھی قرآن سے پایا جاتا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔ "وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ"۔ +

"فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ"۔ مگر سات دفعہ پھرنیکا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ غالبًا ایام جاہلیت سے برابر چلا آتا ہے +

سعی بین الصفا والمروہ جسطرح ایام جاہلیت میں لوگ کرتے تھے اسیطرح اب بھی کرتے ہیں۔ اسکا بھی اشارہ قرآن میں موجود ہے جہاں فرمایا ہے۔ "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا"

عرفات میں جانے کا بھی قرآن کی اس آیت سے اشارہ پایا جاتا ہے "فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ"۔ +

مزدلفہ میں رہنے اور منٰی میں ایام تشریق میں ٹھہرنیکا بھی اشارہ ان آیتوں سے پایا جاتا ہے

www.poetrymania.com©

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۲۳۵﴾	اور تمپر گناہ نہیں ہو اِسبات میں کہ اشارتاً تمنے عورتوں سے پیغام نکاح کیا ہو یا تمنے اپنے دل میں اُسکو پوشیدہ رکھا ہو اللہ جانتا ہے کہ بیشک تم اُنکو یاد کروگے و لیکن اُنسے خفیہ وعدہ مت کرلو بجز اسکے کہ کہو کوئی بات نیک (۲۳۵)

"ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ." "وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ" ؁

قربانی حج میں کیجاتی ہے اُسکا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ وہ قربانی تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو جانور کو ساتھ لیکر جاتے ہیں اِس ارادے کہ مکہ میں جاکر ذبح کرینگے اُسکا ذکر تو اِس آیت میں ہے "وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ." ؁

دوسری قسم قربانی کی وہ ہے جو حج تمتع میں کیجاتی ہے، اور اُسکا ذکر اِس آیت میں ہے "فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ." ؁

تیسری قربانی عام طور پر حج کے بعد ہے، اور اُسکا ذکر اِس آیت میں ہے، "وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ"

حجر اسود اور رمی جمار کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ حجر اسود کعبہ کے ایک کونے میں لگایا گیا تھا، اُس سے مقصد صرف یہ تھا کہ طواف کی تعداد معلوم رہے۔ اُسی کونے سے طواف شروع ہوتا ہے اور اُسی مقام پر ختم ہوتا ہے، اور حجر اسود کو چھولیا جاتا ہے، یا بوسہ دیا جاتا ہے، یا اُسکی طرف اشارہ کرلیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو کہ ایک طواف ختم ہوا۔ رمی جمار کی کوئی ٹھیک وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ تمام ارکان

www.poetrymania.com©

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۳۶)	اور مت قصد کرو عقد نکاح کا جبتک کہ پہنچے میعاد معینہ اپنی مدت کو اور جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے پس اُس سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ بخشنے والا ہے بردبار (۲۳۶)

حج اسلام میں وہی بجال رہے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں تھے، اور اسلیئے کہا جا سکتا ہے کہ وہی رسم رمی جمار کی جو زمانۂ جاہلیت میں تھی اسلام میں بھی مثل دیگر ارکان حج کے عملدرآمد رہے ÷

حج کی حقیقت

جبکہ حضرت اسمٰعیل ع مکہ میں آباد ہوئے، اور ابراہیم ع اور اسمٰعیل ع نے کعبہ کو بنایا، تو اُونویں جو گرد و نواح میں خانہ بدوش پھرتی تھیں وہاں آکر آباد ہوئیں اور جیساکہ دستور ہو اُس مقدس مسجد کی زیارت کو لوگ آنے لگے۔ وہاں کوئی زیارت کی چیز بجز بے چھت کی مسجد کی دیواروں کے اور کچھ نہ تھی جو کچھ زیارت تھی وہ یہی تھی کہ لوگ جمع ہو کر اُس زمانۂ قدیم کے وحشیانہ طریقہ پر خدا کی عبادت کرتے تھے ننگے سر تہبند بندھا ہوا ننگ دھڑنگ اُن دیواروں کے گرد جو خدا کے گھر کے نام سے بنائی گئی تھیں اُچھلتے اور کودتے اور حلقہ باندھکر گرد پھرتے تھے جسکا اب ہمنے طواف نام رکھا ہے حضرت ابراہیم نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت یہ بات چاہی کہ لوگوں کے آنے اور زیارت کرنے اور اُس مقام پر عبادت معبود کے بجالانے کیلیئے ایام خاص مقرر کیئے جاویں، تاکہ لوگوں کے متفرق آنے کے بدلے موسم خاص میں مجمع کثیر ہوا کرے اور سب ملکر خدا کی عبادت بجالاویں، اور مکہ کی آبادی اور تجارت کو ترقی ہو اس امر کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے، جہاں حضرت ابراہیم کو کہا ہے کہ "حج کو لوگوں میں مشہور کردے تیرے پاس پیدل اور

اذ بوانا لابراهيم مكان البيت ان لا تشرك بي شيئا وطهر بيتي للطائفين والعاكفين والركع

www.poetrymania.com©

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

تم پر کچھ گناہ نہیں ہی اگر تم عورتوں کو طلاق دو، اُس وقت کہ اُنکو چھوا بھی نہیں ہی یا اُنکے لئے تمنے کوئی مقدار (یعنی مقدار مہر) مقرر بھی نہیں کی ہی اور اُنکو کچھ دو مقدور والے پر نیکی سے دینا ہی اپنے مقدور کے موافق اور تنگدست پر اپنے مقدور کے موافق (دیا ایک طرح کا) حق ہی نیک لوگوں پر (۲۳)

اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشہدوا منافع لھم
(سورہ حج)

و ُبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر ہر ایک دور دراز رستے سے لوگ آوینگے، تاکہ اپنے فائدوں کیلئے موجود ہوں،، تفسیر ابن عباس میں ،،لیشہدوا منافع لھم،، کی تفسیر میں لکھا ہے منافع الدنیا والاٰخرۃ ومنافع الاٰخرۃ بالدعاء والعبادۃ ومنافع الدنیا بالربح والتجارۃ،، یعنی منافع سے دنیا و آخرت دونوں کے منافع مراد ہیں۔ آخرت کا منافع دعا مانگنے اور عبادت کرنیسے حاصل ہوتا ہی اور دنیا کا منافع فائدہ اٹھانے در تجارت سے ٭ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اِس رسم کو اُنہی اغراض کیلئے جاری رکھا جس غرض سے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مقرر کی تھی، جسکا اشارہ اِس آیت میں ہی ،،لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم،، یعنی حج کے دنوں میں اگر تم تجارت سے روزی کمانے کی تلاش کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہی۔ پس یہ سمجھنا کہ بانی اسلام نے کعبہ شریف کو مثل پارس پتھر کے قرار دیا تھا کہ جسنے اُسکو چھوا وہ سونا ہو گیا یہ ایک غلط خیال ہی۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی بنائی ہوئی مسجد میں لوگ نماز پڑھنے کو آتے تھے اور ابراہیمی طریقہ پر نماز پڑھتے تھے جو سختی اور اضطراب کہ اسمٰعیلؑ اور اُسکی ماں ہاجرہ پر صفا و مروہ کے مقام پر پانی کی تلاش میں گذرا تھا، اور اُس بیقراری کی حالت میں جسطرح کہ اُنہوں نے اپنے خدا کو یاد کیا تھا اور دعا مانگی تھی، اُسکی یادگاری میں وہی حالت اپنے پر طاری کرتے ہیں، اور خدا کی عبادت کا اپنے دل میں جوش پیدا کرتے ہیں۔ موسم حج کا صرف تجارت کی

www.poetrymania.com©

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۲۳۸)

اور اگر تمنے اُنکو طلاق دی ہی قبل اس سے کہ اُنکو چھوا ہو اور تمنے اُنکے لیئے مقدار (یعنی مقدار مہر) مقرر کی ہی تو جو تمنے مقرر کیا ہی اُسکا نصف (دینا چاہیئے) مگر یہ کہ وہ معاف کردیں یا وہ شخص معاف کرے جسکے اختیار میں نکاح باندھنا تھا اور تمہارا معاف کرنا زیادہ تر قریب ہے پرہیزگاری کیلیئے اور مت بھولو آپس کے احسان کو بیشک اللہ تعالیٰ اُسچیز کو جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۲۳۸)

نظر سے مقرر کیا گیا تھا تاکہ قوم اُس سے فائدہ اُٹھاوے، اور اُن ایام میں عرب کی قومیں قافلوں کے لوٹنے اور آپس میں لڑائی جھگڑوں سے باز رہیں *

وہی تمام طریقے جو حج کی نسبت ابراہیم ع کے وقت سے چلے آتے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قائم رکھے۔ اسمیں دنیاوی منفعت کے سوا روحانی بھی بہت بڑی بہت ہی۔ اول اُس بزرگ کی سالانہ یادگاری ہی جو دنیا کی قوموں کے لیئے، اور خدائے واحد کا نام دنیا میں پھیلانے اور فطرت اللہ یا دین اللہ کو تمام دنیا میں شایع کرنیکا باعث ہوا۔ ایسے بزرگوں کی یادگاری قائم رکھنا، اور اُنکے پرانے تاریخی واقعات کو زندہ کرنا اُنکے دائمی احسانوں کا اعتراف کرنا ہی، اور اِسبات کا ہمیشہ یاد رکھنا ہی کہ خدا نے کسطرح انسان تک اپنی برکت اور اپنا فضل پہنچایا تھا۔ یادگاری آیندہ اُنہی نیکیوں اور فوائد کے جاری رکھنے میں بہت بڑی مددگار ہوتی ہے۔ اور انسان کے دل کو نرم اور نیکیوں کی طرف راغب رکھتی ہی۔ ہمت بندھتی ہی، دل اور روحانی قوت نیکیاں کرنے پر تازہ ہو جاتی ہی۔ دوسرے تمام ارکان حج میں بجز ابراہیمی طریقہ کی نماز اور دعا اور خدا کی عبادت کے اور کچھ نہیں ہی، اور جبکہ وہ ایسے مقام پر کیجاتی ہی جسکے تاریخی واقعات صرف خیال ہی سے دل پر بہت بڑا اثر

www.poetrymania.com©

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطٰى وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ (۲۳۹) فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۲۴۰)

حفاظت کرو نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور خدا کیلیئے کھڑے ہو عاجزی کرنیوالے (۲۳۹) پھر اگر تمکو ڈر ہو تو پیادہ پا چلتے ہوئے یا سواری پر چلتے ہوئے (نماز پڑھ لو) پھر جب تمکو امن ہو تو یاد کرو اللہ کو جسطرح کہ تمکو سکھائی ہے وہ چیز کہ تم نہیں جانتے تھے (۲۴۰)

پیدا کرتے ہیں، اور جبکہ وہ ایک بہت بڑے جم غفیر کے ساتھ اور یکجائی ہو جو دور دراز رستوں اور مختلف ملکوں سے آکر خدا کی عبادت کیلیئے جمع ہوئے ہیں تو صرف اُس ہیئت مجموعی ہی سے جو اثر دلپر اور انسان کی روح پر پڑتا ہے وہ کسی اور طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک عملی طریقہ روحانی تربیت کا ہے جسکی مثل کوئی دوسرا طریقہ دنیا میں نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ چند روز کیلیئے اُس وحشیانہ حالت میں زندگی بسر کرنی جو اُس بڈھے دادا کے زمانہ میں تھی بہت قوی اثر خدا کی محبت کا دل میں پیدا کرتی ہے۔ سویلیزیشن کے زمانہ میں جبکہ نیک دلی اور سچائی اور خداپرستی اور خدا کے احسانات کی یادگاری میں وہی وحشیانہ سوانگ بھرا جاوے تو اُسکا نہایت قوی اثر دل پر ہوتا ہے، خصوصًا جبکہ وہ ایک گروہ کثیر کے مجمع کے ساتھ ہو اور مجمع کا مجمع ایک شخص یا ایک ذات پاک کی یادگاری میں دیوانہ وار مستغرق ہو۔ انسویلیزڈ زندگی بھی ایک طرح پر نہایت عمدہ ہوتی ہے، اور دل کی سادگی اور بیگناہ زندگی کے سبب تقدس کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے، اور خیالات کو بن سمجھے خدا کی طرف زیادہ رجوع کرتی ہے بے سمجھا یقین دل پر بہت بڑا اثر رکھتا ہے اُسکے بعد شک کا دور دورہ آتا ہے جبتک کہ وہ مٹ نجاوے اور سمجھنے کے بعد دلپر یقین کا تسلط نہو۔ پس اُس پاک خدا کی چند روزہ عبادت کیلیئے اُسی مقدس زندگی کو اختیار کرنا روحانی تربیت کیلیئے نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ حقیقت حج کی ہماری سمجھ میں یہ ہے جو ہمنے بیان کی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُس

www.poetrymania.com©

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ
اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ
مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ
فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۴۰

اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور بیویاں
چھوڑیں وصیت کریں اپنی بیویوں کیلئے ایک
برس تک کچھ دینے کی بغیر نکال دینے کے
پھر اگر وہ نکلجاویں تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے
اس بات میں کہ وہ کریں جو کچھ کہ انکے دل میں ہے
نیکی سے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۴۱)

پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اُسکے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے، یہ انکی خام خیالی ہے۔ کوئی چیز سوائے خدا کے مقدس نہیں ہے۔ اُسی کا نام مقدس ہے، اور اُسی کا نام مقدس رہیگا۔ اُس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اُسکے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں۔ وہ تو کبھی حاجی نہیں ہوئے۔ پھر دو پاؤں کے جانور کو اُسکے گرد پھر لینے سے ہم کیونکر حاجی جانیں ہاں جو حقیقتاً حج کرے وہ حاجی ہے ✦

اس بیان سے حج کے ارکان کی بھی حقیقت بخوبی واضح ہوئی ہوگی۔ احرام باندھنا ابراہیمی زمانہ کی صورت کا بنانا ہے۔ طواف کرنا کعبہ کی دیواروں کے گرد صدقے ہونا نہیں ہے، بلکہ درحقیقت وہ اُس طریقہ پر نماز ہے جو ابراہیمی زمانہ میں اُس چوکھونٹے گھر کے گرد پڑھی جاتی تھی۔ صفا و مروہ میں سعی کرنا اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کے استقلال اور خدا پر کامل یقین کو یاد کرنا ہے، کہ اُس اضطرار اور اضطراب کی حالت میں بھی جو پانی کی تلاش میں وہاں اُن پر گذری تھی اُنھوں نے نہیں چھوڑا تھا اور ایسی حالت میں بھی خدا ہی پر اُنھوں نے بھروسہ کیا۔ پس اُس یقین کو یاد کرکے اپنے دل کو خدا کی محبت میں زیادہ تر ترقی کرنا ہے ✦

حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی۔ مکہ ایک بیابان غیر ذی زرع تھا۔ اسقدر لوگوں کے جمع ہونے سے خوراک کا میسر آنا مشکل تھا۔ اسلئے اکثر لوگ خوراک کیلئے جانور اپنے ساتھ لیجاتے تھے جو بدن اور قلائد کے نام سے مشہور تھے

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۲﴾	اور طلاق دی ہوئی عورتوں کیلیئے نیکی سے کچھ دینا حق ہی پرہیزگاروں پر (۲۴۲)
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۴۳﴾	اسیطرح بیان کرتا ہی اللہ تمھارے لیئے اپنی نشانیاں تاکہ تم سمجھو (۲۴۳)

اور جونہ لیجاتے تھے وہ مکہ میں خریدتے تھے، اُنکو ذبح کرکے خود بھی کھاتے تھے اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے حج میں صرف یہی اصل قربانی کی قرآن مجید سے پائی جاتی ہی جہاں خدا نے فرمایا ہی، "فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر" ... "لکم فیہا منافع الی اجل مسمی ثم محلہا الی البیت العتیق" ... "والبدن جعلنا ہا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا واطعموا القانع والمعتر"، وہاں پر نہ کوئی دیوتا ہی نہ دیبی ہی، نہ پہاڑ پر کوئی چیز ہی، جسپر بکرا یا مینڈھا یا اونٹ چڑھایا جاوے ۔ نہ خدا کو اسکی بو خوش آتی ہی، نہ اُنکا خون پیتا ہی، نہ اُنکی جان لینے سے خوش ہوتا ہی ۔ بلکہ وہ تو صرف نیکی اور بھلائی چاہتا ہی جیسیکہ خود اُسنے کہا ہی "لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءہا ولکن ینالہ التقوی منکم"، پس اس زمانہ میں جو حج کے دنوں میں حاجت سے زیادہ قربانی کی رسم ہی اور لاکھوں جانور ذبح کرکے جنگل میں ڈالتے ہیں، جنکو گیدڑ اور کوے بھی نہیں کھاتے اُسکا کچھ بھی نشان مذہب اسلام میں نہیں ہی ۔ خدا نے حج ادا کرنے کی زیادہ سختی انسان پر نہیں کی، اور ہر شخص کی استطاعت پر اُسکو منحصر کیا ہی، جو نہایت وسیع معنی رکھتا ہی، وہ بھی تمام عمر میں ایک دفعہ اگر ہوسکے +

۲۲۷ (وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ) اسلام کے مخالفین نے ضد سے یا کج بحثی و ناسمجھی سے جو الزام اسلام پر لگائے ہیں اُنمیں سے طلاق کا بھی ایک مسئلہ ہی ۔ یہودی تو یہ الزام لگا نہیں سکتے کیونکہ موسیٰ نے تو یہ حکم دیا ہی کہ جب کوئی طلاق دینی چاہے تو طلاق نامہ لکھدے ۔ بعض بُت پرست قومیں جنکے ہاں طلاق نہیں ہی اور کسیقدر عیسائی

www.poetrymania.com©

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ
حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ
اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۴﴾

کیا تونے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا (یعنی اُنکا حال نہیں جانا) جو نکل بھاگے اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے اور وہ ہزاروں تھے پھر کہنے کہا اللہ نے † مر دتم (یعنی بسبب موت کے ڈر کے یا اپنی نامردی اور لڑنے کے ڈر سے) پھر جلایا اُنکو (یعنی اُنکے دل میں شجاعت اور ارادہ جنگ پیدا کیا) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر البتہ فضل کرنیوالا ہے و لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (۲۴۴)

جنکے ہاں بجز زنا کے اور کسی حالت میں طلاق جائز نہیں اس مسئلہ پر الزام دیتے ہیں، الزام کی بنا یہ ہے کہ یہ مسئلہ رحم و محبت و ہمدردی کے برخلاف ہے، جان ملٹن نے اس سے اختلاف کیا ہے اور نہایت عمدہ دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ جب شوہر و زوجہ میں ایسی ناموافقت ہو جاوے جو تمدن و حسن معاشرت کے منافی ہو تو انجیل کے احکام کے رو سے طلاق ناجائز نہیں ہے ❊

بہرحال اسوقت تین شریعتیں طلاق کے معاملہ میں ہمارے سامنے موجود ہیں اول یہودیوں کی جسمیں بغیر کسی سبب قوی کے مرد کو طلاق دینا جائز قرار دیا گیا ہے اور ایسا کرنے میں کوئی گناہ یا الزام مرد پر عائد نہیں کیا گیا۔ بلاشبہ یہ شریعت ایک ناپسندیدہ شریعت ہے اور رحم و محبت اور حسن معاشرت و تمدن کے برخلاف ہے ایسی شریعت سے نکاح کی وقعت گھٹ جاتی ہے اور مرد کی محبت کا عورت کے ساتھ اور عورت کی وفاداری کا مرد کے ساتھ اعتبار نہیں رہتا۔ دوم بت پرستوں اور حال کے زمانہ کے عیسائیوں کی جنمیں طلاق جائز نہیں یا بجز زنا کے اور کسی حالت میں جائز نہیں۔ اس شریعت میں اس مقدس رسم کا بلاشبہ نہایت ادب کیا گیا ہے

† موتوا بجد برکم الموت ای موتوا بجبنکم وحذرکم من الحرب کما قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ آل عمران قل موتوا بغیظکم۔ سید احمد۔

www.poetrymania.com©

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۵﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً ۭ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۶﴾	اور لڑو (اے ایمان والو) اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بیشک اللہ سننے والا ہی جاننے والا (۲۴۵) کون وہ شخص ہی جو قرض دے اللہ کو قرض نیک پھر دوگنا کردے اُسکو اُسکے لیئے دوگنا کرنا بہت دفعہ اور اللہ تنگی کرتا ہی اور فراخی کرتا ہی اور اُسی کے طرف رجوع کیئے جاؤ گے (۲۴۶)

مگر جسطرح کہ یہودی شریعت میں افراط تھی اُسیطرح اس شریعت میں تفریط ہے اور دونوں فطرت انسانی کے برخلاف ہیں، اگر کسی سبب و حالت سے ایسی خرابیاں مرد و عورت میں پیدا ہوجاویں جو کسیطرح اصلاح کے قابل نہوں تو اُنکا بھی کچھ علاج ہونا چاہیئے، اور وہ علاج طلاق ہی، پس کچھ شک نہیں کہ ایسی حالت میں بھی طلاق کا جائز نہونا حُسن معاشرت اور انسانی فطرت کے برخلاف ہی۔ تیسری شریعت محمدیہ ہی جسکا ذکر اس آیت اور اُسکے بعد کی آیتوں میں اور آنحضرت صلعم کی نصیحتوں اور ہدایتوں میں ہی۔ اِس شریعت حقہ نے اس خوبی اور اس اعتدال سے اس مسئلہ کو قرار دیا ہے جس سے زیادہ عمدہ نہیں ہوسکتا، اور نہ اُس سے زیادہ تمدن اور حُسن معاشرت کی حفاظت انسانی فطرت کے مطابق ہوسکتی ہے۔ شریعت محمدیہ نے طلاق کو ایسی حالت میں جائز قرار دیا ہے جبکہ زن و شوہر میں مرض ناموافقت و عدم محبت کا ایسے درجہ پر پہنچ جاوے جو علاج کے قابل نہو، یا یوں کہو کہ بجز طلاق کے دوسرا کوئی علاج اُسکا نہو۔ مگر زن و شوہر کا معاملہ ایک ایسا نازک اور ایک عجیب قسم کے ارتباط و اختلاط کا ہے کہ اُسمیں جو خرابی پیدا ہو سوائے اُنہی دونوں کے اور کوئی تیسرا شخص اسباب کا اندازہ نہیں کرسکتا کہ آیا وہ اس حد تک پہنچگئی ہی جسکا علاج بجز خفتہ

www.poetrymania.com©

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ
مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا
لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا
نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ
عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا
لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا
وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۷﴾

کیا تونے بنے اسرائیل کے اُس گروہ کو نہیں دیکھا جو موسیٰ کے بعد ہوئے (یعنی امت شموئیل پیغمبر) جبکہ اُنھوں نے اپنے نبی کو کہا کہ ہمارے لیئے ایک بادشاہ مقرر کرتا کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں (یعنی جالوت سے) نبی نے کہا کیا تم ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ اگر تم پر لڑائی لکھی جاوے تو تم نہ لڑو گے اُنھوں نے کہا کیوں نہ ہم لڑینگے اللہ کی راہ میں حالانکہ بیشک ہم خارج کیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں سے پھر جب اُنپر لڑائی لکھی گئی تو پھر گئے بجز تھوڑوں کے اُنمیں سے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو (۲۴۷)

کے اور کچھ نہیں یا نہیں، اسیلئے اس شریعت حقہ کے بانی نے اس حد کی تعین اُنھی کی رائے اور اُنھی کی طبیعت پر منحصر کی ہے، اور اُسی کے اخلاق کو اُسکا قاضی بنایا ہے جسکی تسلی و موانست کے لیئے ابتدا میں عورت بطور انیس دلنواز اور مونس و غمگسار کے پیدا ہوئی تھی، اور اسبات کا کہ وہ علاج بے محل و بے موقع بداخلاقی اور بد خواہش نفسانی سے نکیا جاوے جہانتک کہ انسانی فطرت کے مناسب حال تھا انسداد کیا ہے۔ مردوں کو فہمایش کی ہے کہ ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھیں اور اُنکے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں، اُنکی سختی و بدمزاجی کو تحمل سے برداشت کریں۔ عورتوں کو فہمایش کی کہ اپنے مردوں کی تابعداری کریں، اُنکے ساتھ محبت رکھیں اُنکی وفادار رہیں۔ پھر طلاق کی نسبت فرمایا کہ گو طلاق جایز کیگئی ہے مگر کوئی چیز دنیا کے پردہ پر طلاق سے زیادہ خدا کو غصہ دلانیوالی پیدا نہیں ہوئی۔ عورت کی نسبت فرمایا کہ جو عورت بغیر لا علاج ضرورت کے اور بغیر سخت حالت کے اپنے شوہر

www.poetrymania.com©

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۲۴۸	اور اُنسے کہا اُنکے نبی نے کہ بیشک اللہ نے تمہارے لیئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے اُنھوں نے کہا کیونکر اُسکو ہمپر بادشاہی ہوگی حالانکہ ہم اُس سے بادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں اور نہ اُسکو کچھ دولت کی فراخی دیگئی ہے، اُنکے نبی نے کہا کہ بیشک اللہ نے اُسی کو تمپر منتخب کیا ہے، اور اُسکو علم اور جسم میں فراخی دی ہے اور اللہ دیتا ہے اپنا ملک جسکو چاہتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا ہے جاننے والا (۲۴۸)

ے۔ طلاق کی خواہاں ہو اُسپر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ ہمارے پیغمبر خدا صلعم طلاق سے ایسے ناراض ہوتے تھے کہ بعض دفعہ صحابہ کو شبہ ہوا کہ طلاق دینے والے نے ایسا جرم کیا ہے کہ قتل کرنے کے قابل ہے۔ پھر ان ہدایتوں اور تہدیدوں ہی پر طلاق کے روکنے میں بس نہیں کیا، بلکہ نکاح اور ملاپ کے قائم رکھنے کی اور بھی تدبیریں فرمائیں، یعنی پوری تفریق واقع ہونے کو تین دفعہ طلاق دینا معتبر رکھا ہے اور یہ اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر آپسمیں صلح ہو جاوے اور رنجش مٹ جاوے اور دونوں کی محبت تازہ ہو جاوے تو پھر بدستور جورو خصم رہیں، دوسری طلاق کے بعد بھی اسی طرح وہ آپسمیں بدستور جورو خصم ہو سکتے ہیں، لیکن اگر پھر تیسری دفعہ طلاق دیجاوے تو ثابت ہو گیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں بہتر ہے کہ پوری تفریق ہو جاوے۔ ایسی حالت میں کہ عورت کو مرد سے کنارہ کش رہنا پڑتا ہی طلاق دینے کو منع فرمایا اس امید پر کہ شاید زمانہ مقاربت میں محبت و الفت کی ایسی تحریک ہو کہ خیال طلاق کا دل سے جاتا رہے، پس یہ تمام احکام

www.poetrymania.com©

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۲۴۹

اور اُنکو اُنکے نبی نے کہا کہ بیشک اُسکی بادشاہی کی نشانی یہ ہی کہ تمھارے پاس صندوق جسمیں ایک تسکین ہے تمھارے پروردگار سے اور (جسمیں) اُسمیں کا بقیہ ہی جو آل موسیٰ اور آل ہارون نے چھوڑا ہی آجاویگا اُٹھا لاوینگے اُسکو فرشتے بیشک اسمیں البتہ نشانی ہی تمھارے لیئے اگر تم ایمان والے ہو (۲۴۹)

نہایت خوبی و عمدگی و اعتدال سے فطرت انسانی کے مطابق ہیں، خدا نے اُن احکام کی نسبت فرمایا کہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں اُنکو توڑنا نہیں چاہیئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ یہ حدیں کچھ دیواریں یا خندقیں نہیں ہیں بلکہ یہ حدیں فطرت انسانی کی حدیں ہیں جنکو توڑنا انسانیت کی حد سے خارج ہونا ہی پس جو لوگ مسئلہ طلاق پر معترض ہیں جب وہ اُسکو بخوبی سمجھینگے اور فطرت انسانی پر غور کرینگے تو بالیقین جانینگے کہ بلاشبہ یہ حکم اُسی کا ہی جسنے فطرت انسانی کو بنایا ہے ÷

۲۴۲ (اَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا) اس آیت سے نہیں معلوم ہوتا کہ اسمیں کن لوگوں کا ذکر ہی مفسرین نے لفظ موتوا اور لفظ احیا سے یہ قیاس کیا کہ یہ لوگ خرقیل نبی کے وقت میں تھے، خرقیل نبی کا ایک قصہ مُردوں کی ہڈیوں کے دیکھنے اور پھر اُنکے زندہ ہونیکا خرقیل نبی کی کتاب میں مندرج ہی، ہمارے ہاں کے مفسروں نے صرف اُن دو لفظوں سے ایک قصہ مثل قصہ خرقیل بنالیا ہی جو محض غلط ہی اور حذر الموت کے لفظ سے اُنھوں نے وبا سے اُن لوگوں کا اپنا ملک چھوڑ کر چلا جانا قرار دیا ہے مگر اِس تفسیر کی کوئی سند نہیں ہی صرف اُسی غلط خیال پر یہ تفسیر بیان کی ہے ÷

حذر الموت کے لفظ سے بسبب وبا کے اُن لوگوں کا ملک سے چلا جانا ایک نہایت غلط قیاس

www.poetrymania.com©

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللّٰهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۲۵۰

پھر جب آگے بڑھ گیا طالوت اپنے لشکر سمیت تو اُسنے کہا کہ بیشک اللہ تمکو مبتلا کریگا ساتھ ایک نہر کے پھر جو کہ پیلے اُس سے تو وہ مجھسے (یعنی میرے گروہ سے) نہیں ہی اور جو کوئی اُسکو نہ چکھے تو بیشک وہ مجھسے (یعنی میرے گروہ سے) ہی مگر (پینے والوں میں سے) جسنے بھر لیا ایک چلوا اپنے ہاتھ سے (وہ پہلے حکم میں داخل نہیں ہی) پھر پیلیا لوگوں نے اُسمیں سے مگر اُنمیں سے تھوڑوں نے (نہیں پیا) پھر جبکہ وہ اور وہ لوگ جو اُسپر ایمان لائے تھے اُسکے پار ہوئے تو بولے کہ ہمکو آجکے دن جالوت اور اُسکے لشکروں کے (مقابلہ کی) طاقت نہیں ہی، اُن لوگوں نے کہا جو جانتے تھے کہ بیشک وہ خدا سے ملینگے، بہت ہوا ہی کہ چھوٹا گروہ غالب ہوا ہے بڑے گروہ پر خدا کی مرضی سے اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے (۲۵۰)

ہی کیونکہ اسی مقام پر خدا نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے لڑنے کی ترغیب دی ہے اور اسلیئے لڑائی میں مارے جانے کے خوف سے اُن لوگوں کا ملک کو چھوڑ کر چلا جانا مراد ہوسکتا ہے نہ کہ وبا کے ڈر سے ❖

موت اور احیا کے حقیقی معنی بھی یہاں مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ آیت میں کوئی اشارہ اسبات کا کہ یہ امر معجزہ سے ہوا تھا اور کیا محل معجزہ دکھانیکا تھا اور کس پیغمبر نے دکھایا تھا اور کسکو دکھایا تھا مذکور نہیں ہی، اور جبکہ یہ الفاظ متوقع جنگ

www.poetrymania.com©

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ
قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥١﴾
فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَ
قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَ
آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ
اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥٢﴾

اور جب سامنے ہوا جالوت اور اُسکے لشکر تو
اُنھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم پر (یعنی ہمارے
دلوں میں) صبر ڈال اور قائم رکھ ہمارے قدم
اور مدد کر ہماری کافروں کی قوم پر (۲۵۱)
پھر اُنھوں نے اُنکو اللہ کی مدد سے شکست
دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ
نے اُسکو بادشاہی اور حکمت عطا کی اور اُسکو
جو کچھ وہ چاہتا تھا سکھایا اور اگر اللہ کا دفع کرنا
آدمیوں کو بعض آدمیوں کا بعض سے نہوتا
تو تباہ ہو جاتی زمین (یعنی ملک) ولیکن
اللہ فضل کرنیوالا ہی عالموں پر (۲۵۲)

میں واقع ہیں اسلیئے موت سے اُن لوگوں کی نامردی اور بزدلاپن مراد ہے جو لڑائی میں موت کے ڈر سے ملک چھوڑ گئے تھے جیسیکہ عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہیں کرتے تو اچھا مرو یعنی مصیبت میں پڑے رہو خدا نے اور جگہہ بھی موت کے لفظ کو اُنہی معنوں میں استعمال کیا ہی جہاں فرمایا ہی کہ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ یعنی اپنے غصہ میں مرو یعنی تباہ و خستہ دل رہو اور احیا کے لفظ سے اُنکے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہونا اور دشمن کو شکست دینے پر قادر ہونا مراد ہے اور اسی تمثیل پر مسلمانوں کو دوسری آیت میں دشمنوں سے لڑنے اور دل کو مضبوط رکھنے کی ترغیب دی ہی پس موت و احیاء سے حقیقی موت و زندگی سمجھنا اور تمام قصہ کو خرقیل نبی کے فرضی قصہ پر جو خرقیل کی کتاب میں ہی محمول کرنا بہت بڑی غلطی ہے ؛

بلا شبہ جبکہ قرآن مجید میں اُن لوگوں کا زیادہ حال بیان نہیں ہوا ہی تو مفسر کا

www.poetrymania.com©

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۳﴾	یہ نشانیاں ہیں اللہ کی ہم انھیں تجھکو پڑھ سناتے ہیں برحق اور بیشک تو رسولوں میں سے ہے (۲۵۳)

صرف یہ کام ہو کہ تاریخی گذشتہ واقعات پر خیال کرے اور دیکھے کہ کون سے تاریخی واقعہ سے زیادہ مناسبت معلوم ہوتی ہے اور کوئی قرینہ اُس واقعہ سے آیت کے متعلق کرنیکا ہی یا نہیں اور اسطرح آیت کا تعلق اُس واقعہ سے قرار دے۔ اِس مقام پر قرآن مجید میں اُن واقعات کا ذکر ہی جو بنی اسرائیل اور مدیانیوں اور فلسطینیوں میں واقع ہوئے تھے اور اسلیئے قیاس کرنے کو صحیح موقع ہی کہ اِس آیت میں بھی اُنہی واقعات میں سے کسی واقعہ کا ذکر ہے ؛

مدیانیوں کے ‡ ہاتھ سے بنی اسرائیل نے سخت شکست پائی تھی اور اپنا گھر چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے اور سات برس تک اُنپر یہ مصیبت رہی پھر جدعون نبی اُنمیں مبعوث ہوئے اور اُنھوں نے اُنکو لڑائی پر ترغیب دی اور اُنکا دل مضبوط کیا اور مدیانیوں پر اُنھوں نے فتح پائی۔ پس خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ جو لوگ لڑائی میں موت کے ڈر سے بھاگے وہ ایسی بدتر حالت کو جو مرنے کے برابر ہی پہنچ گئے تھے، پھر اللہ نے اُنکو ہمت و جرأت سے زندہ کیا اور فتحمند و خوشحال ہوئے، اسیطرح مسلمانوں کو بھی موت کے ڈر سے بُزدلی و نامردی جو موت کے برابر ہی اختیار کرنی نہیں چاہیئے بلکہ اپنے دشمنوں سے لڑنا اور بہادری و دلیری و استقلال کو کام میں لانا چاہیئے ؛

۲۴۷ (اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ) اِس آیت سے لغایت آیت ۲۹۲ طالوت و جالوت کی لڑائیوں کا ذکر ہی اور یہ وہ زمانہ ہی جبکہ بنی اسرائیل میں شموئیل نبی تھے اور اِن آیتوں میں پانچ واقعوں کا بیان ہے ؛

‡ دیکھو توریت میں کتاب قضات باب ششم۔

www.poetrymania.com©

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ
دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ
مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا
اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ
مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ
مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ رسول ہیں فضیلت دی ہمنے اُن میں
بعض کو بعض پر اُنمیں سے وہ ہیں جس سے خدا
نے کلام کیا اور اُنمیں بعضوں کے درجے بلند کیئے
اور دیں ہمنے عیسٰی مریم کے بیٹے کو نشانیاں،
اور ہمنے اُسکی مدد کی ساتھ روح قدس کے،
اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑ مرتے وہ لوگ جو اُنکے
بعد ہوئے بعد اسکے کہ اُنکے پاس نشانیاں
بھی آئیں ولیکن اُنھوں نے اختلاف کیا
پھر اُنمیں سے بعض وہ ہیں جو ایمان لایا اور اُن
میں سے بعض وہ ہیں جو کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو
نہ لڑ مرتے ولیکن اللہ کرتا ہی جو چاہتا ہی (۲۵۳)

(۱) بنی اسرائیل کا اپنے نبی سے درخواست کرنا کہ اُنپر کوئی بادشاہ مقرر کریں ؛
(۲) شموئیل نبی کا بنی اسرائیل پر طالوت کو بادشاہ مقرر کرنا ؛
(۳) تابوت سکینہ کا طالوت کے عہد میں بنی اسرائیل کے پاس آجانا ؛
(۴) طالوت کے لشکر کو دریا کے پانی سے منع ہونا ؛
(۵) فلسطینیوں کا شکست پانا اور جالوت کا داؤد کے ہاتھ سے مارا جانا ؛

یہ تمام واقعات توریت کی کتاب شموئیل میں مندرج ہیں مگر تیسرے اور چوتھے واقعہ میں کسیقدر اختلاف ہی یعنی کتاب شموئیل میں تابوت سکینہ کا طالوت کے عہد سے پہلے آجانا لکھا ہی اور قرآن مجید میں طالوت کے عہد میں لہذا بعض عیسائی مؤرخوں نے اعتراض کیا ہی کہ غلطی سے ماقبل کے واقعے کو مابعد کے واقعے میں شامل کر دیا ہی؛ کتاب شموئیل سے پایا جاتا ہی کہ تابوت سکینہ بمقام شیلوہ تھا جہاں عیلی بنی اسرائیل پر حاکم تھا اُسکے عہد میں بنی اسرائیل اور فلسطینیوں میں بمقام ابن عیذر لڑائی ہوئی

www.poetrymania.com©

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۵۵)	اے لوگوں جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اُس چیز میں سے جو ہمنے تمکو دی ہی قبل اسکے کہ آوے وہ دن کہ اُسمیں نہ بیچنا ہے اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر وہی ظالم ہیں (۲۵۵)

اور بنی اسرائیل کی شکست ہوئی (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ۴ ورس ۲) تب بنی اسرائیل نے تابوت سکینہ کو شیلوہ سے لشکر گاہ میں منگایا اور دوبارہ لڑے اور شکست عظیم ہوئی اور عیلی کے دونوں بیٹے مارے گئے اور تابوت سکینہ کو فلسطینی چھین لیگئے (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ۴ ورس ۱۰ و ۱۱) عیلی بھی یہ خبر سنکر کرسی پر سے گر پڑا اور مر گیا اُس زمانہ میں شموئیل نبی ہو چکے تھے مگر اُنکی عمر چھوٹی تھی ✣

فلسطینی تابوت سکینہ کو مقام ابن عیزر سے جہاں سے اُنھوں نے فتح کیا تھا بمقام اشدود لیگئے اور داگون بُت کے مندر میں رکھا (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ۵ ورس اول الغایت ۵) پھر وہاں سے بمقام گت لیگئے (دیکھو کتاب مذکور ورس ۸) پھر وہاں سے بمقام عقرون لیگئے (دیکھو کتاب مذکور ورس ۱۰) اُسکے بعد فلسطینیوں نے ایک گاڑی میں دو گایوں کو جوت کر اور تابوت سکینہ کو اُسپر رکھکر جنگل میں چھوڑ دیا اور وہ گائیں اُسکو لیکر بمقام بیت الشمس چلی آئیں اور یوشع کے کھیت میں جا کھڑی ہوئیں اُنے تابوت اُتار لیا اور اپنے ہاں رکھا (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ششم) کتاب شموئیل میں لکھا ہی کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کی شکست ہونے اور تابوت چھین لیجانے کے سات مہینہ بعد ہوا ✣

اسکے بعد تابوت سکینہ قریات یعاریم میں آیا اور ابیناداب کے گھر میں بمقام گبعاہ رکھا گیا (دیکھو کتاب اشموئیل باب ۷ ورس ۱) مگر کتاب شموئیل میں نہیں لکھا کہ بیت الشمس میں کس قدر مدت رہا۔ عیسائی موّرخوں کے نزدیک سنہ ۱۱۴۱ قبل مسیح کے تابوت سکینہ فلسطینیوں نے چھین لیا تھا اور سنہ ۱۱۲۴ میں قریات یعاریم میں آگیا

www.poetrymania.com©

اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (۲۵۶)

اللہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اسکے زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا، نہ گھیرتی ہے اسکو اونگھ اور نہ نیند اُسیکا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے وہ شخص جو شفاعت کرے اُسکے پاس مگر اسکی مرضی سے، جانتا ہے جو کچھ اُنکے آگے ہے اور جو کچھ اُنکے پیچھے ہے، اور وہ نہیں پا سکتے کچھ بھی اُسکے علم سے بجز اسکے جو وہ چاہے، گھیر لیا اُسکی بادشاہت نے آسمانوں کو اور زمین کو اور تھکاتی نہیں اسکو اُنکی نگہبانی اور وہ اعلیٰ ہے بہت بڑا (۲۵۶)

وہاں آنے کے بیس برس بعد یہودیوں نے بتوں کی عبادت شموئیل نبی کی فہمائش سے موقوف کی اور خدا کی پرستش اختیار کی (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ۷، درس ۱ و ۲) اور بنی اسرائیل سے شموئیل کی سرداری میں ایک لڑائی فلسطینیوں سے ہوئی اور فلسطینیوں نے شکست کھائی۔ جب شموئیل ضعیف ہوئے تب بنی اسرائیل نے کسی بادشاہ کے مقرر کرنے کو کہا اور طالوت کو سنہ ۱۰۹۵ قبل مسیح میں بادشاہ کیا۔ کتاب شموئیل میں طالوت یعنی شاؤل اور جالوت کی لڑائی اور اُسکے مارے جانیکا ذکر ہے مگر طالوت کے لشکر کو دریا کے پانی پینے سے منع کرنیکا ذکر نہیں ہے بلکہ توریت کی کتاب قضاۃ باب ہفتم میں جدعون کے لشکر کو ایک چشمہ کے پانی پینے سے منع کیا گیا تھا اور یہ واقعہ سنہ ۱۲۴۹ قبل مسیح کے ہوا تھا اسلیئے عیسائی مورخ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں غلطی سے جدعون کے لشکر کے واقعہ کو طالوت کے لشکر کے واقعہ سے ملا دیا ہے ✦

ان دونوں اعتراضوں کے تسلیم کرنے کے لیئے جو مخالفت کتاب شموئیل پر

www.poetrymania.com©

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾	کچھ زبردستی نہیں ہو دین میں بلاشبہ ظاہر ہوگئی ہے ہدایت گمراہی سے پھر جو کوئی منکر ہو غیر خدا کی پرستش کا اور ایمان لاوے اللہ پر تو بیشک اُسنے پکڑ لیا مضبوط ذریعہ جسکے لیئے ٹوٹنا نہیں ہے اور اللہ سننے والا ہی جاننے والا (۲۵۶)

مبنی ہیں ضرور ہی کہ کتاب سموئیل میں جو واقعات اور جو ترتیب اُن واقعات کی ہے اُنکو صحیح تسلیم کرلیا جاوے اور یہ بات بھی مان لی جاوے کہ کوئی واقعہ طالوت کے لشکر کا ایسا نہیں ہو جو کتاب سموئیل میں لکھنے سے رہگیا ہو حالانکہ خود عیسائی مورخ اِن باتوں کو تسلیم نہیں کرتے سموئیل کی کتابوں کے مضامین میں باہم اختلاف ہی کتاب اول سموئیل باب ۱۶ ورس ۲۱ و ۲۲ سے ظاہر ہے کہ طالوت داؤد سے اور اُسکے باپ یسّی سے بخوبی واقف تھا، داؤد کو اُسکے باپ کے پاس سے بلایا تھا اور اپنا سلحدار کیا تھا، اُسی کتاب کے باب ہفدہم ورس ۱۵ سے ظاہر ہے کہ داؤد طالوت سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا تھا۔ لڑائی کے ہنگامہ میں جب داؤد اپنے بھائیوں کی خبر لینے آیا تو داؤد نے کہا کہ جالوت سے میں لڑونگا یہ خبر سُنکر طالوت نے داؤد کو بلایا اور گفتگو کے بعد لڑنے کی اجازت دی اور اپنی فدہ و خود و تلوار بھی دی جسکو داؤد نے لیکر پھر دیدیا (دیکھو کتاب اول سموئیل باب ۱۷ ورس ۳۱ لغایت ۳۹) مگر اُسی باب کے ورس ۵۵ میں لکھا ہی کہ جب داؤد لڑنے کو بڑھا تو طالوت نے لشکر کے سردار سے پوچھا کہ یہ جوان کسکا بیٹا ہی اور ورس ۵۸ میں لکھا ہے کہ جب داؤد نے جالوت کا سر کاٹ لیا اور طالوت کے پاس لے آیا تو طالوت نے پوچھا کہ تو کسکا بیٹا ہے۔ پس اِن آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت تک طالوت داؤد سے مطلق واقف نہ تھا +

اِس اختلاف کے سبب خود عیسائی مورخوں کی یہ رائے ہی کہ کتاب سموئیل میں

www.poetrymania.com©

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۷﴾

کیا تو نے بنی اسرائیل کے اُس گروہ کو نہیں دیکھا جو موسیٰ کے بعد ہوئے (یعنی بہت شموئیل پیغمبر) جبکہ اُنھوں نے اپنے نبی کو کہا کہ ہمارے لیئے ایک بادشاہ مقرر کر تاکہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں (یعنی جالوت سے) نبی نے کہا کیا تم ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ اگر تم پر لڑائی لکھی جاوے تو تم نہ لڑوگے اُنھوں نے کہا کیوں نہ ہم لڑینگے اللہ کی راہ میں حالانکہ بیشک ہم خارج کیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں سے پھر جب اُنپر لڑائی لکھی گئی تو پھر گئے بجز تھوڑوں کے اُنمیں سے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو (۲۴۷)

کے اور کچھ نہیں یا نہیں، اسلیئے اس شریعت حقہ کے بانی نے اس حق کی تعین اُنہی کی رائے اور اُنہی کی طبیعت پر منحصر کی ہے، اور اُسی کے اخلاق کو اُسکا قاضی بنایا ہے جسکی تسلی و موانست کے لیئے ابتدا میں عورت بطور انیس دلنواز اور مونس و غمگسار کے پیدا ہوئی تھی، اور اس بات کا کہ وہ علاج بے محل و بے موقع بد اخلاقی اور بد خواہش نفسانی سے کیا جاوے جہانتک کہ انسانی فطرت کے مناسب حال تھا انسداد کیا ہے۔ مردوں کو فہمایش کی ہے کہ ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھیں اور اُنکے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں، اُنکی سختی و بدمزاجی کو تحمل سے برداشت کریں۔ عورتوں کو فہمایش کی کہ اپنے مردوں کی تابعداری کریں، اُنکے ساتھ محبت رکھیں اُنکی وفادار رہیں۔ پھر طلاق کی نسبت فرمایا کہ گو طلاق جایز کیگئی ہے مگر کوئی چیز دنیا کے پردہ پر طلاق سے زیادہ خدا کو غصہ دلانیوالی پیدا نہیں ہوئی۔ عورت کی نسبت فرمایا کہ جو عورت بغیر لاعلاج ضرورت کے اور بغیر سخت حالت کے اپنے شوہر

www.poetrymania.com©

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۲۶۰	کیا تو نے اُس شخص کو نہیں دیکھا (یعنی اُسکا حال نہیں جانا) جسنے جھگڑا کیا ابراہیم سے اُسکے پروردگار میں کیونکہ اللہ نے اُسکو بادشاہت دی تھی جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اُسنے (یعنی نمرود نے) کہا کہ میں جلاتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا کہ بیشک اللہ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو اُسکو مغرب سے نکال پھر رونگ رہگیا وہ شخص جو کافر تھا اور اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو (۲۶۰)

گیدنبی کے لکھے ہوئے ہیں۔ ابربانیل اور کروشیس خیال کرتے ہیں کہ یہ سب کتابیں یرمیاہ نبی نے لکھی ہیں اجان کی یہ راے ہے کہ یہ کتابیں شموئیل کے بہت زمانہ بعد یعنی قید بابل کے تیسویں سال میں لکھی گئی ہیں۔ اگر درحقیقت ایسا ہی ہو کہ تین ہاتھوں نے ان کتابوں کو لکھا ہو تو واقعات کا اُلٹ پلٹ ہوجانا یا بعض واقعات کا تحریر سے رہجانا ایک ایسا امر ہے جو آسانی سے خیال میں آسکتا ہے ✦

ہماری غرض اِس بحث سے شموئیل کی کتابوں پر جرح و قدح کی نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات ثابت کرنی ہے کہ قرآن مجید پر اسوجہ سے کہ شموئیل کی کتابوں سے بیان میں مختلف ہے اعتراض نہیں ہوسکتا جبتک کہ اور طرح پر اُسکی غلطی ثابت نکی جاوے ✦

میں یہ نہیں چاہتا کہ قرآن مجید میں جو کچھہ لکھا ہے اُسکی صحت پر کسیکو اسوجہ سے مجبور کروں کہ قرآن میں لکھا ہے بلکہ میں دونوں واقعوں پر جو قرآن و کتاب شموئیل میں مندرج ہیں بطور ایک نکتہ چین مورخ کے غور کرنا اور اُس نکتہ چینی سے دونوں قولوں میں سے ایک کو ترجیح دینا چاہتا ہوں ✦

www.poetrymania.com©

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۶۱)

یا د تو نے اُس شخص کو نہیں دیکھا یعنی اُسکا حال نہیں جانا جسے رؤیا میں دیکھا) کہ گویا وہ گذرا ایک شہر پر ایسی حالت میں کہ وہ سر کے بل گرا ہوا تھا اُسنے کہا کہ کیونکر زندہ کریگا (یعنی آباد کریگا) اللہ اُسکو اُسکے مرجانے کے (یعنے ویران ہونے کے) بعد پھر اللہ نے اُسکو سو برس تک مرا ہوا رکھا پھر اُسکو اُٹھایا خدا نے کہا کہ کتنی دیر تک تو پڑا رہا اُسنے کہا کہ میں پڑا رہا ایک دن یا کچھ کم ایک دن کہا بلکہ تو پڑا رہا سو برس پھر دیکھ اپنے کھانے کو اور اپنے پینے کو (کیا) وہ نہیں بگڑا ہے اور دیکھ اپنے گدھے کو (کیا وہ نہیں گل گیا ہو) اور میں چاہتا ہوں کہ تجھکو ایک نشانی آدمیوں کیلیئے بناؤں اور دیکھ ہڈیوں کو کسطرح ہم اُنکو حرکت میں لاتے ہیں پھر اُنکو گوشت پہناتے ہیں پھر جب اُسکو یہ بات (ظاہر) ہوئی اُسنے کہا (حالت بیداری میں) میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۲۶۱)

تابوت سکینہ کو فلسطینی فتح کرکے چھین لیگئے تھے، کتاب سموئیل میں اُسکا واپس بھیجدینا ایسی عجیب اور کراماتی واقعوں پر مبنی کیا ہے جسکو کوئی آزاد رائے کا مورخ جو واقعات کو انسانوں کے حالات اور افعال کا نتیجہ سمجھتا ہے تسلیم نہیں کر سکتا۔ لڑائی کے شکست ہونے کے بعد بنی اسرائیل نہایت ضعیف ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ انھوں نے پھر قوت حاصل کی تھی، تابوت سکینہ کا دشمنوں کے ہاتھ

www.poetrymania.com©

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ
كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ
قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ
قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ
فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ
اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ
مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ
یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ
اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۲۶۲

اور جب کہا ابراہیم نے (خواب میں) اے پروردگار
مجھکو دکھا کہ کسطرح تو زندہ کریگا مردوں کو خدا
نے کہا کیا تو یقین نہیں کرتا ابراہیم نے کہا کیوں
نہیں ولیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن
ہوجاوے خدا نے کہا کہ لے چار پرندوں کو پھر
اُنکے ٹکڑے اپنے پاس کر ڈال پھر رکھدے
ہر پہاڑ پر اُن میں سے ایک ٹکڑا پھر اُنکو بلا تیرے
پاس چلے آئینگے دوڑتے ہوئے اور جان لے
کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۶۲)

میں چلا جانا بلاشبہ اُنکو نہایت رنج دیتا ہوگا اور اُنکی نہایت آرزو یہ ہوگی کہ وہ اسکو پھر اپنے دشمنوں سے واپس لیں +

اس شکست کے بیس برس بعد وہ فلسطینیوں سے پھر لڑے اور فلسطینیوں نے شکست پائی جس سے معلوم ہوتا ہے فلسطینی کمزور ہوگئے تھے فلسطینی خوب جانتے ہونگے کہ بنی اسرائیل جبتک تابوت سکینہ اُنکے نہ ہاتھ لگے لڑائی سے باز نہیں آئینگے۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل کو زیادہ قوت ہوگئی اور شموئیل نبی نے تمام فرقوں کو جو عیلی کے مرنے کے بعد متفرق ہوگئے تھے اکٹھا کر لیا اور طالوت کو بادشاہ مقرر کیا اور یہ امر بنی اسرائیل کی زیادہ قوت کا اور فلسطینیوں کو جو کمزور ہوتے جاتے تھے زیادہ خوف کا باعث ہوا ہوگا اُنھوں نے سمجھا ہوگا کہ اگر تابوت سکینہ واپس کر دیا جاوے تو شاید مصیبت جنگ سے حفاظت ہو جاوے اُنھوں نے جابجا اُسکو منتقل کیا اور آخرکار ایک گاڑی میں لاد کر معہ زر و تحائف کے بیت الشمس کی سرحد میں جو بنی اسرائیل کا ایک شہر فلسطینیوں کی سرحد سے ملا ہوا تھا چھوڑ لئے، اور اس تمام اصلی واقعہ... پر خیال کرنے سے

www.poetrymania.com©

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ
كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ
يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ (۲۶۳) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا
مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۲۶۴)

مثل اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنا مال
خدا کی راہ میں مانند مثال ایک دانہ کے ہے
جو نکالے سات بالیں ہر بالی میں سو دانے
اور اللہ دوچند کردیتا ہے جسکے لیئے چاہتا ہے
اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا (۲۶۳)
جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی راہ
میں پھر جو کچھ کہ اُنھوں نے خرچ کیا ہے اُسکا
پیچھا نہیں کرتے احسان جتا کر اور نہ نمائش
سے رنج دیکر اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہے اُن کے
پروردگار کے پاس اور نہ اُنپر کچھ خوف ہی
اور نہ وہ غمگین ہونگے (۲۶۴)

اِس بات کو کہ تابوت سکینہ طالوت کے عہد میں آیا ہوگا جیسا کہ قرآن میں مندرج ہے زیادہ ترجیح ہوتی ہے ✤

دریا کے پانی پینے سے منع کرنے کی نسبت اول ہمکو خیال کرنا چاہیئے کہ جہاں طالوت و جالوت میں لڑائی ہوئی تھی وہ کیا مقام تھا، فلسطینی مقام سوکوہ و عزیقا واقع دمیم میں جمع ہوئے تھے، اور بنی اسرائیل وادی ایلاہ میں، دونوں لشکروں کے درمیان دریائے شورق واقع تھا فلسطینی اُسکے بائیں کنارہ پر یعنی جانب جنوب تھے اور بنی اسرائیل اُسکے داہنے کنارہ پر یعنی جانب شمال تھے اور بنی اسرائیل نے دریا کو عبور کرکے فلسطینیوں پر حملہ کیا تھا پس قرآن مجید کے اِن لفظوں کی کہ "اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ" جغرافیا و تاریخ سے بخوبی تصدیق ہوتی ہے ✤

باقی رہا اُسکے پانی پینے سے منع کرنا۔ ہر شخص جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہے اِس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم پر فوج کشی کرتی ہے تو

www.poetrymania.com©

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (۲۶۵)	بات اچھی کہنی اور معاف کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جسکے پیچھے رنج دینا ہو اور اللہ غنی ہے بردبار (۲۶۵)

ہر ایک شخص اُسکی قوم کا بہادر اور غیر بہادر اور بزدل چلا اور بزدل کا بودا قومی لحاظ سے اُسکے ساتھ ہو لیتا ہی - لیکن جب وقت حملہ کرنیکا آتا ہی تو سپہ سالار ایک طریقہ ایسے لوگوں کے انتخاب کرنیکا مقرر کرتا ہی جسکے سبب حملہ میں وہی لوگ شریک رہیں جو نہایت بہادر اور دل چلے ہوں اور درحقیقت اپنی دلی جوش سے لڑائی میں شریک ہوتے ہوں - جب جدعون نے مدیانیوں پر فوج کشی کی تھی تو اُسنے حملہ کے وقت یہ قرار دیا تھا کہ جو شخص اُس چشمہ سے جو اُسکے لشکر کے پاس تھا پانی پی لے وہ حملہ میں شریک نہو اور جو نہ پیئے بلکہ صرف ہاتھ بھیگو کے زبان کو تر کر لے وہ حملہ میں شریک رہے - اِس سے مقصود صرف یہ تھا کہ جن لوگوں کو لڑنے اور جان دینے میں تذبذب ہو وہ چھٹ جائیں اور جو بالکل لڑنے اور مرنے پر آمادہ ہوں وہ حملہ میں شریک رہیں - اگرچہ شبہ ہی کہ جہاں جدعون کی مدیانیوں سے لڑائی ہوئی تھی وہاں کوئی چشمہ نہیں تھا اور اسیلئے کتاب قضات میں طالوت کا واقعہ جدعون کے قصہ سے ملا دیا ہے لیکن اگر اُسکو جدعون ہی کے وقت کا واقعہ تسلیم کر لیا جاوے تو طالوت کو یہ واقعہ ضرور معلوم ہوگا اور اتفاق سے طالوت کا لشکر بھی دریا کے کنارہ پر پڑا تھا اور دریا کے پار اُتر کر حملہ کرنا قرار پایا تھا ہر طرح پر یقین کرنیکا موقع ہی کہ طالوت نے بھی اُسی طریقہ پر اُن لوگوں کا جو حملہ میں دل سے شریک ہونے کو تھے انتخاب کرنا چاہا ہوگا اور وہی طریقہ انتخاب کا اختیار کیا ہوگا جو جدعون نے اختیار کیا تھا - ہاں کتاب سموئیل میں اس انتخاب کا ذکر نہیں ہے لیکن جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے کتاب سموئیل میں اُسکا ذکر نہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ نہوا ہو - عیسائی مورخوں نے کج بحثی سے یہ اعتراض کیا ہی کہ قرآن مجید میں جدعون کے قصہ کو طالوت

www.poetrymania.com©

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى
كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ
وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا
لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا
كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ ملیا میٹ کرو
اپنی خیراتوں کو احسان جتانے سے اور رنج
دینے سے اُس شخص کی مانند جو خرچ کرتا ہے
اپنا مال لوگوں کے دکھلا دے کو اور ایمان
نہیں رکھتا اللہ پر اور اخیر دن پر تو اُسکی مثال
ایسی ہے جیسے پتھر جس پر کچھ مٹی ہو پھر پڑے اُس پر
زور کا مینہ اور چھوڑ جائے اُسکو صفا چٹ، وہ
کسی چیز پر جو اُنھوں نے کمائی ہے قدرت
نہیں رکھتے اور اللہ ہدایت نہیں کرتا کافروں
کی قوم کو (۲۶۴)

کے قصہ میں ملا دیا ہے۔ پس یہ اعتراض کرنیوالوں کی غلطی ہے کیونکہ تمام واقعات کو خیال کرنے سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جدعون کے عہد میں جو واقعہ ہوا ہو وہ علیحدہ ہے اور طالوت کے عہد میں جو واقعہ ہوا اور جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ علیحدہ ہے۔ اور کم سے کم اسمیں تو کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُس زمانہ کے یہود جب قرآن مجید نازل ہوا اِس واقعہ کا طالوت کے عہد میں بھی واقع ہونیکا یقین رکھتے تھے کیونکہ اگر ایسا نہوتا تو اُنہی کے مقابلہ میں قرآن مجید میں علانیہ ایسا بیان نہیں ہو سکتا تھا ✢

آیتیں جنمیں یہ قصہ مذکور ہے نہایت صاف ہیں صرف ایک مقام تفسیر کے قابل ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ "طالوت کے عہد سلطنت میں تابوت سکینہ کو فرشتے اُٹھا لاوینگے" تحمله الملائكة۔ جالوت نے جب لڑائی میں مغلوب ہونے کے ڈر سے تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل کے ملک میں بھیجنا چاہا تو اُسکو بیلوں کی گاڑی پر لادکر بنی اسرائیل کے ملک کی سرحد میں چھوڑوا دیا تھا یہ قصہ سموئیل کی کتاب میں ہے۔ ہمارے علما مفسرین نے کہدیا کہ اُن بیلوں کو جنپر کوئی ہانکنے والا نہ تھا فرشتے ہنکا

www.poetrymania.com©

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ کَمَثَلِ جَنَّۃٍۭ بِرَبْوَۃٍ اَصَابَھَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُکُلَھَا ضِعْفَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۲۶۷

اور مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی رضامندی چاہنے کو اور اپنے دلی اعتقاد سے مانند مثال ایک باغ کے ہی جو بلندی پر ہو پڑے اُسپر زور کا مینہ پھر وہ اپنے پھل دو چند لاوے اور اگر اُسپر زور کا مینہ نہ پڑے تو شبنم ہی اُسکو کافی ہے اور اللہ اُس چیز کو جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۲۶۷)

لائے تھے اور یہی معنی ،،تحملہ الملائکہ،، کے قرار دیئے بعض عالموں نے سمجھا کہ یہ معنی تو ٹھیک تحملہ کے لفظ کے چسپاں نہیں ہوتے اُنھوں نے یہ قیاس لگایا کہ موسیٰ کے بعد سے تابوت سکینہ کو دنیا سے اوپر فرشتے ادھر اُٹھائے ہوئے تھے پھر طالوت کو لاکر دیدیا، یہ سب غلط قیاسات ہیں آیت کا مطلب صاف ہی کہ بنی اسرائیل کو تابوت سکینہ کے ہاتھ آنے کی بڑی خواہش تھی شموئیل پیغمبر نے جب طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو فرمایا کہ اُسکی بادشاہت میں تابوت سکینہ آجاویگا، اور چونکہ اُسکا ہاتھ آنا نہایت مشکل معلوم ہوتا تھا اسلیئے اُنھوں نے کہا کہ اُسکو فرشتے اُٹھا دینگے جیسکہ ایسے موقع پر بطور تقویت قلب کے بولا جاتا ہے ؛

۲۶۱ (اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ) قبل اسکے کہ اس آیت کی تفسیر بیان کیجاوے لفظ ،،کالذی،، میں جو حرف کاف ہی اُسپر جو بحث ہی وہ بیان کرنی چاہیئے علماء نحو میں سے کسائی اور فرا اور ابو علی فارسی کا یہ قول ہی کہ اس سے پہلی آیت میں جہاں فرمایا ہی کہ ،،الم تر الی الذی حاج ابراھیم،، وہاں بھی ،،الذی،، کی جگہ ،،کالذی،، مراد ہی اور پھر اس آیت میں جو ،،او کالذی،، آیا ہی اُسکا عطف پہلی آیت کے معنوں پر ہے نہ لفظ پر۔ یہ بحث تو صرف سیاق عبارت سے اور ایک نحوی قاعدہ سے متعلق ہی اس بحث سے یہ مطلب حل نہیں ہوتا کہ الذی پر کاف تشبیہ لانے سے جو یہ معنی ہوگئے

www.poetrymania.com©

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۲۶۸	کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اسکا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں انکے نیچے نہریں اور اس شخص کیلیے اس باغ میں ہر طرح کے میوے ہوں اور اس شخص پر بوڑھاپا آگیا ہو اور اسکی اولاد ناتواں ہو پھر اس باغ پر لو کا جھوکا آیا جسمیں آگ تھی پس اسنے جلا دیا، اسیطح بیان کرتا ہی اللہ تمھارے لیئے نشانیاں تا کہ تم فکر کرو (۲۶۸)

ہیں کہ، اُس شخص کی مانند، تو مانند کے کہنے سے کیا مطلب ہے۔ اخفش نے اِس بحث کو نہایت مختصر کر لیا ہی اور یہ کہا ہی کہ یہاں کاف زائد ہی مگر کاف زائد لانیکی اور اُسکے زائد ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی صاف بات تھی کہ پہلی آیت میں بتایا تھا کہ ،،کیا تو نے نہیں دیکھا اُس شخص کو جسنے ابراہیم سے جھگڑا کیا،، اور دوسری آیت میں فرمایا کہ ،،کیا تو نے نہیں دیکھا اُس شخص کو جو ایک قریہ میں گذرا، پھر دوسری جگہ کاف زائد لانے کی اور مانند اُس شخص کے جو ایک قریہ میں گذرا کہنے کی کیا حاجت تھی۔ مبرد نحوی دوسری آیت میں چند لفظ محذوف مانتا ہی اور اُسکا قول ہی کہ تقدیر آیت کی یوں ہے ،، الم تر الی من کان کالذی مر علی قریۃ ،، یعنی تو نے کیا نہیں دیکھا اُس شخص کو جو تھا مثل اُس شخص کے جو ایک قریہ پر گذرا، مگر اس سے بھی آیت کا مطلب نہیں کھلتا اور یہی سوال باقی رہتا ہی کہ مثل اُس شخص سے کیا مطلب ہے ✦

صاحب بیضاوی نے غالباً اُن مشکلات کو خیال کیا ہی اور ایک قول بیان کرنے سے اپنی دانست میں اِس مشکل کو حل کیا ہی اور لکھا ہی کہ ،،او کالذی مر علی قریۃ ،، حضرت ابراہیمؑ کا قول ہی اور سوال مقدر کا جواب ہے یعنی جب نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ میں زندہ کرتا ہوں ،، تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر تو زندہ کرتا ہی تو اسطح زندہ کر جسطح کہ خدا نے اُس شخص کو زندہ کیا تھا جو ایک قریہ پر گذرا تھا اِس تفسیر کے مطابق تقدیر آیت

www.poetrymania.com©

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ﴿۲۶۹﴾ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۷۰﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۱﴾

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو خرچ کرو پاک کمائی میں سے جو تمنے کمایا ہی اور اُسمیں سے جو ہمنے تمہارے لیئے زمین میں سے نکالا ہی اور مت ارادہ کرو کہ اُسمیں سے خراب کو خرچ کرو (۲۶۹) اور تم بھی تو اُس خراب کو نہیں لیتے مگر یہ کہ چشم پوشی کرو اُسمیں اور جان لو کہ بیشک اللہ غنی ہے تعریف کیا گیا (۲۷۰) شیطان تمکو وعدہ دیتا ہی محتاجی کا اور تمکو حکم کرتا ہی بیحیائی کا اور اللہ تمکو وعدہ دیتا ہی اپنی بخشش کا اور فضل کا اور اللہ وسعت والا ہی جاننے والا (۲۷۱)

کی یہ ہوتی ہے کہ ،،ان کنت تحیی فاحیی کاحیاء اللہ الذی مر علی قریۃ،، نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ لفظ کاف سے اُس شخص کی مانند مراد نہیں بلکہ جسطرح وہ زندہ ہوا تھا اُس طرح زندہ کرنے کی مانند مراد ہے۔ اور پھر قاضی بیضاوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو زندہ ہوا تھا یا تو عزیر تھے یا خضر تھے یا کوئی کافر منکر بعث تھا۔ عزیر تو ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کے بہت بعد ہوئے ہیں۔ اور یہ معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے خضر سے مراد کس سے لی ہے اور یہ واقعہ خضر پر کب گذرا تھا۔ اور نہ یہ معلوم کہ وہ کافر منکر بعث کون تھا رجماً بالغیب جو کچھ جی میں آیا یا سُنا لکھدیا، راوی کی روایت (گو وہ کیسی ہی صریح البطلان ہو) تفسیروں میں قصوں کے لکھدینے کو کافی ہے، پس یہ قول حضرت ابراہیمؑ کا کسیطرح نہیں ہو سکتا ✣

اگر قرآن مجید کا ٹھیک ادب کیا جاوے اور اُسکو ویسا ہی کا قصہ نہ قرار دیا جاوے جیسے کہ عجائب پسند مسلمان قرار دیتے ہیں تو آیت کے معنی نہایت صاف ہیں۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہی کہ کاف حرف تشبیہ کا ہی اور ،کان، بھی اُسی

www.poetrymania.com©

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ
يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ
خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا
أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۲۷۲﴾ وَمَا
أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ
مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَ
مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ إِنْ
تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ
وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ
فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷۳﴾

حکمت عطا کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور جسکو حکمت
عطا کیگئی تو بیشک اسکو بہت سی بھلائیاں
عطا ہوئیں اور نصیحت نہیں پکڑتے مگر عقل
والے (۲۷۲) اور جو کچھ خرچ کیا تمنے خرچ میں سے
یا نذر مانی تمنے نذر ماننے سے تو بیشک اللہ اسکو
جانتا ہے اور ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہیں ہے
اور اگر تم اپنی خیراتوں کو ظاہر کردو تو یہ بھی اچھا
ہے اور اگر تم انکو چھپاؤ اور انکو فقیروں کو دیدو
تو وہ بھی تمھارے لئے اچھا ہے اور دور کریگا تم
سے تمھارے گناہوں میں سے اور اللہ اسچیز کو
جو تم کرتے ہو جانتا ہے (۲۷۳)

کاف تشبیہ سے بنا ہے اور کاف تشبیہ کو بسبب کسی ضرورت کے مثلاً بغرض اہتمام تشبیہ یا تبدیل سیاق کلام یا کسی اور ضرورت کے مشبہ بہ سے جدا کرکے مقدم کردینا جائز ہے مثلاً "زید کالاسد" سے جب کاف تشبیہ کو کسی سبب سے جدا کرکے مقدم کریں تو یوں کہینگے "کأن زیدًا الاسد" اسمقام پر بھی الذی مشبہ بہ نہیں ہے بلکہ اس سے اس شخص کے مرور کی تشبیہ یا تمثیل مراد ہے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ "الم تر الی الذی کانہ مر علی قریۃ" یعنی کیا نہیں دیکھا تونے اس شخص کو جو گویا کہ گذرا تھا ایک قریہ پر، درحقیقت وہ شخص گذرا نہیں تھا بلکہ اُسنے رویا میں دیکھا تھا کہ میں ایک قریہ پر گذرا ہوں جو ویران پڑا ہے اور جو تقدیر آیت کی ہمنے بیان کی ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس شخص کا حال بیان کیا جاتا ہے جو یہ سمجھا تھا کہ گویا میں ایک قریہ میں گیا ہوں اور اسطرح کا بیان صریح دلالت کرتا ہے کہ وہ رویا کا واقعہ ہے۔ مگر نحوی قاعدے کے موافق "کان" کا لفظ الذی موصول کے صلہ میں واقع نہیں ہوسکتا اس ضرورت

www.poetrymania.com©

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ٢٧٢

(اے محمد) اُنکی ہدایت کا تیرا ذمہ نہیں ہے ولیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو خیرات سے تو تمھارے ہی لیئے ہے اور تم نہ خرچ کروگے مگر اللہ کی خاص رضامندی چاہنے میں اور جو کچھ کہ خرچ کروگے تم خیرات سے پورا پہنچا یا جائیگا تمھاری پاس اور تم مظلوم نہوگے، خیرات اُن فقیروں کیلیئے ہے جو روکی ہوتے ہیں (یعنی سوال کرنیسے) اللہ کی راہ میں نہیں استطاعت رکھتے چلنے کی زمین میں (یعنی سفر کرنے کی) گمان کرتا ہے نادان اُنکو دولتمند سوال سے باز رہنے کے سبب سے، تو اُنکو پہچانتا ہے اُنکے چہرے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر، اور جو کچھ کہ تم خرچ کروگے خیرات سے تو بیشک اللہ اُسکا جاننے والا ہے (۲۷۲)

حرف تشبیہ یعنی لفظ کان کو مقدم لانا پڑتا تھا اور وہ مقدم نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اُسکی اسم و خبر صلہ کے جزو تھے اسلیئے حرف کاف جو اصل لفظ تشبیہ کا تھا وہ اُسکی جگہ مقدم کیا گیا؛

قرآن مجید میں اُس شخص کا جسکا رویا یہاں بیان ہوا ہے ذکر نہیں ہے اور نہ اُس قریہ کا ذکر ہے جسمیں گذرنا اُس شخص نے رویا میں دیکھا تھا غالباً اُس قریہ کے تعین کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اُس شخص نے رویا میں دیکھا ہوگا کہ میں ایک قریہ میں گذرا ہوں جو ویران پڑا ہے البتہ اُس شخص کی جسنے یہ رویا دیکھا اُسکی تعین کرنی چاہئیے غالباً آنحضرت کے زمانہ میں اُس شخص کے نام کو ہر کوئی جانتا ہوگا مگر اب ہمارے پاس

www.poetrymania.com©

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۵﴾	جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں اپنا مال رات کو اور دن کو چھپواں اور ظاہر تو انکے لیئے انکا بدلا ہے انکے پروردگار پاس اور نہ خوف ہی انپر اور نہ وہ غمگین ہونگے (۲۷۵)

اُس شخص کا نام متعین کرنے کو بجز روایات اور تاریخی واقعات کے اور کچھ نہیں ہے، تاریخی واقعات سے جہانتک کہ تحقیق ہو سکتے ہیں اور جنپر اعتماد ہو سکتا ہی اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت نحمیاہ نبی تھے +

توریت میں جو واقعات بیت المقدس کی ویرانی کے لکھے ہیں اور جو زمانہ انکا قرار دیا ہی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر نے ۵۹۰ قبل مسیح میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور ۵۸۸ قبل مسیح میں بیت المقدس کو فتح کر لیا اور معبد کو جلا دیا اور بیت المقدس کو ویران کر دیا مگر کیخسرو بادشاہ ایران نے غلبہ پا کر یہودیوں کو قید بابل سے آزاد کیا اور ۵۳۶ قبل مسیح کے اُنھوں نے بیت المقدس میں واپس آکر قربانیاں کیں اُسکے بعد کسی بادشاہ نے یہودیوں کو بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دی اور کسی نے پھر منع کر دیا پھر ۵۱۵ قبل مسیح میں دارا نے بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دیدی مگر ہامان کی دشمنی سے حرج پڑا رہا +

۴۵۷ قبل مسیح کے عزیر پیغمبر بیت المقدس میں گئے اور یہودیوں کی بھلائی کا زمانہ شروع ہوا مگر بیت المقدس اُسیطرح جلا ہوا اور ڈھیا ہوا پڑا تھا حضرت نحمیا نبی کو اُسکا نہایت رنج تھا اُنھوں نے خدا سے بہت التجا اور دعا کی کہ وہ کسیطرح پھر تعمیر ہو، ایک دفعہ ارتخشتا بادشاہ کے حضور میں حاضر تھے بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیوں رنجیدہ ہو اُنھوں نے کہا کہ میں کیونکر رنجیدہ نہوں کہ وہ شہر جسمیں ہمارے بزرگوں کے مزار ہیں ویران پڑا ہے اور اُسکے دروازے آگ سے جلے پڑے ہیں، بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تو کیا چاہتا ہی حضرت نحمیا نے کہا کہ آپ مجھکو وہاں جانے دیں تا کہ میں

www.poetrymania.com©

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ
اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ
اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ
اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٦﴾

جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہونگے مگر جسطرح کہ کھڑا ہو وہ شخص جسکو مخبوط کر دیا ہو شیطان نے چھونے سے، یہ اسلیئے ہے (یعنی اُنکا خبط یہی) کہ وہ کہتے ہیں کہ بیچنا بھی تو مثل سود ہی لینے کے ہے اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام پس جسکے پاس کہ اُسکے پروردگار سے کوئی نصیحت آوے تو وہ باز رہے پھر اُسکے لیئے ہے جو کچھ کہ گذرا اور اُسکا کام خدا کے حوالے ہے اور جنے کہ پھر کیا تو وہ آگ میں پڑنیوالے ہیں وہ اُسی میں ہمیشہ رہینگے (٢٧٦)

اُسکو پھر تعمیر کروں، بادشاہ نے اجازت دی اور ایک میعاد مقرر کی کہ اس عرصہ میں تعمیر کرکے واپس آجانا۔

جب حضرت نحمیا بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف تھے تو لوگ اُن پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ کیا وہ بیت المقدس کو بنا لینگے اور اُسکے پتھروں کو جو جلے ہوئے اور خاک کے ڈھیروں کے تلے جمع ہیں نکال لینگے، کتاب نحمیا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نحمیا کو بیت المقدس کی تعمیر کی بڑی فکر تھی اور خدا کے سامنے ہمیشہ التجا اور دعا کیا کرتے تھے، بلاشبہ اُنکے دل میں یہ بات گذری ہوگی کہ اس شہر کے مر جانے یعنی ویران ہو جانے کے بعد کسطرح اللہ تعالیٰ اُسکو زندہ یعنی آباد کریگا۔ انھیں تردّدات اور خدا سے التجا کرنے کے زمانہ میں جیسا کہ مقتضائے فطرت انسانی ہے حضرت نحمیا نے رویا میں دیکھا اور اُنکو تسلی ہوئی کہ بیت المقدس آباد اور تعمیر ہو جائیگا اُسی رویا کا ذکر اِس آیت میں ہے اور وہ رویا یہ ہے کہ اُنھوں نے دیکھا کہ میں ایک قریہ میں گیا ہوں جو بالکل ڈھیا ہوا اور ویران پڑا ہے رویا ہی میں

www.poetrymania.com©

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾

مٹاتا ہی اللہ سود کو اور بڑھاتا ہی خیراتوں کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی کفر کرنیوالے گنہگار کو، بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیئے ہیں اور پڑھتے رہے ہیں نماز اور دیتے رہے ہیں زکوۃ اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہی اُن کے پروردگار کے پاس اور نہ ڈر ہی اُنپر اور نہ وہ غمگین ہونگے (۲۷۷) اے لوگوں جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ کہ باقی رہا ہی سود سے اگر تم ایمان والے ہو (۲۷۸)

اُنھوں نے کہا کہ اس قریہ کے اسطرح مرجانے یعنی ویران ہوجانے کے بعد کسطرح خدا اسکو زندہ یعنی آباد کریگا اُسی حالت میں اُنھوں نے دیکھا کہ میں مرگیا ہوں اور پھر جی اُٹھا ہوں رویا میں اُنسے کسی نے کہا کہ کتنی دیر تک تم پڑے رہے اُنھوں نے کہا کہ ایکدن یا ایکدن سے کچھ کم اُسنے کہا کہ تم سو برس تک پڑے رہے اپنے کھانے اور اپنے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ تو نہیں بگڑیں اور اپنے گدھے کو دیکھ کہ اُسکا کیا حال ہوگیا ہی اور دیکھ کہ پھر اُسکی ہڈیاں کسطرح ہلتی ہیں اور کسطرح اُنکے اوپر گوشت چڑھتا ہے اس عجیب رویا سے اُنکو تسلی ہوئی کہ بیت المقدس ضرور تعمیر ہوجاویگا پس یہی قصہ جو خدا کی قدرت اور حکمت اور عظمت کو جتاتا ہی اس آیت میں بیان ہوا ہی ❊

ہمارے مفسروں کی عادت ہی کہ سیدھی بات کو بھی ایک عجوبہ بات بناکر بیان کرتے ہیں اور سنی سنائی باتیں ناتحقیق اور قصے اور کہانیاں اُسمیں شامل کر دیتے ہیں اسیطرح اسمیں بھی کیا ہی، باایں ہمہ جب اُن تمام باتوں پر غور کیا جاتا ہی تو جو اصل بات ہی وہ بھی اُسمیں سے نکل سکتی ہی چنانچہ اس مقام پر بھی جو روایت ابن عباس رض کے نام سے تفسیر کبیر میں بیان کی ہی اُس سے پایا جاتا ہی کہ یہ تمام واقعہ جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہی

www.poetrymania.com©

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ
وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَإِنْ كَانَ
ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ
وَأَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ
فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا تَدَايَنْتُمْ
بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ

پھر اگر تم نہیں کرتے تو اجازت دو لڑائی کرنیکی
اللہ سے اور اسکے رسول سے اور اگر تم توبہ کرو تو تمہارے
لئے تمہارا راس المال ہے (یعنی زر اصل) نہ تم ظلم کرو
اور نہ تم پر ظلم کیا جائیگا۔ (۲۷۹) اور اگر کوئی (یعنی
مقروض) تنگدست ہو تو انتظار کرنا چاہئے فراخی تک
اور تمہارا خیرات کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر
تم جانتے ہو (۲۸۰) اور ڈرو اس دن سے جس میں
خدا کیطرف رجوع کرو گے پھر پورا دیا جائیگا ہر شخص کو
جو کچھ اُس نے کمایا ہے اور وہ مظلوم نہ ہونگے۔ (۲۸۱)
اے لوگوں جو ایمان لائے ہو جب تم لین دین کرو
قرض کا کسی مقررہ میعاد تک تو اُسکو لکھ لو اور چاہیئے
کہ تمہارے بیچ میں کوئی لکھنے والا انصاف سے لکھ لے

وہ ایک رویا تھا اُس روایت میں بجائے حضرت یحیا کے حضرت عزیر کا نام لکھا ہی ممکن ہے کہ وہ خواب دیکھنے والے حضرت عزیر ہی ہوں مگر تاریخ سے مطابقت کرنے سے حضرت یحیا کا ہونا زیادہ ترقرین قیاس معلوم ہوتا ہی اُسی روایت میں لکھا ہی کہ جب وہ بیت المقدس میں پہنچے تو وہاں انجیر اور انگور پھل رہے تھے اُنھوں نے انجیر اور انگور کھالئے اور انگوروں کو نچوڑ کر انکا شیرہ پیا اور سو رہے اور سوتے ہی کی حالت میں خدا تعالیٰ نے اُنکو مردہ کر دیا اور سو برس تک مرے پڑے رہے ان لفظوں سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ علما متقدمین کی بھی یہ رائے تھی کہ یہ واقعہ حالت نوم میں گذرا تھا جسکو ہمنے سیدھی طرح رویا سے تعبیر کیا ہے باقی قصہ جو اس روایت میں لکھا ہے محض بے اصل ہے جسکے لئے کوئی سند نہیں ہے ÷

قرآن مجید کا سیاق کلام اسطرح پر واقع ہوا ہی کہ جو قصے اُسمیں بیان کئے گئے ہیں

www.poetrymania.com©

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا
عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي
عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ وَلَا
يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ
ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ
يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ
وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ

اور انکار نہ کرے کاتب یہ کہ لکھے جیسا کہ سکھایا
ہے اسکو اللہ نے پس چاہیئے کہ لکھے وہ شخص جسکے
اوپر حق (یعنی قرض) ہو اور چاہیئے کہ ڈرے
اپنے پروردگار اللہ سے اور نہ نقصان کرے
اسمیں سے کچھ پس اگر وہ شخص جسپر حق (یعنی
قرض) ہی بیوقوف ہو یا ضعیف ہو یا خود تحریر
نہ کرسکتا ہو پس چاہیئے کہ لکھے اسکا ولی انصاف
سے اور گواہ کرلو دو گواہوں کو مردوں میں سے

انکا مقصد بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہی چنانچہ حضرت یوسف کے خواب کا جہاں ذکر ہے وہاں بھی اسیطرح بیان ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور چاند اور سورج کو اپنے تئیں سجدہ کرتے دیکھا، اور یوں نہیں بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند اور سورج مجھکو سجدہ کرتے ہیں، کیونکہ خواب میں دیکھنا قرینۂ مقام سے علانیہ روشن تھا، اسیطرح اسمقام پر بھی حضرت تحنیا کے خواب کا مقصد بیان کیا گیا ہی اور ،، فلما تبین،، کے لفظ سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ تمام واقعات جو اس آیت میں بیان ہوئے ہیں رویا میں واقع ہوئے تھے +

۲۶۲ (واذ قال ابراھیم جسطرح کہ پہلی آیت کے سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہی کہ مذکورۂ بالا قصہ ایک رویا کا واقعہ تھا اسیطرح اس قصہ کا بھی رویا میں واقع ہونا پایا جاتا ہے اول تو اسوجہ سے کہ سب سے اول جو قصہ ابراہیم کا نمرود کے ساتھ بیان ہوا اور واقعی قصہ تھا اس سے ابراہیم کے اس قصہ کو علیحدہ کرکے اُس قصے کے بعد بیان کیا ہے جو رویا میں واقع ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ کیفیت احیاء موتیٰ امر مشاہد بالعین نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی مردہ کو زندہ کردے یا بیمار کو اچھا کردے تو اسقدر مشاہدہ ہو سکتا ہی کہ مردہ زندہ یا بیمار اچھا ہوگیا مگر اُسکی کیفیت احیا و کیفیت صحت امر مشاہد نہیں

www.poetrymania.com©

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ
امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ
اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا
تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ

پس اگر دو مرد نہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں
اُن لوگوں میں سے جنپر تم راضی ہو گواہوں میں
سے (تاکہ) اگر بھول جاوے ایک اُن دونوں
میں کا تو اُن دونوں میں کا ایک دوسرے کو
یاد دلاوے اور انکار نہ کرنا چاہیئے گواہونکو جبکہ
وہ طلب کیئے جاویں اور نہ کاہلی کرو اُسکے
لکھنے میں اُسکی سیعاد تک چھوٹی ہو یا بڑی

ہے اور اسلیئے لفظ اَرِنی سے کسی ایسے امر سے مراد نہیں ہے جو وقوع فی للشاہدہ ہو بلکہ اِرائت قلبی مراد ہے پس گویا حضرت ابراہیم ؑ کا یہ کہنا ہے کہ "اے رب میرے دلکو بتادے کہ مردے کسطرح زندہ ہونگے"۔ تیسرے یہ کہ اِس قسم کے ترددات جو بزرگوں کو اور اہل دل کو واقع ہوتے ہیں اُنکا رفع اور تسلی اُسی طریق سے ہوتی ہے جسکو مشاہدات یا مکاشفات یا رویا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو نطرت انسانی کے بالکلیہ مطابق ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اور اُنسے پیشتر کسی نے اِس دنیا میں مردوں کا زندہ ہونا دیکھا تھا اور اسلیئے کوئی ذی عقل خدا سے ایسا سوال نہیں کرسکتا تھا پس صاف پایا جاتا ہے کہ جو تعجب احیاء اموات کی نسبت حضرت ابراہیم ؑ کے دل میں پیدا ہوا تھا اُسیکا رفع ہونا چاہتا تھا اور اُسکا رفع ہونا نہ دنیاوی مشاہدہ اور نہ اِن ظاہری آنکھوں کے دیکھنے سے علاقہ رکھتا تھا پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ جو یہاں مذکور ہوا ہے وہ ایک رویا حضرت ابراہیمؑ کا ہے۔ اُنھوں نے رویا میں خدا سے کہا کہ مجھکو دکھلا یا بتا کہ تو کسطرح مردہ زندہ کریگا پھر خواب ہی میں خدا کے بتلانے سے اُنھوں نے چار پرندہ جانور لیئے اور اُنکا قیمہ کرکے ملا دیا اور پہاڑوں پر رکھدیا پھر بُلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے اور اُنکے دل کو مردوں کے زندہ ہونے سے جنکے اجزا بعد مرنیکے عالم میں مخلوط و

www.poetrymania.com©

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا	یہ تمہارے لیئے زیادہ انصاف ہی اللہ کے نزدیک اور زیادہ قوی ہی گواہی کے لیئے اور قریب تر ہے کہ شک میں نہ پڑو مگر جبکہ تجارت کا (لین دین) ہو اور باہم دست بدست اُسکو پھراتے ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہی کہ اُسکو نہ لکھو

منتشر ہو جانے میں طمانیت ہوگئی ٭

کل مسلمان عالموں اور قدیم مفسروں کو بھی اسبات پر یقین نہیں تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے سچ مچ جانوروں کا قیمہ کرکے پہاڑوں پر رکھدیا تھا اور اسلیئے اس آیت کی نسبت مفسرین کی تین رائیں قائم ہوئی ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جنکی یہ رائے ہی کہ درحقیقت حضرت ابراہیمؑ نے جانوروں کا قیمہ کرکے پہاڑوں پر رکھدیا اور پھر جب بُلایا تو وہ زندہ ہوکر چلے آئے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو صُرھُنّ کے معنی قیمہ کرنے کے نہیں لیتے بلکہ اپنے سے ہلا لینے کے لیتے ہیں اور جزء کے معنی ہر ایک جانور کے جزء کے نہیں لیتے بلکہ مجموعہ جانوروں میں سے بعض مراد لیتے ہیں جس سے آیت کا مطلب صرف یہ رہجاتا ہی کہ حضرت ابراہیمؑ نے چند جانور اپنے سے ہلائے اور پھر کوئی جانور کسی پہاڑ پر اور کوئی کسی پہاڑ پر چھوڑدیا اور پھر جب بُلایا تو سب چلے آئے۔ لیکن اگر ایسا کیا ہو تو یہ تو لڑکوں کا کھیل ہوا اس سے احیاء اموات سے کیونکر طمانیت ہوسکتی ہی۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جانوروں کا قیمہ کرنا اور پہاڑوں پر رکھنا واقع نہیں ہوا بلکہ جب خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ایسا کرنے کا حکم دیا تو اس حکم سے حضرت ابراہیم کے دل کو طمانیت ہوگئی پھر اُنھوں نے نہ جانور پکڑے نہ اُنکا قیمہ کیا نہ پہاڑوں پر رکھا۔ گو کہ پچھلے گروہ مفسرین کے بھی اس اَمر کے واقع ہونے سے یعنی جانوروں کے قیمہ کرنے اور پھر اُنکے زندہ ہونے سے انکار کرتے ہیں مگر ہماری سمجھ میں ان تینوں گروہ نے

www.poetrymania.com©

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾	اور گواہ کر لو جبکہ تم خرید و فروخت کرو اور نہ ضرر پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر تم نہ کرو تو بیشک وہ تمھاری بداعمالی ہے اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمکو اللہ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے (۲۸۲)

رویا کے واقعات کو ظاہری واقعات سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

عیسائی بحث کرنے والوں نے ہمارے مفسرین کے لغو اقوال کو غنیمت سمجھا اور بلا تحقیق اصل مطلب کے قرآن مجید پر اعتراض کرنے کو موجود ہوئے۔ کتاب حزقیل میں حضرت حزقیل کے رویا کا ذکر ہے کہ وہ ایک جنگل میں جسمیں آدمیوں کی بہت سی ہڈیاں پڑی تھیں پہنچے خدا نے کہا کہ کیا یہ ہڈیاں زندہ ہو سکتی ہیں پھر حزقیل نے ان ہڈیوں سے خدا کے حکم سے کہا کہ تم زندہ ہو گی تمپر رگ اور گوشت آجاویگا اور جان پڑ جاویگی اور تم زندہ ہو جاؤ گے چنانچہ وہ ہڈیاں ملیں اور گوشت وغیرہ پیدا ہوا پھر وہ سب اسیطرح زندہ ہو گئیں۔ اور توریت کتاب پیدایش باب پندرھویں میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کو بیٹا پیدا ہونیکی بشارت کے وقت خدا نے کہا تھا کہ چار جانور لے اور انکے دو دو ٹکڑے کرکے ہر ایک ٹکڑے کو اسکے مقابل رکھدے حضرت ابراہیم نے چار پایوں کے تو ٹکڑے کیے مگر پرندوں کے ٹکڑے نہیں کیے اور پھر اسکو نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ پس عیسائیوں نے مفسرین کی لغو اور ناتحقیق روایتوں کو دیکھکر کہدیا کہ یہ دونو قصے جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور جنکے ساتھ مفسرین نے روایتیں ملائی ہیں وہ ان دونوں قصوں سے جو توریت میں مذکور ہیں بنائی گئی ہیں۔ مگر ہم اسوقت ان ناقابل فہم قصوں پر جو توریت میں اور کتاب حزقیل میں مذکور ہیں بحث نہیں کرتے بلکہ صرف اسقدر بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو یہ دونوں قصے مذکور ہیں انکے اور توریت و کتاب حزقیل

www.poetrymania.com©

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ	اور اگر تم سفر پر ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا گروی ہو (مرتہن کے) قبضہ میں سپی ہوئی پھر اگر امین جانیں بعض تم میں کے بعض کو پس چاہیئے کہ ادا کرے اُس شخص کو اُسکی امانت جسکو امین جانا ہی

کے مندرجہ قصوں سے کچھ تعلق نہیں ہے +

۲۷۶ (واحل اللہ البیع وحرم الربوا) حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے انتقال فرمایا اور ربا کی تفسیر ہمسے نہیں فرمائی۔ یعنی ہمکو اسبات کے دریافت کرنیکا موقع نہیں ملا کہ ربا جسکو خدا نے حرام فرمایا وہ کیا ہی اور کونسا ربا ہی جو حرام ہوا ہے اور جسپر ایسی سخت وعید نازل ہوئی ہی۔ پس جبکہ اتنے بڑے خلیفہ رسول اللہ صلعم کو ربا کی حقیقت پر تسلی نہ تھی تو ضرور تھا کہ صحابہؓ تابعین اور ائمہ مجتہدین اور علماء امت میں اختلاف رائے ہو اور ہر ایک اپنے اجتہاد کے موافق اُسکی نسبت مسائل قرار دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہوتا ہی اور ہوگا اور اس چودھویں صدی نبوی میں جسکا یہ دسواں برس ہے میں بھی بقدر اپنے فہم کے علماء امت سے اِس مسئلہ میں مختلف رائے ہوں +

علماء امت اور فقہاء اسلام نے ربا کی دو قسمیں کی ہیں ایک ربا الفضل اور دوسری ربا النسیہ۔ ربا الفضل سے ایسی بڑھوتری مراد ہی کہ ہمجنس چیز کے دست بدست مبادلہ کرنے میں لی دی جاوے۔ اِس قسم کے ربا کی حرمت زیادہ تر حدیثوں پر مبنی ہی اور اسباب میں کہ کونسی ہمجنس چیزوں کے مبادلہ میں بڑھوتری لینا ربا ہے ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہے +

امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اُس ہمجنس مال کے مبادلہ میں بڑھوتری ربا ہے جو پیمانہ سے نپتا یا وزن سے تلتا ہو +

www.poetrymania.com©

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۚ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ	اور چاہئے کہ ڈرے اپنے پروردگار اللہ سے اور مت چھپاؤ گواہی کو

امام شافعی کے نزدیک وہ مال یا خود قیمتی ہو جیسے چاندی سونا یا شئے خوردنی ہو ÷

امام مالک کے نزدیک وہ مال یا خود چاندی و سونا ہو یا ایسا ہو جس سے انسان کا قوت ہوتا ہو یا جو اس کی اصلاح کرتا ہو جیسے کہ نمک +

ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک چاندی اور سونے کے سوا باقی ایسی چیزوں کے مبادلہ کی بڑھوتری پر جو کھانے میں نہیں آتیں جیسے لوہا اور چونا وغیرہ ربا کا حکم نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربا کا حکم ہے +

اور جب کہ قلیل مقدار کا غلہ جو ایک صاع سے کم ہو مبادلہ کیا جاوے تو اس کی بڑھوتری پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربا کا حکم نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ربا کا حکم ہے +

اور جو پھل وغیرہ اشیاء خوردنی پیمانے یا وزن سے نہیں بکتی تھیں انکی بڑھوتری پر بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربا کا حکم نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ربا کا حکم ہے +

امام مالک کے نزدیک جیسا کہ اُن کی کتاب مؤطا میں مذکور ہے چاندی اور سونے کے سوا اور چیزوں پر جو وزن سے بکتی ہیں جیسے تانبا سیسہ چونا لوہا کسم وغیرہ یا ایسا میوہ جو تازہ کھانے میں آتا ہے اور سکھلا کر ذخیرہ نہیں کیا جاتا اس کے مبادلہ میں بڑھوتری پر ربا کا حکم نہیں ہے +

ہم جنس ہونے میں اچھے اور برے یا کھرے اور کھوٹے ہونے میں کچھ فرق نہیں ہے، کھرا سونا کھوٹے سونے سے اور کھری چاندی کھوٹی چاندی سے

www.poetrymania.com©

وَمَن یَکْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ	اور جو کوئی چھپاویگا اسکو تو بیشک اُسکا دل گنہگار ہے

اور اچھی کھجوریں تُم سی کھجوروں سے یا سفید گیہوں لال گیہوں سے اگر بدلے جاویں تو ضرور ہے کہ برابر کے برابر بدلے جاویں اگر اُن کے مبادلہ میں بڑھوتری لیجاوے تو وہ بھی ربا میں داخل ہے +

مجھکو جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے مبادلہ کو جو اُس ربا میں داخل کیا ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے یہ علانیہ غلطی ہے اس قسم کے مبادلوں کی بڑھوتری سے اس آیت کو کچھ تعلق نہیں ہے بلاشبہ حدیثوں میں اس قسم کے مبادلوں کی بڑھوتری پر بھی ربا کا اطلاق کیا گیا ہے مگر اُس ربا سے یہ ربا جس کا ذکر اس آیت میں ہے مُراد نہیں ہے ربا کا اطلاق اُس فائدہ پر بھی ہوتا ہے جو بیع فاسد کے ذریعہ سے کوئی شخص حاصل کرے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے "من اجبی فقد اربی" اجبا کے معنے کسی درخت کے پھل کو پھلوں کے آنے سے پیشتر بیچ ڈالنے کے ہیں جیسے کہ ہندوستان میں آم کے درختوں کا پھل صرف مور آنے پر قبل اسکے کہ آم پیدا ہوں بیچ ڈالا جاتا ہے ایسی خرید فروخت میں یا تو بائع ایسا فائدہ اُٹھاتا ہے جس کے مقابلہ میں درحقیقت اُسنے کوئی جنس نہیں دی یا مشتری ایسا فائدہ اُٹھاتا ہے جسکے مقابلہ میں درحقیقت اُسنے کوئی مال نہیں دیا اور اسی سبب سے اس معاملہ پر ربا کا اطلاق کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہ معاملہ بیع فاسد کا ہے اور اُس ربا کی تفسیر میں داخل نہیں جسکا ذکر اس آیت میں ہے +

بخاری و مسلم نے اُسامہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "الربوا فی النسیئة" یعنے ربا اُدھار میں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ "لا ربوا فیما کان یدًا بید" یعنی جو چیز کہ دست بدست لی دیجاوے اُسمیں ربا نہیں ہے یعنی وہ ربا جو اس آیت کی رو سے حرام ہوا ہے اس حدیث میں اسبات کی بڑی دلیل ہے کہ دست بدست معاملہ میں جو ربا ہے وہ ربا بیع فاسد کا ہے نہ وہ ربا جو اس آیت میں حرام ہوا +

www.poetrymania.com©

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾	اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو جانتا ہے (۲۸۳)

امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں اس قسم کے معاملہ کو رباسے تعبیر ہی نہیں کیا بلکہ ہر جگہ بیع سے تعبیر کیا ہے اور درحقیقت یہ معاملہ بیع کا ہے اور جو کہ اس قسم کے معاملہ میں اکثر یا بایع مغبون ہوتا ہے یا مشتری اور اسی لئے بیع فاسد میں شمار ہو سکتا ہے +

رسول خدا صلعم نے اس بات سے منع فرمایا کہ زیادہ مقدار کی ناقص کھجوروں کے بدلے کم مقدار کی اچھی کھجوروں کا مبادلہ مت کرو کیونکہ وہ ربا ہے یعنی بیع فاسد کا فائدہ ہے اسلئے کہ دونوں قسم کی کھجوروں کی واقعی قیمت درحقیقت منقح نہیں ہوئی پس یا مشتری کا نقصان ہے یا بایع کا نقصان اور اسلئے یہ فرمایا کہ اگر ایسا کرنا منظور ہے تو بری کھجوروں کی قیمت مقرر کر کے علٰحدہ بیچ ڈالو اور اچھی کھجوروں کی قیمت مقرر کر کے علٰحدہ خرید لو +

یہی حال اچھی یا بری کھری یا کھوٹی چاندی اور سونے کے مبادلہ میں ہے کہ اس طرح کا مبادلہ کرنے میں دونوں قسم میں کسی قسم کی صحیح قیمت منقح نہیں ہوتی لیکن اگر یہ قاعدہ قرار دیا جاوے کہ دو ہم جنس چیزوں کا مبادلہ برابر برابر سے کیا جاوے تو اسمیں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ اگر درحقیقت دونوں ایک سے ہیں تو اس وقت مبادلہ میں کسیکا نقصان نہیں اور اگر وہ اچھی اور بری ہیں تو کوئی شخص برابر برابر پر مبادلہ کرنا پسند نہیں کریگا اور ناقص چیز والے کو ضرور ہوگا کہ وہ اپنی چیز واجبی قیمت پر فروخت کر دے اور اچھی چیز کو واجبی قیمت پر خرید لے

ابن عباسؓ اس قسم کے معاملہ کو اس ربا میں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور جو اس آیت کی رو سے حرام ہوا ہے داخل نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا قول تھا "لا ربا الا فی النسیئۃ وکان یجوز ربا النقد" یعنے وہ کہتے تھے کہ ربا ادھار کے سوا اور کسی میں نہیں ہے اور دست بدست مبادلہ میں جو ربا ہوتا تھا اسکو وہ جائز سمجھتے تھے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ان کی دلیل یہ تھی کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اس میں ایک

www.poetrymania.com©

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا	خدا کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اگر تم ظاہر کرو

درہم کو دو درہموں کے بدلے دست بدست بیچنا بھی داخل ہے، اور اللہ تعالےٰ نے ربا کو حرام کیا ہے اُسمیں اسطرح کا بیچنا داخل نہیں ہے کیونکہ ربا کے معنے بڑھوتی کے ہیں اور ہر ایک بڑھوتری حرام نہیں ہے بلکہ وہی خاص بڑھوتری حرام ہے جو اُسمیں عرب کے لوگوں میں ربا کے نام سے موسوم تھی اور وہ بڑھوتری اُدھار کے معاملہ میں ہوتی تھی پس خدا نے جو یہ فرمایا" وحرم الربا"، اس سے وہی اُدھار والی بڑھوتری حرام ہوئی اور بیع کے حلال کرنے سے وہ بڑھوتری جو نقدا دست بدست ہو حرام نہیں ہوئی اور نہ ربا کے حرام ہونیمیں داخل ہوئی اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکی حرمت حدیث کی رو سے ہوئی ہے کیونکہ ایسا کہنے میں ظاہر قرآن کی تخصیص خبر واحد سے ہو جاویگی اور یہ جائز نہیں +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابن عباسؓ نے اپنے اس قول سے رجوع کی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ عکرمہ جو ان کے خاص شاگرد رشید تھے اور اُنہیں کے پاس رہتے تھے اور اُنہیں سے تربیت پائی تھی اُن کو ابن عباس کے رجوع کی خبر نہ تھی اور اس سبب سے وہ روایت جسمیں ابن عباس کا رجوع بیان کیا گیا ہے نہایت مشتبہ ہو جاتی ہے بہر حال اگر ابن عباس کا رجوع کرنا بھی تسلیم کیا جائے تو اُسکا صرف یہ نتیجہ ہو گا کہ بیع فاسد سے جو ربا ہوا اسکو ابن عباس پہلے جائز سمجھتے ہونگے پھر اُنھوں نے اُسکو ناجائز سمجھا نہ یہ کہ اُنھوں نے اس معاملہ کو اس ربا میں داخل کیا جسکا ذکر اس آیت میں ہے +

ربا النسیئۃ وہی جو عرب کے لوگوں میں زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ مال دیتا تھا اس اقرار پر کہ مدیون ہر مہینہ ایک مقدار معین اسکو دے اور راس المال بدستور مدیون کے ذمہ باقی رہے جب وعدہ ادا ہے

www.poetrymania.com©

مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ	جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے یا اُسکو چھپاؤ

راس المال کا گذر جاتا تھا تو دائن پورا روپیہ اپنا طلب کرتا تھا اور اگر وہ نہ دیسکتا تھا تو میعاد بڑھا دیتا تھا اور راس المال کو بھی بڑھا دیتا تھا اور اسپر ہر مہینہ ایک مقدار معین لیتا تھا پس جو مقدار کہ ماہواری لیجاتی تھی یا جو اضافہ کہ راس المال میں کیا جاتا تھا اُسی پر عرب جاہلیت ربا کا اطلاق کرتے تھے اور اسی کی حرمت اس آیت میں آئی ہے اور لفظ "حرم الربا" سے یہی خاص ربا حرام ہوا ہے +

یہ طریقہ ربا کا جو عرب جاہلیت میں جاری تھا بعینہٖ ہندوستان کے سود خواروں میں جاری ہے کہ وہ ایک شخص کو روپیہ قرض دیتے ہیں اور اُسپر ماہواری یا ششماہی سود لیتے ہیں اور اگر وہ میعاد پر ادا نہیں ہوتا تو اُس سُود کو بھی اصل میں داخل کر دیتے ہیں اور مجموع اصل و سود پر پھر سود لیتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میعاد ادا منقضی ہونے پر دوسری میعاد بڑھا دیتے ہیں اسطرح پر کہ میعاد بڑھانے کی عوض کبھی کچھ نقد روپیہ لے لیتے ہیں اور کبھی مقدار اصل کو زیادہ کر دیتے ہیں اور ایسا بھی کرتے ہیں کہ علا ایک میعاد معیّن کے لئے قرض دیتے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ جتنا دیا ہے اُسکا ڈیوڑھا یا دُگنا لینگے اور جب میعاد پر ادا نہیں ہوتا ہے تو اُس اضافہ کو بھی اصل میں شامل کر کے میعاد بڑھا دیتے ہیں اور اس مجموع پر ڈیوڑھا یا دُگنا لینے کا اقرار کرتے ہیں یہ سب صورتیں اُس ربا کی ہیں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور بلاشبہ یہ ربا حرام ہے ربا النسیئۃ کے اب یہ معنی ٹھیرے کہ مدیون سے علاوہ زر اصل کے کچھ روپیہ یا مال بطور فائدہ کے لینا مگر ایک بحث اَور باقی رہجاتی ہے کہ عمومًا ایسا کرنا حرام اور ممنوع ہے اور اُس کا کرنے والا ہر حالت میں اُنہیں وعیدوں کا مستحق ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کسی اَور قسم کی بھی قید یا تخصیص قرآن مجید سے پائی جاتی ہے علماے اسلام کی یہ راے ہے کہ اسمیں کسی قسم کی قید یا تخصیص نہیں ہو مگر میں قرآن مجید کی رد سے ایسا نہیں سمجھتا بلکہ میری یہ سمجھ ہے کہ قرآن مجید کی رد سے اس قسم کے ربا کے حرام ہونے

www.poetrymania.com©

تم سے اللہ اس کا حساب لے گا پس بخشیگا	یُحَاسِبۡکُمۡ بِهِ اللّٰهُ فَیَغۡفِرُ

میں بھی ایک تخصیص پائی جاتی ہے جو آیندہ بیان ہوگی +

ربا درحقیقت ایک نہایت بُری چیز ہے اور انسانی اخلاق اور تمدن کے لئے بعضے حالتوں میں نہایت مضر ہے۔ ربا جب کہ ایک پیشہ کرلیا جاتا ہے جیسا کہ سود خور آڑھتیے اور مہاجن بطور پیشہ کے اسکو برتتے ہیں تو تمدن کے لئے نہایت مضر ہوتا ہے، ذی مقدور شخص اُس روپیہ کو ملک کی ترقی اور تجارت کی افزونی میں صرف نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی ملک کے لوگوں سے اُنکا مال لے لینے میں صرف کرتا ہے، وہ اپنی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنے میں بالکل سُست ہوجاتا ہے اور لوگوں نے جو محنت اور مشقت سے کمایا ہے اس کے لے لینے پر راغب ہوتا ہے، اس کے مال و دولت سے کوئی صنعت یا کوئی ایسا کارخانہ جس سے لوگوں کو معیشت میں مدد پہونچے اور ملک کی دولت کو ترقی ہو نہیں قائم ہوتا بجز اُس کے کہ غریبوں سے ان کی محنت اور مشقت کے حاصلات کے چھین لینے کا اُس کے قابو ملتا ہے، اور کچھ شبہ نہیں کہ ایسا ربا اخلاق و معاشرت و تمدن کے برخلاف ہے +

ایک اور صورت ربا کی ہے جو اُس سے بھی زیادہ اخلاق انسانی اور روحانی نیکی کے برخلاف ہے اور بلاشبہ حرب میں اللہ اور رسُول کے برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ غریب و محتاج و مفلس ہیں اور نہ کسی عیش و آرام کے لئے بلکہ صرف اپنی زندگی کے لئے قوت لایموت بہم پہونچانے کو روپیہ یا غلہ قرض لیتے ہیں اور ذی مقدور سُود پر قرض انکو دیتے ہیں اور سود لیتے ہیں۔ ایسا کرنا انسانی ہمدردی اور غریبوں کے ساتھ سلوک کرنیکے بالکل برخلاف ہے حالانکہ قرآن مجید میں اُن کے ساتھ سلوک کرنے کا جابجا حکم ہے۔ ایسے لوگوں سے سُود لینا شقاوت قلبی اور بدترین اخلاق ہونے کے سوا قرآن مجید کی مستحکم ہدایتوں کے بھی برخلاف ہے اور کوئی شخص

www.poetrymania.com©

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ	جسکو چاہیگا اور عذاب دیگا جس کو چاہے گا

شبہ نہیں کرسکتا کہ ایسا ربا نہایت بد اور ناپاک ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسے ہی ربا کا اس آیت میں ذکر ہے جس کو خدا نے منع فرمایا اور حرام کیا ہے اور کوئی انسانی دل جو ذرا بھی روحانی اخلاق کی طرف مائل ہوگا ایسا نہ ہوگا جو اس قسم کے ربا کو حرام و ناپاک نہ سمجھتا ہو +

میری اس سمجھ پر جو کچھ شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "حرم اللہ الربوا" جو ایک عام حکم تھا اسکو میں نے خاص کر دیا ہے اور اسی ربا پر منحصر کر دیا ہے جو ایسے لوگوں سے لیا جاوے جنکے ساتھ سلوک کرنے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنیکے قرآن مجید میں ہدایت ہوئی ہے مگر میرے دل کو یقین ہے کہ قرآن مجید کے تمام سیاق و سباق کلام سے یہی ہدایت پائی جاتی ہے +

ربا کی آیت سے پہلی آیتوں میں خدا تعالے نے خدا کے راہ میں مال خرچ کرنیوالوں کی خوبیوں کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی مثال ایک دانہ کی ہے جو اُگے اور اسمیں سات خوشہ لگیں اور ہر خوشہ میں سو سو دانے ہوں۔ پھر انکو نصیحت کی کہ غریب و محتاجوں کے ساتھ جو تم سلوک کرتے ہو اسکے احسان جتانے سے اور انکا دل دکھانے سے برباد مت کرو اور اسکی مثال ایسی شخص کی بتائی جسکا ہرا بھرا باغ آگ سے جلگیا ہو۔ پھر ان کو سمجھایا کہ غریبوں اور مسکینوں کو جو خدا کے لئے دیتے ہو وہ اپنے ہی لئے دیتے ہو اور وہ تمہیں پہونچیگا +

اُس کے بعد خدا تعالے نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو غریب اور مسکین لوگوں پر مال خرچ کرتے ہیں اور ان کے ثواب کا بیان کیا اور اسی کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کیا جو بعوض سلوک و ہمدردی کرنے کے سود لیتے ہیں پس قرینہ مقام و طرز کلام سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس آیت میں انہیں لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مسکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اسی سُود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا جو قابل رحم اور ہمدردی

www.poetrymania.com©

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾	اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۲۸۴)

اور سلوک کرنے کے تھی خدا نے حرام کیا اور فرمایا کہ ،، حرم الربوا ،، اور پھر فرمایا کہ ،، یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات ،، اور پھر فرمایا کہ اے ایمان والو جو کچھ سود کا لینا باقی رہگیا ہے اُسکو چھوڑ دو اور اگر نہیں چھوڑتے تو خدا اور رسول سے لڑنیکو تیار ہو کیونکہ خدا اور رسول نے تو اُنکے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے اور تم اُس کے برعکس اُنسے سود لیتے ہو ،، خدا کے حکم کے برخلاف کرنا خدا سے ،، خدا سے لڑائی کرنی ہے +

پس تمکو چاہئے کہ اُن سے اپنا اصل مال لے لو اور اگر کوئی ایسا محتاج ہو کہ اصل دینے کا بھی مقدور نہ رکھتا ہو تو اُس کو مہلت دو تاکہ جب اُس کو فراغت ہو ادا کرے اور اگر اصل بھی چھوڑ دو تو تمہارے لئے بہتر ہے یہ تیں جسقدر آیتیں کہ قبل آیت ربا کے ہیں اور جسقدر کہ اسکے بعد ہیں اُن سب کو ملانے اور سیاق و سباق کلام پر نظر کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہی ربا حرام کیا گیا ہے جو ایسے غریب و محتاج آدمیوں سے لیا جاتا تھا جو کھانے کو محتاج تھے اور غلہ یا کھجوریں یا اور کچھ قرض لیکر قوت لا یموت بہم پہونچاتے تھے اور جن کی نسبت قرآن مجید میں جابجا سلوک و ہمدردی کرنے کی ہدایت تھی میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شخص گو کہ وہ کوئی مذہب رکھتا ہو ایسے ربا کو ناپاک و حرام نہ سمجھتا ہو +

اُن کے سوا وہ لوگ ہیں جو ذی مقدور اور صاحب دولت و جاہ و حشمت ہیں اور اپنے عیش و آرام کے لئے روپیہ قرض لیتے ہیں جائدادیں مول لیتے ہیں مکان بناتے ہیں اور قرض روپیہ لیکر چین اُڑاتے ہیں گو اُنکو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو مگر اُن سے سود لینے کی حرمت کی کوئی وجہ قرآن مجید کی رو سے مجھکو نہیں معلوم ہوتی +

www.poetrymania.com©

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ	ایمان لایا پیغمبر جو اوتاری گئی ہے اُس پر اُس کے پروردگار سے اور سب ایمان لانے والے میں ہر ایک ایمان لایا اللہ اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر نہیں فرق کرتے ہم

اسی طرح بہت سے معاملات قرضہ کے ہیں جو تجارت کے کاروبار میں پیش آتے ہیں اور ایسے بینکوں کے قائم ہونے سے سود پر تجارت کے مقاصد کے لئے روپیہ قرض دیتے ہیں اور ایک جگہہ سے دوسری جگہہ روپیہ پہونچا دیتے ہیں اور ہر قسم کے آڑہتوں کا کام کرتے ہیں اور جن سے تجارت کو اور ترقی ملک کو اور زر افزونی آبادی کو نہایت امداد پہونچتی ہے ان معاملات میں جو سود کہ لیا و دیا جاتا ہے مجھکو قرآن مجید کی رو سے اُسکے ایسا ربا ہونے کے جسکو اس آیت میں حرام کیا ہے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی پس حکم ربا جو قرآن مجید میں ہے وہ نہایت اخلاق و نیکی پر مبنی ہے اور کسیطرح ترقی تجارت و ترقی ملک و دولت کا مانع نہیں ہے فقہا نے بلاشبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں بڑھادی ہیں جن سے ربا کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع قوی ہوگیا ہے، مگر قرآن مجید سے ایسا نہیں پایا جاتا مفتی شرف الدین رامپوری اور مولوی بُرہان الدین صاحب نے اپنے رسالوں میں ربا کو صرف جنس کے دست بدست مبادلہ میں منحصر کیا تھا جسکو ربا الفضل کہتے ہیں اور نسیہ یعنی قرضہ میں ربا نہیں قرار دیا تھا، مگر میری رائے اس کے برخلاف ہے جیسکہ اوپر بیان ہوا +

اب میں اپنی رائے سے قطع نظر کرتا ہوں اور کتب فقہ اور مسائل مسلمہ فقہ کو تسلیم کر کے مندرجہ ذیل معاملات پر جو اس زمانہ میں اکثر پیش آتے ہیں نظر ڈالتا ہوں کہ اگر فقہ ہی کی روایتوں پر عمل کیا جاوے تو فقہ کی رو سے بھی معاملات مندرجہ ذیل کے سُود پر ربا ناجائز کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں +

www.poetrymania.com©

بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا

درمیان کسی ایک کے اسکے رسولوں میں سے اور اُنھوں نے کہا ہمنے سُنا اور ہمنے اطاعت کی اے ہمارے پروردگار تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیرے پاس پھر جانا ہے (۲۸۵) نہیں تکلیف دیتا اللہ کسیکو مگر بقدر اسکی طاقت کے اسکے لئے ہے وہ جو اُسنے کمایا اور اسپر ہے جو اُس نے کمایا الے پروردگار ہمارے ہمکو مت پکڑ

اول گورنمنٹ پرامیسری نوٹ اگرچہ مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب نے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ کے سود کے مباح ہونیکا فتویٰ دیا ہے مگر جس اصول پر وہ فتوی دیا گیا ہے میری رائے میں وہ اصول صحیح نہیں بلکہ فقہ مسلمہ کی رو سے پرامیسری نوٹ کے سود کے جائز ہونے کی اور وجہ ہے +

فقہ کے اس مسئلہ کو کہ ،، کل قرض جر منفعتا فھو ربوا ،، تسلیم کرو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس قرضہ میں بڑھوتری ملے وہ ربا ہے۔ قرضہ کے مستحق ہونیکو تین رُکن ضروری ہیں اگر ایک رکن بھی اسمیں موجود نہو تو اس پر قرضہ کا اطلاق نہوگا اور اس کی بڑھوتری ربا نہ جائز نہوگی اور وہ رُکن یہ ہیں، اول۔ دائن یا دائنان کا محقق و مشخص ہونا۔ دوم مدیون کا محقق و مشخص ہونا۔ سوم دائن کو حق طلب باقی ہونا۔ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ میں جسمیں زمانہ ادا موعود نہیں ہے ان ارکان ثلاثہ میں سے دو رُکن مفقود ہیں ایک مدیون کیونکہ اسمیں کوئی شخص معین و مشخص مدیون نہیں ہے بلکہ صرف ایک مفہوم جسکو گورنمنٹ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مدیون ہے جو فقہ کی رو سے صلاحیت مدیون قرار پانے کی نہیں رکھتے۔ دوسری حق طلب اِسلئے کہ دائن کو اُس قرضہ کے طلب کا حق نہیں ہے۔ اور جن پرامیسری نوٹوں میں میعاد ادا موعود ہے ان میں حق طلب ساقط نہیں اِلّا مدیون بدستور غیر متعین و غیر مشخص ہے، پس

www.poetrymania.com©

إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

اگر ہمنے بھول یا ہمنے چوک کی ہے اے پروردگار ہمارے اور مت رکھ ہمپر بھاری بوجھ جسطرح کہ تو نے اسکو اُن لوگوں پر رکھا جو ہمسے پہلے تھے اے پروردگار ہمارے اور مت رکھ ہمپر

جو بڑہوتری کہ اُن پرامیسری نوٹوں کے ذریعہ سے حاصل ہو وہ فقہ کی رو سے ربا نہیں قرار پا سکتی +

ہمارے زمانہ کے علما پرامیسری نوٹوں کی بڑہوتری پر ربا ہونے یا نہونے کا حکم دیں یا نہ دیں مگر ہمارے زمانہ میں دھلی میں بعینہ مثل پرامیسری نوٹ کے ایک معاملہ پیش آیا تھا اور تمام علماء دھلی نے جو اُس زمانہ تک بڑے بڑے مقدس لوگ موجود تھے اُس کے جواز کا فتوے دیا تھا اور وہ واقعہ یہہ تھا کہ بہادر شاہ بادشاہ نے یہہ قاعدہ نکالا تھا کہ جو کوئی شخص بادشاہ کو کچھ روپیہ بطور نذرانہ کے دے تو اُس شخص کی تنخواہ اُس روپیہ کے سود کی برابر مقرر ہو جاوے جس شخص نے روپیہ دیا اُسکو روپیہ کے واپس مانگنے کا اختیار نہ رہتا تھا اور نہ بادشاہ کو تنخواہ معینہ کے بند کر دینے کا، ہاں یہ بات بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھی کہ اگر وہ تنخواہ معینہ بند کرنی چاہیں تو وہ روپیہ جو بنام نہاد نذرانہ لیا ہے اس شخص کو واپس کر دیں +

اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے بادشاہ کو ہزار روپیہ نذرانہ اس شرط پر دیا کہ دس روپیہ مہینے کی تنخواہ اُس کی مقرر ہو جاوے بادشاہ نے منظور کیا اور تنخواہ مقرر کر دی۔ دوسرا ایسا شخص آن موجود ہوا کہ ہزار روپیہ نذرانہ اُس شرط پر دینے کو راضی تھا کہ بادشاہ پانچ روپیہ ماہواری اُسکا مقرر کر دیں بادشاہ نے ہزار روپیہ اُس سے لیا اور پہلے شخص کا روپیہ واپس کر دیا اور دس روپیہ تنخواہ اُسکی بند کر دی اور اُنمیں سے پانچ روپیہ اس دوسرے شخص کی تنخواہ مقرر کر دی اور وہ پانچ روپیہ

www.poetrymania.com©

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا	وہ چیز جسکی برداشت کی ہمکو طاقت نہیں اور معاف کر

جو بچے اس کی بھی کسی تیسرے شخص سے نذرانہ لیکر اس کی تنخواہ میں مقرر کردیئے +

یہ معاملہ پرامیسری نوٹ کے معاملہ سے بھی زیادہ مشتبہ ہے کیونکہ جو حالت بادشاہ کی مثل ایک پنشندار شخص کے تھی اسکے لحاظ سے بادشاہ بذاتِ خود مدیون متصور ہوتے تھے اور اس لئے اس معاملہ میں دو رکن موجود تھے یعنے دائن و مدیون البتہ صرف تیسرا رکن حق طلب معدوم تھا پس اس معاملہ کی بڑھوتری کو تمام علماء دخلی ربا نہیں سمجھتے تھے اور اگر میری یاد میں غلطی نہو تو بڑے بڑے مقدس مولویوں نے اس قسم کا نذرانہ دیکر تنخواہیں اپنی اور اپنے قرابت مندوں کی مقرر کرائیں تھیں پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر یہ بڑھوتری سود ناجائز نہ تھی تو پرامیسری نوٹ کی بڑھوتری کیوں سود ناجائز قرار پا سکتی ہے +

دوئم معاملات ترقی ملک۔ مثلاً گورنمنٹ یا کوئی جماعت محدود اس غرض سے روپیہ قرض لے کہ اس روپیہ سے ایک نہر آبپاشی کے لئے یا آہنی سڑک آمد و رفت کے لئے جاری کرے اور دائن کو اس قرضہ کی بابت سود دینا قبول کرے تو وہ بھی ربائے ممنوع میں جسکا ذکر آیت میں ہے داخل نہیں ہے کیونکہ وہ اس قسم کا قرضہ نہیں ہے جسپر ربا ممنوع ہے +

سوم معاملات رفاہ عام۔ فرض کرو کہ کسی شخص یا جماعت نے ایک سرمایہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ اس کے محاصل سے عام رفاہ کے کام کئے جاویں گے وہ سرمایہ فقہ کی رو سے وقف ہے اور وہ شخص یا جماعت صرف امین یا متولی وقف ہے اس سرمایہ کی ملکیت نہیں رکھتے پس اگر وہ سرمایہ بالغرض کسیکو سودی قرض دیا جاوے تو وہ بھی ربائے ممنوع ہو

www.poetrymania.com©

وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۲۸۶	اور بخشدے ہمکو اور مہربانی کر ہمپر توہی ہمارا مولے ہے پھر مدد کر ہماری کافروں کی قوم پر (۲۸۶)

میں داخل نہیں ہوسکتا +

سبب اسکا یہ ہے کہ جو اصول و قواعد جماعت محدود کے لئے اس زمانہ میں مروج ہیں اُن کی رو سے وہ جماعت محدود اپنی ذات سے اُس قرضہ کی مدیوں نہیں ہوتی اور نہ اُن کی ذات دائن ہوتی ہے اور یہی حال اُس شخص یا جماعت کا ہے جو کسی سرمایہ وقف کا متولی یا امین ہے پس اُن دونوں صورتوں میں یا دائن شخص معین نہیں ہے یا مدیون شخص معین نہیں ہے اور اس لئے اُس پر ایسے قرضہ کا ہونا جس پر سود لینا ممنوع ہے صادق نہیں آتا اور اس لئے اُس پر ربا ربا ے ممنوع نہیں ہے

تمت

تمام شد

www.poetrymania.com©

خاتمۃ الطبع

چکیدۂ قلم اعجاز رقم حضرت ملک الکلام۔ قدوۃ الکرام۔ ناظم یکتا۔ ناثر بے ہمتا جامع فضائل معنوی وصوری۔ مالک ممالک معانی۔ قہرمان جہان سخندانی وشیوا زبانی۔ معمور نگارخانۂ جادو بیانی۔ اعنی جناب شاہزادہ مرزا محمد عبد الغنی صاحب رشد گورگانی مدرس میونسپل بورڈ سکول فیروزپور سلمہ اللہ تعالیٰ بالفرح والسرور

اے خدا اے بزرگ خدا۔ اپنے رسول اور پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل اور انکے آل واصحاب کا واسطہ۔ آج میری مدد کر۔ اور جس طرح میں اپنے دل کو فریبی خیالات جھوٹے ملمعات سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔ تو بھی اُسے پاک کر۔ جو کچھ ٹھیک ٹھیک میرے دل میں ہو۔ لب وزبان اُسکی صداقت کریں۔ اور جو کچھ لب وزبان سے نکلے طبیعت وقلم اُسپر گواہی دیں۔ اے پیارے خدا۔ میں سخت مشکل میں ہوں کہ آج میرا ایک دوست اسبات پر ضد کر رہا ہے کہ میں تفسیر احمدی پر ریویو کردوں یا تقریظ لکھوں جو تمام آرزون دل دوستاں میرا مذہب نہیں ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کہوں تو کیا کہوں اور نہ کہوں تو کیا نہ کہوں۔ اے خدا! میرا مددگار ہو۔ انسانی صداقت سے جہاں تک ممکن ہو مجھے باز نہ رکھ۔ سخت دقت ہے۔ کہ تفسیر احمدی کا نفس ایک دیباچہ مشہور۔ معروف۔ بلند پایہ ہے۔ اور ارشد اُسکے سامنے بے مایہ۔ اگر قلم سے تعریفی "عمادی" نکلیں تو مہذب بھاٹ کا خطاب ملتا ہے۔ اگر جھوٹ کہا جاوے تو یہ گناہ صریح۔ امتحان کا وقت ہے۔ الٰہی تو مجھے امتحان میں نہ ڈال۔ بہرکیف یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل۔ ڈی آنریبل۔ ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ سے کیوں اسقدر ناراضگی ہے کہ انکے پیرو انکے دوست۔ اُن کے نام لینے والوں کو بُرا کہا جاتا ہے۔ اور انکی بے تاثیر تقریر۔ جادو بیان تحریر کا شکریہ تو در کنار کیسی ذرّتے تُنگ خفا ہی ہو گئے۔ میرے خیال میں شاید ان سب باتوں کا سبب یہ ہے کہ سر سید نے جو کچھ کیا وہ پہلا کام ہو کم و بیش۔ دو سو سال سے ہندوستان کے مسلمانوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو اس ہمت وحوصلہ کے ساتھ تن تنہا میدان میں آیا ہو۔ اور جس نے مسلح قوم کو اپنے اشاروں پر لگا کر بتا دیا ہے کہ دیکھو قومی ہمدردی اسے کہتے ہیں شاہی خیر خواہی یہ ہوتی ہے حق بات تو یہ ہے کہ جو کچھ سر سید نے کیا وہ کسی سے نہ ہو سکا۔ اور اب بھی جو کچھ ہوتا ہے وہ سید ہی کا صدقہ ہے۔ یا اتباع سر سید نے مسلمانوں کو سوتے سے جگایا۔ خواب حال قوم کو چٹکیاں لے لے کر جھنجوڑ جھنجوڑ کر چونکایا۔ مگر وہ اب تک بھی وہ پورے دوڑنے بھاگنے کے قابل نہیں ہوئے مگر شکر ہے کہ خواب دوشینہ کی خماری جاتی رہی۔ اور سب نے سلامتی ہو کر خیال کر لیا ہے کہ قوم بنتی ہے اپنی ہمت سے۔ کیا آج کل وہ بیش

www.poetrymania.com©

بیس برس پہلے کوئی انجمن حمایتہ الاسلام تھی۔کوئی کمیٹی کے طریق جانتا تھا۔نہیں۔پھر کیوں ایک سیمتی اور ایک ہمدرد سے ایسی نفرت کیجاوے۔تفسیر احمدی بیشک ایک عمدہ اور نئی انوٹ کی تفسیر ہے جسمیں معقولات کا زور دکھایا گیا ہے۔فلاسفہ کے بازوؤں پر مفسّر نے معانی کو اُڑایا ہے۔علم کلام کی طاقت صرف کر کے آیات سے بدیہی نتائج پیدا کئے ہیں سنئے فلسفہ سے قرآن کو ٹکسال پر چڑھایا ہے اور ثابت کیا ہے۔کہ قرآن بہرحال صداقت اور سچائی کا مخزن رہا ہے اور رہیگا۔کیا ان باتوں کو کوئی بُرا کہہ سکتا ہے۔توبہ۔توبہ۔اگر سید صاحب کے تمام اقوال یا صرف تفسیر میں کوئی بدکا خیالی بات گھبراہٹ ڈالنے والا معاملہ ہے تو یہ ہے کہ جو اُنھوں نے کیا وہ اکثر نیا اور جدید تحقیقات کے مطابق۔نیز پُرانے فلاسفر مفسّرین کی عربی تفاسیر کا (جسکو سرسید نے زبان اُردو کا جامہ پہنایا۔اور اتنے پہلے باعث عدم واقفیت زبان عربی کے عوام اُس کے سمجھنے سے قاصر تھے) بیان کیا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ تمام تفاسیر جو کلام مجید کی موجود ہیں۔یا آئیندہ ہوں گے۔وہ سب ایک دوسرے سے کم و بیش مختلف ہیں۔اگر ان کے اختلاف کو صرف جمع کر لیا جاوے تو قرآن مجید کا بہت تھوڑا حصہ معاذاللہ صحیح ماننے کے قابل رہجاتا ہے۔ حالانکہ کتاب پاک من اولہ الی اخرہ حرف بحرف سب صحیح ہے۔علاوہ ازیں بڑی بھاری بدگمانی یہ پیدا ہوتی ہے کہ جنھوں نے اختلاف کیا اُنھوں نے جانکر قرآن کے معانی بدلے اور ایسا آدمی علماء حال سے پڑھو کیا نام پاسکتا ہے ونعوذ باللہ من ذٰلک الاعتقاد۔پس ثابت ہوا کہ جب کل تفاسیر باوجود اختلاف معانی ماننے کے قابل ہیں۔تو سرسید کی ذات کیوں نشانہ بنائی جاوے اور کوئی وجہ نہیں کہ تفسیر احمدی سے اختلاف کیا جاوے +

افسوس! افسوس!!

نظم

جو ڈرتے ہو ہم سب ہیں عزت کے قابل
مسلماں جالی کو کافر بناتے ہیں
الگ میں سید احمد کو یہ پیر نیچر
کہ گر پیر نیچر نہ ہمت دکھاتا
تو سمجھے کہ جتنے جاہلے عیسائی ہوتے
کہ دین ہی ختم کیا جاتے جاتے
نہیں ہم کو سید کی تعریف کرنی
سمجھتے ہیں پر فرض ہم سچ کا کہنا

فضیلت سے ہیں جو فضیلت کے قابل
اگر ایک پا لغزیدہ بھی ہیں پاتے
سمجھتے نہیں گرچہ تفسیر نیچر
تو اسلام ہندوستاں میں بچ جاتا
عدد دین کے سیکڑوں بھائی ہوتے
قدم قوم کا ختم کیا جاتے جاتے
کہ بیجا ہے بے وجہ توصیف کرنی
نہیں چاہتے سچ پہ خاموش رہنا

نیا نہیں پایا ہو جسنے طریقہ
جہاں تک نئی ہو سکھایا کو نارتی
نہ کچھ اسکے کام کی انکو خبر ہے
نئی روشنی کی شعاعیں جو پڑتیں
کچھ اس ڈھب سے سید نے دیوار رد کی
فروعات ہیں گو تغیر ہوا ہے
نہ ہم سید احمد کے کچھ معتقد ہیں
کہ سید کی نیت خدا جانتا ہے

وہ ہیں خوش بیانی میں کیا خوش سلیقہ
نہیں ہیں تیری آن سے جن کی
نہ کچھ حب قومی یہ انکو نظر ہے
بہت بستیاں دین حق کی اُجڑتیں
نہ کچھ ڈھال روکی نہ تلوار روکی
اصول اب بھی دونوں کا دین کا
نہ ہم مولوی ہیں نہ ہم نیچری ہیں
خدا جانے ہر شخص کیا جانتا ہے

مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری نسبت جاء الجاہل فسبوہ ولعنوہ وان انقلعت فاقتلوہ۔نہ فرمایا جاوے اسلئے میں اپنے

www.poetrymania.com©

بیان نا قابل کو صرف یہ کہکر ختم کرتے ہیں کہ الا بہوں ولا تختلج فی صدری رشد شئے۔ واضح ہو کہ میرے دوست منشی غلام احمد صاحب تاجر کتب ڈیوڑی پورہ کو چند سال ہوئے کہ جناب خان بہادر ڈپٹی قادر بخش خانصاحب مرحوم و مغفور کے توسط سے سر سید نے اس تفسیر کے جلد اول کے چھاپنے کی اجازت دی تھی۔ اور وعدہ کیا تھا کہ سوائے ایک جلد کے اور بھی جلدوں کی اجازت دیجائیگی۔ مگر دیر کیوں لگی اور وہ شائع کیوں نہ ہوئی اسکی وجہ یہ ہوئی کہ اول تو کاپی نویسوں نے کتابت سے انکار کیا ایک نے تھوڑی کاپیاں لکھیں بھر فرمایا کہ ہمارا دین بگڑتا ہے اسلئے آگے ہم نہیں لکھ سکتے۔ اہل مطبع نے چھاپنے کا وعدہ نہ کیا۔ مجبوری ہوئی پھر بھی منشی غلام احمد صاحب نے ہمت باندھکر اشتہارات وغیرہ چھاپے ریلوے سٹیشنوں پر چسپاں کئے۔ اخبارات کو دیئے۔ مگر صد ہا برخاست آخر کار بابو علی محمد صاحب اپنے اس قسم کی مخالفت عوام کی کچھ پرواہ نکرکے منشی صاحب موصوف کے ساتھ کمر ہمت باندھی) کی امداد یہ کتاب چھپنی شروع ہوئی۔ اور الحمد للہ کہ پایۂ اختتام کو پہونچی۔ صاحبان موصوف کی ایک اعلیٰ العزمانہ بات جو قابل فخر ہے وہ یہ کہ صاحبان موصوف نے خاص اپنی منافع پر نظر نہیں کی بلکہ خاص از دیاد شدہ کتاب کی علیگڈہ محمڈن کالج کی نذر کی ہو جس سے وہ زیادہ تر تحسین و شکر گذاری کے مستحق ہیں۔ جزاہما اللہ۔ ان باتوں سے پایا جاتا ہے کہ سر سید بہادر سے جسنے قومی ہمدردی کا بیڑا اٹھایا۔ اور اسی ذی علم قوم بنانا چاہا کس قدر مخالفت ہو۔ حالانکہ افتراق کی بابت۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم صاف نص قرآنی ہے۔ اهدنا الصراط المستقیم۔ واتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ۔

قطعۂ تاریخ

اے سید عالی تیری ہمت پہ ہی شاباش
صد شکر کہ تو سال کا ہوکے جواں ہو
اللہ تیری زندگی میں رکھے تجھکو ہمیشہ
اور سر پہ تو ہے قوم کا دم بھر بھی جواں ہو
افتادہ مسلمانوں کی تو نے اٹھایا
اسلام کو تا لوگ سے محفوظ یہاں ہو
بہتوں کی مخالفت کو بیاد کرو سنیتے
شادی ہو یہ ... جہاں ہر دم نیا ہو
... جا ہو ... تو لوگ ہمیشہ
خامہ ... کا ... رواں ہو

ہر دم تیرے آرام کو عیش دو جہاں ہو
نے نخل ثمردار بہاروں پہ رہے تو
ہر خورد تیرے سامنے عزت سے کلاں ہو
صد شکر کہ تو سر بھی ہے اور شاہی سید
گر گروہ اٹھی کیوں نہ عدو اسکا جہاں ہو
تفسیر دو بالا ہی کی خالف بھی خجل ہیں
اپنا جو نابینا ہو تو کہتے ہیں تابان ہو
نسبت دغلامی کی نیز نام ہے اسکو
کیوں صفت صافی نہ ہو باعث شاہو
نا گاہ ذہنی ہاتف غیبی ہے یہ آواز

اپنی تو دعا یہ ہے زلیخا کی طرح سے
ہر سال نئی تیرے لئے تاب و تواں ہو
سید ہو وہی قوم کا جو قوم کا سر ہو
کسطرح چھپا سکتے ہیں جو بات عیاں ہو
تقریر میں تحریر میں بات دکھائی
کب بات کی تاب آج ہے جو جو تحقیق بیاں ہو
چھپوائی یہ تفسیر کسی لوگ نے جسے
نسبت ہو جسے تجھسے وہ کسطرح نہاں ہو
ارشد کو نظر آئی جو طبع یہ تفسیر
کس فکر میں ہو دستکدہ کو ہو کہاں ہو

... ہو جو تاریخ ہے مصرعہ تاریخ | قرآن کی تفسیر ہوا چھپکی زبان ہو ۱۳۰۹

تمت

بالخیر